الرّفیقُ الفصِیح
لمشکوٰۃ المَصَابِیح
جلد ۱۷
افادات
حضرت علامہ رفیق احمد صاحب قدس سرہٗ
شیخ الحدیث مفتاح العلوم جلال آباد
مرتب
محمد فاروق غفرلہٗ

S.R.Waraq-17

ا

الرفیق الفصیح

لمشکوٰۃ المصابیح

جلد ۱۷

افادات

حضرت علامہ رفیق احمد صاحب قدس سرہٗ

شیخ الحدیث مفتاح العلوم جلال آباد

مرتب

محمد فاروق غفرلہٗ

خادم جامعہ محمودیہ علی پور ہاپوڑ روڈ میرٹھ (یوپی) ۲۴۵۲۰۶

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

تفصیلات

نام کتاب......الرفیق الفصیح لمشکوٰۃ المصابیح ج:۱۷

افادات..........حضرت علامہ رفیق احمد صاحب قدس سرہٗ

مرتب..........محمد فاروق غفرلہٗ خادم جامعہ محمودیہ میرٹھ

کمپوزنگ..........نجم الحسن قاسمی لکھیم پوری شعبہ کمپیوٹر جامعہ ہذا

سن اشاعت..........۱۴۳۶ھ مطابق ۲۰۱۵ء

صفحات..........۴۳۶

قیمت

ناشر

مَکتَبَہ مَحمُودِیَہ

جامعہ محمودیہ علی پور ہاپوڑ روڈ میرٹھ (یوپی) ۲۴۵۲۰۶

فہرست

الرفیق الفصیح

لمشکوٰۃ المصابیح

جلد: ہفت دہم

اجمالی فہرست

الرفيق الفصيح لمشكوة المصابيح

جلد ہفت دہم

تفصیلی فہرست

الرفیق الفصیح لمشکوٰۃ المصابیح ۱۷

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۳۷	دلائل ائمہ اربعہ وجمہور	۵۸
۳۸	نفس کا بگاڑ	۶۴
۳۹	معاشرتی بگاڑ	۶۵
۴۰	بے حیائی کا فروغ	//
	﴿الفصل الاول﴾	
۴۱	حدیث نمبر﴿۳۱۳۴﴾خلع میں مہر کے باغ کی واپسی	۶۶
۴۲	حدیث نمبر﴿۳۱۳۵﴾حالت حیض میں طلاق ورجوع	۶۹
۴۳	ابن عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں حیض میں طلاق دینے کا قصہ اوراس سے متعلق مسائل	۷۰
۴۴	طلاق حامل کی بحث ''وھل الحامل تحیض؟''	۷۱
۴۵	طلاق فی الحیض کے وقوع میں اختلاف	۷۳
۴۶	عدت کی ابتداء حیض سے ہے یا طہر سے مع اختلاف ائمہ	۷۴
۴۷	حدیث نمبر﴿۳۱۳۶﴾بیوی کو اختیار دینا	۷۶
۴۸	مسئلۃ الباب میں اختلاف علماء	۷۷
۴۹	حدیث نمبر﴿۳۱۳۷﴾حرام کر لینے سے کفارہ ہے	//
۵۰	حدیث نمبر﴿۳۱۳۸﴾تحریم شہد کا واقعہ	۷۸
	﴿الفصل الثانی﴾	
۵۱	حدیث نمبر﴿۳۱۳۹﴾طلاق کا مطالبہ کرنیوالی پر جنت حرام ہے	۸۰
۵۲	حدیث نمبر﴿۳۱۴۰﴾طلاق ابغض الحلال ہے	۸۲
۵۳	طلاق کے مکروہ ومبغوض ہونے کی تشریح	//
۵۴	حدیث نمبر﴿۳۱۴۱﴾نکاح سے پہلے طلاق نہیں	۸۴
۵۵	حدیث نمبر﴿۳۱۴۲﴾مالک ہونے سے پہلے نہ نذر ہے نہ طلاق وعتاق	۸۵

Jild-17

Jild-17

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
	﴿الفصل الاول﴾	
۱۱۴	حدیث نمبر ﴿۳۱۶۰﴾ کفارہ میں غلام آزاد کرنے کا ذکر	۱۷۰
	﴿باب اللعان﴾	
۱۱۵	(لعان کا بیان)	۱۷۳
۱۱۶	لعان کی حقیقت	〃
۱۱۷	وجہ تسمیہ	۱۷۴
۱۱۸	اشکال مع جواب	〃
۱۱۹	لعان میں حکمت	〃
۱۲۰	طریقہ لعان	۱۷۶
۱۲۱	حکم لعان میں علماء کا اختلاف	〃
۱۲۲	حنفیہ کے دلائل	۱۷۷
۱۲۳	ایلاء پر قیاس اور اس کا جواب	۱۷۸
۱۲۴	ایک تیسرا اختلاف	〃
۱۲۵	حالت زنا میں قتل کرنا	۱۷۹
	﴿الفصل الاول﴾	
۱۲۶	حدیث نمبر ﴿۳۱۶۱﴾ لعان کا ایک واقعہ	〃
۱۲۷	آیات لعان کا نزول کس کے قصہ میں ہوا؟	۱۸۲
۱۲۸	حدیث نمبر ﴿۳۱۶۲﴾ لعان سے زوجین میں تفریق	۱۸۵
۱۲۹	حدیث نمبر ﴿۳۱۶۳﴾ لعان میں مہر کی واپسی	۱۸۸
۱۳۰	تکذیب کے بعد اقرار کا حکم	۱۸۹
۱۳۱	حدیث نمبر ﴿۳۱۶۴﴾ آیات لعان کا شان نزول	〃
۱۳۲	حدیث نمبر ﴿۳۱۶۵﴾ سب سے زیادہ غیرت والا کون؟	۱۹۳
۱۳۳	حدیث نمبر ﴿۳۱۶۶﴾ اللہ تعالیٰ کی غیرت	۱۹۵
۱۳۴	غیرت	۱۹۷
۱۳۵	حقیقت غیرت	〃

Jild-17

Jild-17

{باب الخلع والطلاق}

خلع اور طلاق کا بیان

اس باب کے تحت بیس روایتیں درج کی گئی ہیں جن میں خلع،طلاق،خیار،قسم وغیرہ کے متعلق مضامین بیان کئے گئے ہیں۔

مناسبت ما قبل

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے قبل نکاح کا باب باندھا تھا کیونکہ اس کے ذریعہ زوجین کے اندر اتصال ہوتا ہے اور اتصال کے بعد شئی کے اندر انفصال آتا ہے لہٰذا اب خلع کو اور طلاق کو ذکر کرتے ہیں جو کہ انفصال کا سبب ہیں۔

خلع کے لغوی معنی

خلع کا لغوی معنی: ہے النزع والإزالۃ، اتارنا، دور کرنا، خلع کا استعمال جب باب الطلاق میں ہوتا ہے تو خاء کو ضمہ دیا جاتا ہے اور جب لباس وغیرہ میں استعمال کرتے ہیں تو وہاں خاء مفتوح ہوتی ہے، تفرقۃً بین الحسی والمعنوی۔ [تاکہ حسی اور معنوی میں فرق ہو جائے]

اصطلاحی معنی

ملکیت نکاح کو مال کے عوض میں لفظ خلع کے ساتھ زائل کرنا، یہ اس وقت ہے جب کہ لفظ طلاق کا ذکر نہ ہو اگر لفظ طلاق مذکور ہو تو یہ "طلاق بالمال" کہلائیگی۔

004

وجہ تسمیہ

خلع: کے اندر بھی چونکہ علاقہ زوجیت کو زائل کر دیا جاتا ہے اس لئے اس کو خلع کہتے ہیں۔

الفاظ "خلع" اور ان میں باہمی فرق

خلع: کے باب میں چار الفاظ قریب المعنی مستعمل ہیں۔ (۱) خلع، (۲) طلاق علی مال، (۳) فدیہ، (۴) مباراۃ۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں علامہ ابن رشد نے ہدایۃ المجتہد میں اور علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں ان کے درمیان یہ فرق کیا ہے کہ کل مہر کو بدل مقرر کر لینا، "خلع" ہے جزء مہر کو بدل مقرر کر لینا، فدیہ، ہے عورت کا شوہر کے ذمہ سے ہر ایسے حق کو ساقط کر دینا جو نکاح سے متعلق ہے "مباراۃ" ہے اور مہر سے قطع نظر مال کی کوئی مقدار مقرر کر کے طلاق دینا طلاق علی المال ہے۔ (الدر المنضود: ۱۱۰/۴)

خلع کی ضرورت

خلع: کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب میاں بیوی میں کشیدگی اور ناراضگی ہو جائے، یا عورت کو شوہر بد خلقی یا عدم توجہی یا ضعف وغیرہ کی وجہ سے پسند نہ ہو اور نباہ کی کوئی شکل نہ ہو، مرد طلاق دینے کے لئے بھی تیار نہ ہو تو عورت کے لئے اس وقت جائز ہے کہ شوہر کو کچھ مال دے کر یا اپنا مہر دے کر نجات حاصل کرلے قرآن کریم میں ہے "ولا یحل لکم ان تاخذوا مما آتیتموھن شیئا الا ان یخافا ان لا یقیما حدود اللہ فان خفتم الا یقیما حدود اللہ فلا جناح علیھما فیما افتدت بہ" (سورہ بقرہ)

اور تمہارے لئے یہ بات جائز نہیں ہے کہ اس مال میں سے کچھ بھی لو، جو تم نے ان کو مہر میں دیا ہے، مگر یہ کہ میاں بیوی دونوں کو اندیشہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل نہیں کر سکیں گے، سو اگر تم کو اندیشہ ہو کہ دونوں احکام خداوندی کی تعمیل نہیں کر سکیں گے، تو دونوں پر کوئی گناہ نہیں اس میں جس کو دے

کرعورت اپنی جان چھڑالے۔

خلع، کی مشروعیت وحقیقت

ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب کسی عورت کو اپنا شوہر پسند نہ ہو کسی وجہ سے مثلاً سوء خلق یا عدم تدین یا ضعف وغیرہ کی وجہ سے اور اس کو اندیشہ ہو زوج کی حق تلفی کا تو اس کے لئے "خلع بعوض" جائز ہے۔ لقولہ تعالیٰ "فان خفتم ان لا یقیما حدود الله فلا جناح علیهما فیما افتدت به"۔ چنانچہ اگر تمہیں اس بات کا اندیشہ ہو کہ وہ دونوں اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو ان دونوں کیلئے اس میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ عورت مالی معاوضہ دیکر علیحدگی حاصل کرلے۔ (سورۃ البقرہ) "ولقصة حبیبة بنت سهل وهو حدیث صحیح الاسناد رواه الائمة مالك واحمد وغیرهما ولروایة البخاری فی قصة امرأة ثابت بن قیس"۔ پھر آگے لکھتے ہیں کہ جملہ فقہا حجاز وشام اسی کے قائل ہیں، ہمارے علم میں نہیں کہ کسی نے اس کی مشروعیت کا انکار کیا ہو سوائے بکر بن عبداللہ المزنی کے کہ وہ اسکو جائز نہیں سمجھتے وہ یہ کہتے ہیں کہ آیت خلع منسوخ ہے ایک دوسری آیت سے یعنی باری تعالیٰ کا قول "وان اردتم استبدال زوج مكان زوج وآتیتم احداهن قنطارا فلا تاخذو منه شیئا الی آخر ماقال"۔ اور اگر تم ایک بیوی کے بدلے دوسری بیوی سے نکاح کرنا چاہتے ہو اور ان میں سے ایک کو ڈھیر سارا مہر دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ واپس نہ لو، کیا تم بہتان لگا کر اور کھلا گناہ کر کے (مہر) واپس لوگے۔ (سورۃ النساء) "واجاب عنه فارجع الیه ان شئت"۔ بذل المجہود میں تحریر ہے ماہیت خلع میں علماء کا اختلاف ہے حنفیہ کے نزدیک وہ طلاق ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دو قول ہیں، ایک قول مثل حنفیہ کے اور دوسرا قول یہ کہ وہ طلاق نہیں بلکہ فسخ ہے اور ثمرہ اختلاف یہ ہوگا کہ خلع کے بعد اگر دوبارہ اس سے نکاح کرے گا، تو صرف دو طلاق کا اختیار باقی رہے گا، ہمارے نزدیک اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تین طلاق کا حق ہوگا۔ چنانچہ ہمارے یہاں خلع کے بعد دو طلاق دینے سے حرمت غلیظہ ہو جائیگی، ان کے یہاں دو سے نہیں بلکہ تین سے ہوگی، اور اوجز المسالک میں ہے کہ خلع حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک طلاق بائن ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایتیں ہیں لیکن اصح عند الشافعی

یہی ہے کہ وہ طلاق ہے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ وہ فسخ ہے، نیز ایک اور ثمرہ اختلاف خلع کے طلاق یا فسخ نکاح ہونے میں یہ بھی ہوگا جمہور کے نزدیک جو اس کے طلاق ہونے کے قائل ہیں ان کے نزدیک مختلعہ کی "عدت ثلاثہ قروء" ہوگی اور جو فسخ کے قائل ہیں ان کے نزدیک حیضہ واحدہ جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آگے آرہا ہے، لیکن امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک باوجود اس کے کہ وہ فسخ کے قائل ہیں، مختلعہ کی عدت ان کے نزدیک بھی ثلاثہ قروء ہی ہے، صرح بہ الحافظ فی الفتح، حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فسخ اور نقص عدت میں تلازم نہیں، یعنی یہ ضروری نہیں کہ فسخ کی عدت طلاق کی عدت سے کم ہو۔ (الدر المنضود ۱۱۰/ ۴)

دنیا میں سب سے پہلے خلع کس نے کیا

ابوبکر بن درید نے لکھا ہے کہ دنیا میں سب سے پہلے خلع عامر بن الطرب کی لڑکی نے کیا اور اسلام کے اندر سب سے پہلے ثابت بن قیس بن شماس کی بیوی نے کیا جیسا کہ باب کی پہلی حدیث کے اندر آئے گا، ان کی بیوی کے نام میں اختلاف ہے بعض نے حبیبہ بنت سہل اور بعض نے جمیلہ بنت زینب ابی بن سلول بیان کیا اکثر روایات کے اندر جمیلہ وارد ہوا ہے، لیکن بعض روایت میں جمیلہ کے بجائے زینب بنت عبداللہ بن ابی بن سلوب واقع ہوا ہے، ممکن ہے کہ ایک لقب ہو اور ایک نام ہو۔ (تقریر حضرت شیخ زکریا قدس سرہ)

بدل خلع لینے کا حکم

اور جہاں تک شوہر کے لئے بدل خلع لینے کا حکم ہے تو اس پر تفصیل ہے کہ اگر عورت خلع لینے پر شوہر کی سرکشی، زیادتی ظلم وغیرہ کی وجہ سے مجبور ہوئی، تو اس صورت میں شوہر کے لئے بدل خلع لینا مکروہ ہے اور اگر خلع عورت کی سرکشی یا غلط حرکت کی وجہ سے ہو رہا ہے تو اس صورت میں شوہر صرف مہر کی حد تک بدل خلع لے سکتا ہے، اس سے زائد لینا مکروہ ہے۔

طلاق کالغوی معنی

طلاق اسم مصدر ہے اور مصدر تطلیق ہے جیسے سلام وتسلیم، طلاق کے لغوی معنی حل الوثاق، (گرہ کھولنا) مشتق ہے اطلاق سے بمعنی ارسال وترک، کہا جاتا ہے، "اطلق الاسیر" قیدی کو چھوڑ دیا، "اطلق الناقة" ناقہ کی رسی کھولدی، نکاح میں اس کا استعمال باب تفعیل سے ہوتا ہے یعنی تطلیق اور غیر نکاح میں باب افعال سے۔

اصطلاحی معنیٰ

اور اصطلاحی معنی ہیں "رفع القید الثابت شرعا بالنکاح" اس تعلق اور وابستگی کو رفع کردینا جس کا ثبوت شرعاً نکاح کے ذریعہ سے ہوتا ہے، شرعاً کی قید سے قید حسی خارج ہوگئی، یعنی حل الوثاق (گرہ کھولنا) اور بالنکاح کی قید سے احتراز ہوگیا عتق سے اس لئے کہ اگرچہ عتق میں بھی اس قید کا رفع ہوتا ہے، جو شرعاً ثابت ہے، لیکن اس کا ثبوت نکاح سے نہیں بلکہ شراء وغیرہ سے ہوتا ہے۔ (زیلعی)

وجہ تسمیہ

یہ ہے کہ نکاح کی وجہ سے عورت پر قید اور پابندی لگ جاتی ہے کہ یہ اب کسی اور جگہ نکاح نہیں کرسکتی ہے جب کہ آدمی طلاق دیتا ہے، تو گویا اس قید معنوی کو اٹھا دیتا ہے محاورات عرب میں ورود شریعت سے پہلے بھی طلاق کا لفظ عورت سے اس قید معنوی کے اٹھانے کے معنی میں استعمال ہوتا تھا۔

شریعت نے اس معنی میں اس لفظ کے استعمال کو برقرار رکھا ہے البتہ اس کے قواعد اور احکام اپنے مقرر فرمائے ہیں۔

004

مشروعیت کا ثبوت

طلاق کی مشروعیت کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ اجماع امت اور قیاس ہر ایک سے ثابت ہے، چنانچہ ارشاد خداوندی ہے۔ "اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ" (بقرہ: ۲۲۸) طلاق دینا دو مرتبہ ہے، پھر روک لینا ہے بھلائی کے ساتھ یا چھوڑ دینا ہے دستور کے مطابق، دوسری آیت میں ارشاد ہے۔ "يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ اِذَا طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوۡهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحۡصُوا الۡعِدَّةَ" (طلاق، آیت: ۱)

اے نبی! جب طلاق دو بیویوں کو تو طلاق دو ان کو عدت گذارنے کے مناسب اور شمار کرو عدت کو اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حلال چیز میں سب سے زیادہ مبغوض چیز طلاق ہے۔ "عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عن النبی صلی الله علیه وسلم قال ابغض الحلال الی الله عزوجل الطلاق" (ابوداؤد: ۲۹۶، باب کراهیة الطلاق)

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حالت حیض میں اپنی بیوی کو طلاق دے دی تھی تو آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ رضی اللہ تعالیٰ سے فرمایا کہ عبداللہ رضی اللہ عنہ سے کہو کہ وہ رجوع کر لیں اور پھر اگر طلاق دینا ناگزیر ہو تو حالت طہر میں طلاق دیں۔ "مره فلیراجعها، ثم لیمسکها حتی تطهر، ثم تحیض، ثم تطهر ثم ان شاء امسك بعد ذالك، وان شاء طلق قبل ان یمس" ابوداؤد: ۲۹۶، باب الطلاق) امت محمدیہ کے مجتہدین کا اس بات پر اجماع ہے کہ ضرورت کی بنا پر عورت کو طلاق دی جاسکتی ہے، اور عقلاً بھی طلاق کا جواز ثابت ہے کیوں کہ بسا اوقات وہ ناگزیر ضرورت بن جاتی ہے۔

مشروعیت طلاق کی حکمت

جس طرح اللہ تعالیٰ شانہ نے نکاح کو مشروع فرمایا مصلحت عباد کے لئے اسلئے کہ نکاح کے

ذریعہ بندوں کے دینی و دنیوی مصالح پورے ہوتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ نے طلاق کو بھی مشروع فرمایا ہے، انہی مصالح کے تکملہ کے طور پر کیونکہ بعض مرتبہ انسان کو جو نکاح اس نے کیا ہے وہ موافق نہیں آتا اور وہ اس سے خلاصی چاہتا ہے سو اللہ تعالیٰ نے اس کا حل طلاق کو بنایا ہے، نیز اللہ تعالیٰ نے طلاق کے بھی درجات رکھے اور اس کے چند عدد مقرر فرمادئے ہیں تاکہ نکاح دفعۃً ختم نہ ہو جائے اور طلاق دینے والا نفس کو آزمالے کہ بیوی سے جدائی اور علاحیدگی ہی بہتر رہے گی یا نہیں بلکہ اس کا ہونا ہی بہتر ہے نہ ہونے سے، لیکن طلاق کے عدد کے پورے ہونے کے بعد اگر وہ دوبارہ نکاح میں اس عورت کو لینا چاہے تو زوج کی اصلاح کے لئے یہ ناگوار شرط مقرر کی گئی کہ اب جب تک وہ عورت اس کے مقابل کے نکاح میں نہ جاچکے اور اس کے پاس سے ہو کر نہ آئے اس وقت تک وہ اس سے نکاح نہیں کرسکتا گویا حلالہ کی قید تنبیہاً و سزاءً لگائی گئی ہے۔سبحان اللہ احکام الٰہیہ میں کیا کیا حکم و مصالح ہیں۔(الدر المنضود:۷۷/ ۴)

طلاق اور اسلام کا نظام اعتدال

یوں تو سابقہ تمام مذاہب میں کسی نہ کسی درجہ میں طلاق کا وجود پایا جاتا ہے مگر کسی بھی مذہب میں اجازت وطریقۂ طلاق افراط وتفریط سے خالی نہیں ہے، خواہ وہ یہود ونصاریٰ کا مذہب ہو یا ہنود کا ہو، صرف اسلام ایسا مذہب ہے جس میں ہر چیز کا ایک معتدل اور عادلانہ نظام موجود ہے، اسلام نے نہ تو طلاق کی بے لگام اجازت دی ہے جیسا کہ دین یہود اور موجودہ یورپ میں نصاریٰ کے مذہب میں ہے کہ ان کے لئے طلاق کی کھلی اجازت ہے بلکہ عورتوں تک کو اس کا حق دے دیا گیا ہے، یہ ملحوظ رہے کہ یہود نے بعد میں طلاق پر بہت سی پابندیاں عائد کردی تھیں، اور نصاریٰ کے یہاں مذہبی اعتبار سے اس کی بالکل اجازت نہ تھی سوائے اس کے کہ عورت زانیہ ہو تو اس کو طلاق دی جاسکتی تھی، لیکن نصاریٰ اپنی مذہبی پابندیوں پر عمل نہ کرسکے تا آنکہ وہ صورت پیدا ہوگئی جس کا ماقبل میں تذکرہ کیا گیا، اور نہ دین ہنود کی طرح اسے بالکل حرام اور شجر ممنوعہ قرار دیا گیا ہے، بلکہ بوقت مجبوری طلاق کی گنجائش اور اجازت اسلام میں موجود ہے، البتہ ضرورت شدیدہ کے بغیر اسلام نے اسے ناپسند قرار دیا ہے، اور شوہر کو یہ تاکید کی ہے کہ اگر بیوی کی طرف سے کوئی ناگوار بات پیش آئے تو اس کی خوبیوں کا تصور کرے، چنانچہ ارشاد خداوندی ہے، "فَإِنْ

كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا» (نساء:۱۹) [اور اگر تم انہیں پسند نہ کرتے ہو تو یہ عین ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرتے ہو اور اللہ نے اس میں بہت کچھ بھلائی رکھدی ہو] (سورۃالنساء)

پھر اگر کوئی بات ناقبل برداشت ہونے لگے تو اسلام نے مرد کو یہ حکم دیا ہے کہ طلاق دینے کے بجائے بتدریج اس کی اصلاح کی کوشش کرو، چنانچہ ارشاد باری ہے «وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا» (نساء:۳۴)

اور وہ عورتیں کہ خوف کرو تم ان کی نافرمانی کا تو ان کو سمجھاؤ اور ان کو علاحیدہ کردو خواب گاہ میں پھر اگر وہ تمہارا کہنا مان لیں تو ان کے خلاف راستہ تلاش نہ کرو، لیکن اگر اصلاح اور نباہ کی کوئی صورت ممکن نہ ہو تو پھر طلاق دینے کی اجازت ہے مگر وہ بھی اس طرح کہ بعد میں اگر ندامت ہو تو رجعت یا نکاح کے ذریعہ بیوی اپنے پاس واپس آسکے، چنانچہ ارشاد باری ہے «اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ» [طلاق (زیادہ سے زیادہ) دو مرتبہ ہونی چاہئے اس کے بعد (شوہر) کے لئے دو ہی راستے ہیں یا تو قاعدہ کے مطابق (بیوی کو) روک رکھے (یعنی طلاق سے رجوع کرلے) یا خوش اسلوبی سے چھوڑ دے (یعنی رجوع کے بغیر عدت گذر جانے دے] (بقرہ:۲۲۸)

حضرت رسول اللہ ﷺ نے طلاق کا طریقہ یہ بتایا ہے کہ حالت طہر میں ایک طلاق دے کر چھوڑ دو، تاکہ زمانہ عدت میں رجعت اور اس کے بعد تجدید نکاح کی گنجائش باقی رہے۔

نیز اسلام نے طلاق کا اختیار صرف مرد کو دیا ہے کیونکہ عورت عموماً جذباتی اور عجلت پسند ہوتی ہیں اس لئے طلاق کے معاملہ میں ان سے متوازن فیصلہ مشکل ہے، اور بے اعتدالی کا خطرہ ہے، البتہ چونکہ بعض صورتیں ایسی بھی ہوسکتی ہیں کہ عورت معقول وجوہ کی بنا پر علاحیدگی چاہتی ہو تو اس کے لئے خلع کا راستہ رکھا گیا ہے نیز خاص حالات میں عورت عدالت کے ذریعہ بھی نکاح فسخ کراسکتی ہے، مثلاً شوہر مجنون، عنین اور مفقود ہو، یا نان ونفقہ نہ دیتا ہو، یا پھر غائب غیر مفقود ہو، اور عورت کو اپنی عصمت کا خطرہ ہو، یہ ہے اسلام کا معتدل اور عادلانہ نظام کہ اگر اس پر صحیح طریقہ سے عمل کیا جائے تو نکاح وطلاق کے تمام قضیے آسانی سے نمٹ

سکتے ہیں ۔(ماخوذ از درس ترمذی:۳)

طلاق کی اقسام

طلاق کی اولا دو قسمیں ہیں، طلاق سنت اور طلاق بدعت، پھر اول کی دو قسمیں ہیں، طلاق حسن اور طلاق احسن۔

(۱)......طلاق احسن یہ ہے کہ زوج مدخول بہا کو ایک طلاق دے ایسے طہر میں جس میں اس نے اس سے وطی نہ کی ہو یہاں تک کہ اس کی عدت پوری ہو جائے، اور بس یعنی اس کے بعد دوسری اور تیسری طلاق نہ دے۔

(۲)......طلاق حسن یہ ہے کہ زوج مدخول بہا کو بزمانہ طہر ایسا طہر جس میں وطی نہ کی ہو ایک طلاق دے، پھر اسی طرح دوسرے طہر میں دوسری اور تیسرے طہر میں تیسری طلاق دے یہاں تک کہ عدت پوری ہو جائے۔

مذکورہ بالا تعریف سے معلوم ہوا کہ سنیت طلاق کا دارومدار دو چیزوں پر ہے، عدد اور وقت یعنی طہر واحد میں ایک طلاق سے زائد نہ دیجائے، دوسرے یہ کہ بزمانہ طہر دیجائے پس اگر ایک سے زائد یا حالت حیض میں دی تو وہ طلاق بدعی ہوگی کیونکہ اس سے زائد زائد از حاجت ہے، حاجت ایک طلاق سے پوری ہو جاتی ہے اور طہر کی قید اس لئے ہے کہ حیض کی طلاق میں احتمال ہے اس کا کہ ضرورت ومصلحت کی وجہ سے نہ ہو بلکہ نفرت کی وجہ سے ہو کہ حیض کی حالت گندگی کی حالت ہے اور دوسری خرابی اس میں یہ ہے کہ حالت حیض میں طلاق دینے سے تطویل عدت لازم آتا ہے، کیونکہ جس حیض میں طلاق دیجائے گی وہ حیض تو عدت میں شمار نہیں ہوتا اس کے علاوہ تین حیض عدت کے ہوں گے۔

اور یہ جو عدم وطی کی قید ہے اس کا منشا یہ ہے کہ وطی کی صورت میں احتمال ہو جائے گا علوق (حمل) کا جس سے مسئلہ عدت مشتبہ ہو جائے گا، اس لئے کہ حاملہ کی عدت وضع حمل ہے اور غیر حامل کی حیض تو اب یہ عورت ظہور حمل سے قبل متردد رہے گی اس میں کہ میری عدت کیا ہے؟ نیز وطی کے بعد چونکہ "رغبت الی المرأة" فی الحال باقی نہیں رہتی اسی لئے اسوقت طلاق دینے میں احتمال اس کا کہ یہ طلاق دینا ضرورت کی

وجہ سے بلکہ عدم رغبت کی وجہ سے ہو، حالانکہ طلاق سنی وہ ہے جو ضرورت ومصلحت کی بنا پر ہو۔

اس کے بعد آپ سمجھئے کہ طلاق سنی کی تعریف میں یہ جو قید ہے کہ ایک سے زائد نہ ہو یہ قید تو عام ہے مدخول بہا اور غیر مدخول بہا دونوں کی حق میں ہے، لیکن یہ دوسری قید جو وقت کے لحاظ سے ہے کہ زمانہ طہر میں ہو حیض میں نہ ہو یہ قید صرف مدخول بہا کے حق میں ہے، اگر عورت غیر مدخول بہا ہو تو پھر طہر کی قید نہیں ہے، غیر مدخول بہا کی حالت حیض کی طلاق بھی طلاق سنی ہے، جس کی عقلی دلیل یہ ہے کہ چونکہ مرد اس عورت سے اب تک شہوت پوری نہیں کرسکا ہے اس لئے اس کی طرف رغبت ہر حال میں ہوگی وہاں نفرت کا احتمال نہیں ہے، لہٰذا جب مرد باوجود رغبت کے طلاق دے رہا ہے تو یہ علامت ہے ضرورت ومصلحت کی، وعلیہا مدار السنۃ۔

اسی طرح یہ بھی واضح رہے کہ مذکورہ بالا تعریف طلاق سنی کی ان عورتوں کے لحاظ سے ہے جو ذوات الحیض ہوں اور جو عورتیں ذوات الاشہر ہیں (جن کو حیض نہیں آتا جیسے صغیرہ کبیرہ آئیسہ وحاملہ) ان کی طلاق سنی یہ ہے کہ ہر ماہ میں ایک طلاق دی جائے، تین طلاقیں تین ماہ میں دیجائیں، نیز یہاں عدم الوطی کی قید بھی نہیں ہے، ذوات الحیض میں عدم الوطی کی قید اس لئے تھی کہ وطی کی صورت میں وہاں علوق کا احتمال ہے جس سے عدت کا مسئلہ مشتبہ ہو جاتا ہے، اور ذوات الاشہر میں یہ احتمال ہے نہیں، صغیرہ اور آئیسہ میں تو ظاہر ہے اور حاملہ سے مراد ظاہر الحمل ہے، جب حمل ظاہر ہوگیا تو پھر اشتباہ کہاں رہا" واللہ تعالیٰ اعلم، بحمداللہ طلاق سنی کی تعریف مع فوائد پوری ہوئی، وھٰذا کلہ ماخوذ من الزیلعی شرح الکنز۔

(۲)......طلاق کی قسم ثانی یعنی طلاق بدعی کی تعریف سنی کی تعریف میں غور کرنے سے سمجھ میں آسکتی ہے، ابن الہمام فرماتے ہیں کہ (کما فی شرح وقایہ) طلاق بدعی وہ ہے جو طلاق سنی کی دونوں قسموں کے خلاف ہو بایں طور پر کہ ایک سے زائد دو یا تین طلاقیں دی جائیں بکلمۃ واحدۃ یا متفرقاً فی طہر واحد، یا وہ ایک طلاق جو دیجائے حالت حیض میں یا وہ طلاق جو دیجائے ایسے طہر میں جس میں وطی کی ہو۔ (الدرالمنضود:۸۷/۴)

اشکال مع جواب

(۱)...... یہاں پر یہ سوال مشہور ہے کہ طلاق تو عند اللہ مبغوض ہے، کما فی الحدیث تو پھر طلاق کے سنت ہونے کے کیا معنی؟ جواب یہ ہے کہ گویا طلاق فی حد ذاتہ مبغوض شئ ہے لیکن بہر حال بوقت ضرورت شریعت نے اس کی اجازت دی ہے پھر ایقاع طلاق کے بعض طرق تو درست اور صحیح ہیں اور بعض نادرست ہیں۔ پس ایقاع طلاق کا جو طریقہ حدیث سے ثابت ہے، اسی کو طلاق سنت کہتے ہیں یعنی طلاق کا مشروع طریقہ پس مسنون بمعنی مشروع (قاعدہ شرعیہ کے مطابق) واللہ اعلم۔

(۲)......طلاق حسن کو طلاق سنت بھی کہتے ہیں یہاں پر یہ سوال ہوتا ہے کہ طلاق احسن تو طلاق سنت کا اعلیٰ فرد ہے پھر طلاق حسن ہی کا نام طلاق سنت کیوں رکھا گیا، جواب یہ ہے کہ اس میں تعریض ہے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک پر کہ وہ تین طلاقوں کو جو اس طور پر دی جائیں سنی نہیں مانتے بلکہ بدعی کہتے ہیں طلاق سنی ان کے نزدیک منحصر ہے طلاق واحد میں ایک سے زائد طلاق مطلقاً ان کے نزدیک خلاف سنت ہے۔ (الدر المنضود:۸۷/۴)

اقسام طلاق میں ائمہ ثلاثہ کے مسالک

اب باقی ائمہ کے مسالک سنئے، حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سنیت طلاق کا مدار عدد پر نہیں صرف زماں پر ہے، طلاق سنت ان کے نزدیک یہ ہے کہ طلاق دیجائے زمانہ طہر میں ایسا طہر جس میں زوج نے وطی نہ کی ہو، خواہ طلاق ایک ہو یا تین بیک وقت "ففی متن ابی شجاع فالسنۃ ان یوقع الطلاق فی طھر غیر مجامع فیہ والبدعۃ ان یوقع الطلاق فی الحیض او فی طھر جامعھا فیہ" اور یہ ان کے یہاں ان عورتوں کے بارے میں ہے جو ذوات الحیض ہوں اور جو ذوات الاشہر ہیں ان کے بارے میں ان کی کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ ان عورتوں کی طلاق میں سنت اور بدعت کی کوئی تقسیم نہیں ہے، جس طرح بھی طلاق دیجائے گی وہ مباح ہے۔

اور مالکیہ کے نزدیک طلاق سنت یہ ہے کہ آدمی ایک طلاق دے طہر میں ایسا طہر جس میں اس

نے اس سے وطی نہ کی ہو یہاں تک کہ انقضاء عدت ہو جائے، دوسری اور تیسری طلاق کی نوبت نہ آئے نیز ان کے مسلک میں یہ بھی قید ہے کہ یہ طہر ایسا ہو جس سے پہلے والے حیض میں طلاق دے کر رجعت نہ کی ہو۔ یعنی اگر کسی نے حالت حیض میں طلاق دیکر رجعت کی پھر اس کے بعد آنے والے طہر میں متصلاً طلاق دی تو یہ طلاق طلاق سنت نہ ہوگی، لہٰذا حیض میں طلاق دینے والے کو چاہئے کہ اس سے رجعت کر کے دوبارہ اگر طلاق دے تو طہر اول میں نہ دے بلکہ طہر ثانی میں دے جیسا کہ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ کے بعض طرق میں ہے، الحاصل عند المالکیہ طلاق سنت وہ ہے جس کو ہم طلاق احسن کہتے ہیں اور جس کو ہم طلاق حسن کہتے ہیں (تین طلاقیں تین ہی طہر میں دیجائیں) یہ طلاق ان کے نزدیک طلاق بدعت ہے گویا تین طلاقیں خواہ طہر واحد میں دیجائیں یا متعدد اطہار میں دونوں بدعت ہونے میں برابر ہیں۔ (بخلاف شافعیہ کے کہ ان کے نزدیک تین طلاقیں طہر واحد میں بھی بدعی نہیں ہیں کما تقدم نیز جیسا کہ شافعیہ کے مسلک میں گذرا کہ سنت و بدعت کا فرق ان عورتوں میں ہے جو ذوات الحیض ہوں ذوات الاشہر میں نہیں اسی طرح مالکیہ وحنابلہ کی کتب میں بھی موجود ہے۔

رہا مسلک حنابلہ کا سو ان کی اکثر کتب میں جیسے الروض المربع، نیل المآرب، زاد المستقنع، جمع الثلاث کو طلاق بدعت اور حرام لکھا ہے، اگر چہ متعدد اطہار میں ہوں، اور ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے مغنی میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی جمع الثلاث میں دو روایتیں نقل کی ہیں اول یہ کہ وہ بھی طلاق سنت ہی ہے گو خلاف مختار خلاف اولیٰ ہے "وقال اختار هٰذا الرواية الخرقی" اور روایۃ ثانیہ یہ ہے کہ جمع الثلاث حرام ہے اور بدعت ہے ابن قدامہ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک ترجیح حرمت ہی کو ہے اسی کو انہوں نے روایۃً درایۃً ثابت مانا ہے، اور جمع الاثنین ولو فی طہر واحد کو کتب حنابلہ میں طلاق سنت ہی قرار دیا ہے لیکن مکروہ غیر حرام ہے۔

جمع الثلاث کی حلت وحرمت کے دلائل

حنفیہ ومالکیہ احمد فی روایۃ نے جمع الثلاث کی حرمت پر ان احادیث سے استدلال کیا ہے، جن میں اس پر وعیدیں وارد ہوئیں جو شروح حدیث وکتب فقہ میں مذکورہ ہیں نیز شریعت میں جن مصالح کی

بنا پر طلاق میں چند عدد رکھے ہیں۔

ایک ساتھ تین طلاق دینے میں ان مصالح کو یکسر ضائع کر دینا ہے، جو انتہائی نادانی و ناشکری ہونے کی بنا پر حرام و معصیت ہے، اور حضرت امام شافعی و احمد فی روایۃ جو جمع الثلاث کو جائز قرار دیتے ہیں اور وہ استدلال میں عویمر عجلانی کے قصہ لعان کو پیش کرتے ہیں کہ انہوں نے لعان کے بعد آنحضرت ﷺ کی مجلس میں اپنی بیوی کو دفعۃً تین طلاقیں دیں "کما فی روایت الصحیحین" اور اس کے باوجود آنحضرت ﷺ نے ان پر کوئی نکیر نہیں فرمائی، ایسے ہی امرأۃ رفاعہ کی حدیث جس نے آنحضرت ﷺ کے سامنے حاضر ہو کر یہ اعتراف کیا کہ رفاعہ نے مجھے طلاق بتہ دی ہے، ایسے ہی فاطمہ بنت قیس کی بھی طلاق ثلاث کا قصہ ہے، فریق اول نے لعان والی حدیث کا یہ جواب دیا ہے، کہ لعان تو بذات خود موجب فرقت ہے اس کے بعد طلاق دینا غیر مؤثر ہے، اس کے علاوہ جو طلاق ثلاثہ کے اور قصے ہیں وہ سب آپ کے سامنے کہاں پیش آئے ہیں یا دینے والے نے آنحضرت ﷺ کے سامنے آ کر اس بات کا اقرار کیا ہو کہ میں نے اس کو تین طلاقیں دیں ہیں اور پھر آپ کی ترک نکیر سے اس کے جواز پر استدلال کیا جائے نیز کسی مصلحت سے تاخیر نکیر کا بھی احتمال ہے کہ بروقت نکیر نہ فرمائی ہو بعد میں کسی وقت نکیر کی ہو، واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ (الدر المنضود: ۸۰/۴)

طلاق کی دیگر اقسام......طلاق رجعی، طلاق بائن

طلاق رجعی:

اپنی بیوی کو کوئی شخص ایک بار یا دو بار "انت طالق یا طلقتك" یا اسی طرح کے صریح الفاظ کہے تو اس طرح طلاق دینے سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے، جس کا حکم یہ ہے کہ ایام عدت میں بلا نکاح رجوع کر لینا جائز ہے۔

رجوع کی صورتیں:

اگر اس طرح کہے کہ میں نے تجھ سے رجوع کیا یا اس کو ہاتھ لگائے یا مس کرے یا جماع کرے، تو رجوع ہو جائے گا، اور نکاح جدید کی ضرورت نہ ہو گی لیکن افضل یہ ہے کہ رجوع زبان سے کرے، یعنی یہ

کہے کہ میں نے اپنی طلاق سے رجوع کرلیا۔

طلاق بائن:

طلاق بائن الفاظ کنایات سے ثابت ہوتی ہے، تین الفاظ ایسے ہیں جن کو کنایات کے باوجود صریح کے حکم میں رکھا گیا ہے وہ کتب فقہ میں مذکور ہیں۔

بائن کا حکم:

طلاق بائن سے بیوی نکاح سے نکل جاتی ہے جب تک نیا نکاح نہ کرے اس کو بیوی بنا کر رکھنا جائز نہیں ہے، نکاح عدت میں بھی کرسکتا ہے اور عدت کے بعد بھی۔

حکم کے لحاظ سے طلاق کی اقسام

(۱) طلاق مغلظه، (۲) طلاق مخففه۔

تین طلاقیں یکبارگی دے یا متفرق تین طلاق دے اس کو طلاق مغلظہ کہا جاتا ہے، اس طلاق کے بعد اس خاوند سے نکاح کی اور کوئی شکل نہیں سوائے اس کے کہ عورت عدت گذرنے پر دوسرے خاوند سے نکاح کرے، اور وہ ہم بستری کرنے کے بعد اپنی مرضی سے طلاق دے اور عدت گذرنے پر پہلے خاوند سے نکاح حلال ہوگا، دوسرے خاوند کا نکاح کرکے صحبت کرنا اور پھر اپنی مرضی سے طلاق دینے پر عدت کا گذرنا ضروری ہے۔

طلاق مخففه:

یہ ہے کہ ایک طلاق یا دو طلاقیں صریح یا کنایہ دے، اگر ایک یا دو صریح ہوں تو عدت میں رجوع درست ہوگا، اور اگر بائن ہو تو دوبارہ نکاح سے اس کی بیوی بن سکے گی۔

کن کی طلاق واقع ہوتی ہے:

ایسا خاوند جو عاقل، بالغ ہو اپنی مرضی سے دے یا جبر واکراہ سے دے ہوش کی حالت میں دے یا نشہ کی حالت میں اسی طرح گونگا اگر مقررہ اشارہ سے دے تو تب بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے۔

کن کی طلاق واقع نہیں ہوتی ہے:

نابالغ لڑکے، دیوانے، سونیوالے کی، مالک کی اپنے غلام کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوتی ہے۔

طلاق کی تعداد میں اعتبار:

طلاق میں اعتبار عورت کا ہے، پس آزاد عورت کی طلاق تین ہیں خواہ غلام کے نکاح میں ہو یا آزاد کے نکاح میں ہو وہ تین طلاق سے مغلظہ ہوگی اور لونڈی کی طلاقیں دو ہیں، اگرچہ اس کا خاوند آزاد ہو یا غلام۔

حکم طلاق

حدیث پاک میں طلاق کو "ابغض الحلال" کہا گیا ہے، یعنی حلال چیزوں میں سے سب سے زیادہ مبغوض ہے اس حدیث کی روشنی میں اس نکتہ پر تو سب کا اتفاق ہے کہ طلاق فی نفسہ مبغوض ہے البتہ اس کی مبغوضیت کی تعبیر میں علماء کی آراء مختلف ہیں، مالکیہ کے نزدیک طلاق کے ابغض ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ خلاف اولیٰ ہے اور مرجوح چیز ہے اولیٰ اور راجح یہی ہے کہ طلاق نہ دے، دوسرے آئمہ اس مبغوضیت کی تعبیر کراہت سے کرتے ہیں یعنی یہ کہتے ہیں کہ طلاق فی نفسہ مکروہ چیز ہے۔

اس پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس طلاق کو حلال بھی کہا گیا ہے حلال ہونا قابل مذمت چیز نہیں ہے پھر اس کو مبغوض کیوں کہا گیا ہے؟

جواب: یہاں لفظ حلال حرام کے مقابلہ میں ہے اس کے اندر خلاف اولیٰ مکروہ تنزیہی اور مکروہ تحریمی بھی داخل ہے حلال کا مطلب یہ ہے کہ یہ فی نفسہ حرام نہیں ہے، پھر عام ہے خواہ خلاف اولیٰ یا مکروہ ہو، فی نفسہ طلاق خلاف اولیٰ یا مکروہ ہے لیکن طلاق کے مختلف اسباب وثمرات ہوتے ہیں ان کے اعتبار سے طلاق کے احکام مختلف ہو سکتے ہیں کبھی طلاق دینا واجب بھی ہوسکتا ہے کبھی مستحب کبھی حرام مثلاً ایک شخص عنین ہے، اور قابل علاج بھی نہیں تو اس پر واجب ہے کہ بیوی اگر فراق اور جدا ہونا چاہتی ہے تو طلاق دے دے۔

ایک شخص کو یہ خطرہ ہے کہ اگر میں نے طلاق دی تو میں یقیناً زنا کے اندر مبتلا ہو جاؤں گا خواہ کسی اور عورت سے یا اسی عورت سے تو اس صورت میں طلاق دینا حرام ہوگا، بیوی اگر فاسدۃ الاخلاق ہو تو بعض کے نزدیک طلاق دینا واجب ہے، بعض کے نزدیک مستحب ہے یہاں تمام صورتوں کے احکام بتانا مقصود نہیں مقصود صرف یہ بتانا ہے کہ طلاق کے اسباب اور اس کے ثمرات مختلف ہوتے ہیں ان کے اعتبار سے طلاق کی حیثیت بدل بھی سکتی ہے فی نفسہ یہ ابغض الحلال ہے۔

حالت حیض میں طلاق کا حکم

حالت حیض میں طلاق دینا بالاجماع بدعت اور گناہ ہے، لیکن اگر کسی نے یہ غلطی کرلی تو طلاق واقع ہو جائیگی، ائمہ اربعہ وجمہور کے نزدیک، البتہ ابن تیمیہ اور غیر مقلدین کا مسلک یہ ہے کہ اگر حالت حیض میں طلاق دی تو واقع نہیں ہوتی، ائمہ اربعہ وجمہور کی دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جو فصل اول میں بحوالہ بخاری ومسلم مذکور ہے، ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے دی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دربار رسالت میں شکایت کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ "مرہ لیراجعھا" رجعت تو وقوع طلاق کے بعد ہی ہوتی ہے، رجعت فرع ہے وقوع طلاق کی، اس سے معلوم ہوا کہ حالت حیض میں دی ہوئی یہ طلاق واقع ہوگئی تھی، طلاق ایسی چیز ہے جس کے بارہ میں میں حدیث میں آتا ہے۔ "ثلاث جدھن جد وھزلھن جد النکاح والطلاق والرجعۃ" تین چیزیں ہیں ان میں دیدہ دانستہ بھی دیدہ دانستہ ہے اور ہنسی مذاق بھی دیدہ دانستہ ہے (۱) نکاح (۲) طلاق (۳) رجعت۔ مطلب یہ ہے کہ یہ تینوں چیزیں جس طرح دیدہ دانستہ دینے سے واقع ہو جاتی ہیں ہیں اسی طرح ہنسی مذاق میں بھی واقع ہو جاتی ہیں۔ (رواہ الترمذی، ابوداؤد مشکوۃ: ۲۸۴)

جب ہنسی مذاق میں دی گئی طلاق بھی واقع ہو جاتی ہے تو دیدہ دانستہ دی ہوئی طلاق تو بدرجہ اولیٰ واقع ہو جائے گی یہ الگ بات ہے حالت حیض میں طلاق کی وجہ سے وہ گنہگار ہوگا۔

مزید توضیح

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا حدیث کی بعض روایات میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ حالت حیض میں دی گئی طلاق شمار کی جائے گی مختلف روایات کو سامنے رکھ کر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے جواب کے کلمات یہ بنتے ہیں "فمہ ارأت ان عجز و استحمق" حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے اس جواب کا ترجمہ کیا ہے، اور مطلب کیا ہے؟ اس کی وضاحت کی ضرورت ہے ترجمہ اور مطلب سے پہلے ضروری الفاظ کی وضاحت ہونی چاہئے۔

(الف)......"فمہ" کی حقیقت ہے؟ اس میں ایک احتمال یہ ہے کہ ما استفہامیہ ہے اس کا الف گرا کر ہاء سکتہ لگا دی گئی ہے دوسرا احتمال یہ ہے کہ ما استفہامیہ تھا اس کے الف کو ہاء سے بدل دیا گیا ہے، تیسرا احتمال یہ ہے کہ یہ مہ اسم فعل ہے "اسکت" کے معنی میں۔

(ب)...... "إن" میں بھی دو احتمال ہیں ظاہر یہ ہے کہ ان شرطیہ ہے "عجز واستحمق" اس کی شرط اور جزاء مقدر ہے ایک احتمال یہ بھی ہے کہ یہ "ان" نافیہ ہو۔

ان احتمالات کو سامنے رکھ کر اس کلام کے کئی ترجمے ہو سکتے ہیں:

(۱)......اور کیا اگر وہ عاجز آجائے اور احمق بن جائے تو کیا یہ طلاق شمار نہ کی جائے گی؟ یہ ماء استفہامیہ اور ان شرطیہ بنا کر ترجمہ ہے، مطلب یہ ہوگا کہ "ماذا یکون لولم یحتسب" کہ اگر اس طلاق کو شمار نہ کیا جائے تو پھر اور کیا ہوگا یعنی یہ طلاق یقینا واقع ہو جائیگی، "ان" عجز میں عجز سے مراد صحیح طلاق دینے سے عاجز ہو جانا یا رجعت سے عاجز ہو جانا، حماقت سے مراد غلط طلاق دینے کی حماقت ہے اور ان شرطیہ ہے اس کی جزاء مقدر ہے تقدیری عبارت یہ ہے "ان عجز الرجعة او طلاق السنة استحمق ایسقط عنه الطلاق" یعنی اگر وہ صحیح طلاق دینے یا رجعت سے عاجز رہا اور احمقانہ حرکت کر بیٹھا تو کیا طلاق اس سے ساقط ہو جائے گی، مطلب یہ ہے کہ ہر گز ساقط نہ ہوگی بلکہ واقع ہو کر رہے گی۔

(۲)...... "مہ" کو اسم فعل اور "ان" کے حسب سابق شرطیہ بنا کر ترجمہ یہ ہوگا کہ خاموش رہو (یعنی یہ بھی

کوئی پوچھنے کی بات ہے طلاق کا واقع ہوجانا تو ایک امر بدیہی ہے) تم مجھے بتاؤ کہ اگر وہ صحیح انداز سے طلاق دینے سے عاجز رہا اور احمقانہ حرکت کر بیٹھا ہے تو کیا طلاق ساقط ہوجائے گی۔

(۳)......علامہ کرمانی نے اس کو نافیہ مانا ہے، ما کو استفہامیہ اور "ان" کو نافیہ مان کر ترجمہ یہ ہوگا، اور کیا ہوگا، اگر یہ طلاق شمار نہ کی جائے نہیں ہوا یہ عاجز نہ احمق، عاجز نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ یہ بچہ اور نابالغ نہیں ہے بچپن کو عجز لازم ہے اور احمق نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ یہ مجنون نہیں ہے مطلب یہ ہوا کہ جب یہ عاجز اور بچہ نہیں ہے دیوانہ بھی نہیں ہے، بلکہ عاقل بالغ ہے تو پھر اس کی دی ہوئی طلاق واقع کیوں نہیں ہوگی؟

یہ مطلب ائمہ اربعہ وجمہور کے مسلک پر ہے ان کے نزدیک حالت حیض میں دی ہوئی طلاق واقع ہوجاتی ہے جتنے ترجمے اور مطلب پیش کئے گئے ہیں سب کا حاصل یہ ہے کہ طلاق واقع ہوگئی ہے۔

ابن تیمیہ اور غیر مقلدین کے نزدیک یہ طلاق نہیں ہوتی وہ اس کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ اگر یہ صحیح طلاق دینے سے عاجز ہوگیا ہے اور حماقت کی ہے تو کیا شریعت کا قانون بدل دیا جائے گا، کیا اس کی حماقت سے شریعت کے قاعدے میں تبدیلی کردی جائے گی، جب شریعت نے اس حالت میں طلاق کو ناجائز قرار دیا ہے تو پھر اس کی حماقت سے کیسے طلاق ہوجائے گی، لیکن یہ مطلب غلط ہے کیونکہ اسی حدیث میں اس مطلب کے غلط ہونے کے واضح قرائن موجود ہیں مثلاً

(۱)......اس واقعہ کی تمام روایات بتارہی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کو رجعت کا حکم دیا اور رجعت وقوع طلاق کی فرع ہے۔

(۲)......بخاری شریف: ۷۹۰ / ۲، پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب قائم کیا ہے "اذا طلقت الحائض یعتد بذالك الطلاق" اس باب کی روایت کے بالکل آخر میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے، "قال حسبت علی بتطلیقۃ" صاف تصریح ہے کہ یہ ایک طلاق شمار کی گئی تھی، ابن تیمیہ نے ان کے کلام کا جو معنی بیان کیا ہے وہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی اس تصریح کے خلاف ہے۔

(۳)......صحیح مسلم: ۴۷۶ / ۱، میں یہی روایت چل رہی ہے اس میں سطر نمبر ۸ / پر یہ عبارت ہے "قال عبید اللہ قلت لنافع ما صنعت التطلیقۃ قال واحدۃ اعتدبہا" یعنی ایک

طلاق تھی جس کو شمار کرلیا گیا۔

(۴)......صحیح مسلم کے اسی صفحہ پر نیچے سے چوتھی سطر پر یہ عبارت ہے "کان عبد الله طلقها تطليقة فحسبت من طلاقها وراجعها عبد الله كما امره رسول الله صلى الله عليه وسلم" اس میں "حسبت من طلاقها" میں تصریح ہے کہ طلاق شمار کی گئی تھی، اس کے بعد رجوع کیا ہے۔

(۵)......صحیح مسلم: ۴۷۷/۱، سطر نمبر: ۱۲ر پر سوال کے جواب میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ "قال مالي لا اعتد بها وان كنت عجزت واستحمقت" یعنی اگرچہ میں صحیح طلاق دینے سے عاجز رہا اور میں نے بیوقوفی کی ہے مجھے کیا ہوگیا کہ اس طلاق کو میں گنتی میں نہ رکھوں، ابن عمر رضی اللہ عنہ کی کلام سے متعدد اسانید سے یہ تصریح ہوگئی ہے، کہ یہ طلاق ہوگئی تھی اس لئے "مه ان عجز استحمق" کا وہی مطلب بیان کرنا چاہئے جو جمہور نے بیان کیا ہے دوسرا مطلب قابل ذکر بھی نہیں ہے۔ (اشرف التوضیح: ۴۶۵/۲)

رجوع کے بعد کب طلاق دے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کو فرمایا تھا کہ ابھی رجوع کرلے پھر اس کو روکے رکھ حتی کہ حیض سے پاک ہوجائے، پھر اور حیض آئے پھر طہر آئے اس طہر میں اگر چاہے تو طلاق دے دے اس پر سوال یہ ہے کہ اسی حیض کے گذرنے کے بعد پہلا طہر آئے گا اسی میں طلاق دی جاسکتی ہے، پھر اگلے طہر تک انتظار کرنے میں کیا حکمت ہے، علماء نے اس میں کئی نکتے بیان کئے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ شاید تطویل مدت کے ساتھ اس کا غصہ فرو اور دور ہوجائے پھر دوبارہ طلاق دینے سے باز ہی آجائے شریعت کو پسند یہی ہے کہ طلاق نہ دے، بعض نے یہ کہا ہے کہ اگر پہلے طہر میں ہی طلاق دے دے تو اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ اس نے رجعت ہی غرضِ طلاق کے لئے کی تھی اب لمبا کرنے سے یہ سمجھ آئے گا کہ اس نے شریعت کے لئے ایسا کیا تھا۔

غیر مدخول بہا کو حالت حیض میں طلاق دینا

اگر عورت غیر مدخول بہا ہو تو اس کو حالت حیض میں بھی طلاق دی جا سکتی ہے اس کو صرف ایک ہی طلاق دینی چاہئے ایسی عورت ایک طلاق سے ہی بائنہ ہو جائے گی، اس کی عدت نہیں ہوتی اس لئے ایک طلاق کے بعد یہ طلاق کا محل نہ رہے گی لہٰذا اس کو اور طلاق دے گا تو واقع نہیں ہوگی اس لئے ایسی عورت کو اگر ایک لفظ کے ساتھ تین طلاقیں دے دے مثلاً کہے "انت طالق ثلاثا" (تجھے تین طلاقیں) اس صورت میں تو تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی، لیکن اگر الگ الگ لفظوں میں غیر مدخول بہا عورت کو ایک سے زائد طلاق دیتا ہے مثلاً یوں کہتا ہے تجھے طلاق، تجھے طلاق، تجھے طلاق تو ایک ہی طلاق واقع ہوگی، کیونکہ جب پہلی مرتبہ "تجھے طلاق" کہا تو وہ بائنہ ہوگئی طلاق کا محل نہ رہی اس لئے دوسری مرتبہ تیسری مرتبہ جو کہا ہے وہ لغو ہو جائے گا، لیکن مدخول بہا عورت کو اس طرح سے تین طلاقیں دیں تو پھر بھی تینوں ہو جائیں گی، اس لئے کہ ایک مرتبہ "تجھے طلاق" کہنے کے بعد بھی وہ محل طلاق ہے کیونکہ ابھی عدت کے اندر ہے۔

طلاق ثلثہ کا حکم

اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں ایک ہی کلمہ میں یا ایک ہی مجلس میں دے دے تو یہ طلاق ہو جاتی ہے یا نہیں؟ اگر ہو جاتی ہیں تو کتنی ہوتی ہیں اس میں حسب ذیل مذاہب ہیں۔

مذاہب

(۱)......بعض کی رائے یہ ہے کہ تین طلاقیں اکٹھی دیں تو کوئی بھی واقع نہیں ہوگی۔

(۲)......محمد بن اسحاق، حجاج بن ارطاۃ، ابن مقاتل، اور اصحاب ظواہر کے نزدیک تین طلاقیں اکٹھی دیں تو ایک ہی طلاق واقع ہوگی طاؤس سے بھی یہ مذہب نقل کیا گیا ہے۔

(۳)......ائمہ اربعہ صحابہ و تابعین اور اکثر محدثین کا مذہب یہ ہے کہ تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی، ائمہ اربعہ اور اکثر فقہاء و محدثین اتنی بات پر تو متفق ہیں کہ تین طلاقیں اکٹھی دینے سے تین ہی واقع ہوتی

ہیں البتہ اس میں اختلاف ہوا ہے کہ اس طرح سے تین اکٹھی دینے میں کوئی کراہت بھی ہے یا نہیں؟ جس کی وضاحت پہلے ہو چکی ہے۔

دلائل

اس مسئلہ پر دلائل کی بحث شروع کرنے سے پہلے یہ بتادینا ضروری ہے کہ اصولی طور پر دلائل کس کے ذمہ ہیں یہ ایک عام مسلمہ اصول ہے کہ جو شخص ایک عام معمول، مسلمہ بات اور استصحاب سے ہٹ کر بات کرے دلیل اس کے ذمہ ہوتی ہے، ایک عام معمول چل رہا ہے جو شخص اس کے مطابق بات کرتا ہے اس سے دلیل کا مطالبہ نہیں کیا جاسکتا، علم مناظرہ کی اصطلاح میں اس کو کہا جاتا ہے کہ دلیل مدعی کے ذمہ ہوئی اگر وہ دلیل سے اپنا دعوی ثابت کردے تو اس کی بات مان لی جائے گی، ورنہ دوسرے فریق کی بات صحیح ہوتی ہے، یہ اصول دنیا کے ہر شعبہ میں تسلیم کیا گیا ہے، شریعت نے بھی اس اصول کی رعایت رکھی ہے، مثال کے طور پر عام طور پر ہوتا یہ ہے کہ جس شخص کی چیز ہوتی ہے وہ اس کے قبضہ میں ہوتی ہے اب اگر زید کے پاس ایک چیز ہے اور خالد اس کے متعلق یہ بات کہتا ہے کہ چیز میری ہے تو خالد نے چونکہ یہ بات استصحاب سے ہٹ کر کی ہے اس لئے خالد کی یہ ذمہ داری ہوگی کہ گواہ پیش کرے زید سے گواہوں کا مطالبہ نہیں کیا جاسکتا اگر خالد گواہ نہ پیش کرسکا اور زید نے قسم کھالی تو زید کی بات مان لی جائے گی اور خالد کا دعوی رد کردیا جائیگا، معالات کے نزاعات اور کسی نظریہ یا مسئلہ میں اختلاف کے درمیان اگرچہ مکمل مماثلت نہیں ہوتی لیکن پھر بھی یہ اصول سمجھانے کے لئے کہ دلیل مدعی کے ذمہ ہوتی یہ مثال پیش کردی گئی ہے تسہیل فہم کے لئے۔

جو حضرات کہتے ہیں کہ تین طلاقیں اکٹھی دینے سے ایک ہی واقع ہوتی ہے ان کی حیثیت اس مسئلہ میں مدعی کی ہے، کیونکہ اصل تو یہی ہے کہ اگر کسی نے ایک طلاق دی ہے تو ایک ہوجائے اور اگر دو دی ہیں تو دو ہوجائیں اور اگر تین دی ہیں تو تین ہوجائیں، اگر کوئی شخص اس اصل سے ہٹ کر دو اور تین کو بھی ایک ہی قرار دیتا ہے تو اس کے ذمہ ہے کہ وہ اس پر مضبوط دلیل دے، اگر کسی نے تین مرتبہ طلاق کا لفظ یا اس کا مترادف لفظ بولا ہے تو تین ہی مرتبہ طلاق واقع ہونی چاہئے خواہ ایک ہی مجلس میں ہو، ہاں اگر

وہ دوسری اور تیسری مرتبہ کے واقع ہونے سے کوئی شرعی مانع بیان کر دیتا ہے تو اس کی بات مان لی جائے گی، ایسے ہی دنیا کی تمام زبانوں کے اعداد کے لئے خاص الفاظ مقرر ہوتے ہیں، جب وہ بولے جاتے ہیں تو ان کے متعارف اور رائج متعین مفہوم کے مطابق ہی معاملہ کیا جاتا ہے، عربی میں ثلاث فارسی میں سہ اور اردو میں تین کے لفظوں کے بھی متعین معنی ہیں یعنی تین اکائیاں اگر کوئی ان لفظوں میں سے کسی لفظ کے ساتھ طلاق دیتا ہے تو عام اصول کا تقاضا یہی ہے کہ وہ تین ہی ہوں اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ یہاں لفظ ثلاث، سہ اور تین وغیرہ کے ساتھ واحد یک اور ایک والا معاملہ کیا جائے گا، تو اس شخص کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ اپنی اس بات پر ایسی مضبوط دلیل پیش کرے، جس کی بنا پر اس عام اصول سے استثناء کیا جاسکے، اور اگر وہ ایسی دلیل پیش نہیں کرسکتا تو دوسرے فریق کی بات ماننی پڑے گی جو یہ کہتا ہے کہ تین کا لفظ بولے گا تو تین طلاقیں ہوں گی، تین کے لفظ کے ساتھ ایک طلاق نہیں ہوگی۔

اس تمہید سے معلوم ہوگیا کہ اصولاً ہمارے ذمہ دلیل پیش کرنا نہیں ہے، لیکن اس کے باوجود ہمارے پاس اس مسئلہ میں بہت سے دلائل شرعیہ موجود ہیں جن میں سے چند ایک ہم پیش کریں گے، اس سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تین طلاق کو ایک قرار دینے والے اہم استدلالات پیش کر کے انکا جواب دیا جائے۔

اصحاب ظواہر کی پہلی دلیل

صحیح مسلم باب طلاق الثلاث میں حدیث ہے:

"عن ابن عباس قال كان الطلاق على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وابى بكر وسنتين من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة فقال عمر بن الخطاب ان الناس قد استعجلوا فى امر كانت لهم فيه اناة فلوا امضيناه عليهم فامضى عليهم" (۴۷۸/۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دو سالوں میں تین طلاقیں ایک ہوتی تھیں پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگ ایسے معاملہ میں جلدی کرنے لگے ہیں جس میں ان کے لئے مہلت تھی۔

لہٰذا بہتر ہوتا کہ ہم ان (تین طلاقوں) کو ان پر نافذ کر دیں چنانچہ (تین طلاقیں) ان پر نافذ کر دیں۔

یہ حدیث اس باب میں امام مسلم نے مختلف لفظوں سے پیش فرمائی ہے، ایک روایت میں ہے کہ ابوالصہباء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کیا آپ جانتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ کے تین سالوں میں تین طلاقیں ایک شمار ہوتی تھیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''نعم'' اس سے معلوم ہوا کہ تین طلاقوں کو ایک شمار کرنے کا فیصلہ سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوا ورنہ اس سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ یہی تھا کہ تین طلاقوں کو ایک شمار کیا جائے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس فیصلہ کو تبدیل کر کے تین کو تین قرار دیدیا، ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ اختیار کرنا چاہئے۔

جواب

اس حدیث کا جو مطلب ان حضرات نے بیان کیا ہے وہ کسی طرح بھی قابل قبول نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ مطلب اختیار کرنے کی صورت میں اس حدیث پر بہت سے اشکالات لازم آتے ہیں مثلاً:

(الف)......آگے جو ہم دلائل جمہور کے عنوان کے تحت ایسی احادیث پیش کریں گے جن سے معلوم ہوگا کہ بہت سے موقعوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین طلاقوں کو نافذ قرار دیا ہے، جب کہ اس حدیث میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرما رہے ہیں کہ سرور کائنات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تین طلاقیں ایک ہوتی تھیں، دونوں میں تعارض ہوگیا، اس لئے حدیث کا ایسا مطلب بیان کرنے کی ضرورت ہے جس سے یہ حدیث دوسری احادیث کثیرہ کے معارض نہ رہے۔

(ب)......آپ کے بیان کردہ مطلب کے مطابق لازم آتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بتائے ہوئے مسئلہ اور ان کے فیصلہ کو بدل کر اس کی جگہ اپنا فیصلہ اور اپنی رائے نافذ فرما دی۔ حالانکہ اس بات کی تو ایک عام صالح مسلمان سے بھی توقع نہیں کی جاسکتی ہے یہ کیسے ہوسکتا ہے، کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسا متبع سنت اور عاشق رسول خلیفہ راشد

آنحضرت ﷺ کے بتائے ہوئے مسئلہ کو تبدیل کر دے اس لئے حدیث کا مطلب ایسا ہونا چاہئے کہ جس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مسئلہ تبدیل کرنا لازم نہ آئے۔

(ج)......اگر بالفرض تھوڑی دیر کے لئے یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس طرح مسئلہ تبدیل کر ہی دیا تھا تو اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کوئی نکیر کیوں نہ کی؟ انہوں نے آپ کو ٹوکا کیوں نہیں؟ آنحضرت ﷺ کے فیصلہ کی صریح مخالفت کو کیسے برداشت کر لیا؟ کیا یہ عجیب بات نہ ہوگی؟ معمولی باتوں پر بدوی اور اعرابی قسم کے لوگ سخت الفاظ میں آپ کا مواخذہ کریں لیکن جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم آنحضرت ﷺ کے فیصلہ کو تبدیل ہوتا دیکھ کر خاموش رہیں؟ کیا اس طرح کے استدلال سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی عظمت وعدالت کے اجماعی واتفاقی موقف پر زد نہیں پڑتی۔

(د)......حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ جو ابو الصہبا کو بتا رہے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں تین طلاقیں ایک ہوتی تھی انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ یاد دہانی کیوں نہ کرادی کہ آنحضرت ﷺ کا فیصلہ تو یہ ہے کہ تین طلاقیں دی جائیں تو وہ ایک ہی ہوتی ہے، پھر آپ کس طرح تین کو تین قرار دے رہے ہیں؟ حالانکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دربار میں بہت زیادہ قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

(ھ)......آگے چل کر ہم بتائیں گے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ (جو اس حدیث کے راوی ہیں) کے بہت سے شاگرد ان کا یہ فتویٰ نقل کر رہے ہیں کہ ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوتی ہیں، آپ بڑے شد ومد سے یہ فتویٰ دے رہے ہیں اگر واقعی ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ نظریہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں مسئلہ یہ تھا کہ ایک مجلس میں یا ایک لفظ میں تین طلاقیں دی جائیں تو ایک ہوتی ہے تو خود ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کے خلاف فتویٰ کیسے دے دیا۔

آپ حضرات نے جس انداز سے اس حدیث سے استدلال کیا ہے اس کو تسلیم کر لیا جائے تو اس پر بہت بڑے بڑے اشکالات لازم آتے ہیں جن کا جواب دینا صرف ہماری ذمہ داری نہیں ہے آپ کی بھی ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت اور خصوصا خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی عظمت اور

عدالت تمام اہل سنت والجماعت کا اتفاقی مسئلہ ہے آپ ہم کو ایسا استدلال قبول کرنے کی دعوت کیسے دے سکتے ہیں جس پر اتنے وزنی اشکالات ہوں۔

اس تقریر سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ حدیث کی وہ تشریح جس پر ان حضرات کا استدلال موقوف ہے نا قابل قبول ہے، اس کی کوئی اور تشریح ہونی چاہئے، جس پر یہ اشکالات نہ ہوں، ان کے استدلال کا جواب تو مکمل ہوگیا ہوگا لیکن تکمیل فائدہ کیلئے یہ بتادینا مناسب ہے کہ اگر حدیث کی یہ تشریح صحیح نہیں تو پھر اس کی اور تشریحات وتوجیہات کیا ہیں، شارحین نے اس حدیث کی مختلف توجیہات نقل کی ہیں جن میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں۔

حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ کی توجیہات

(۱)......امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مسلم میں اصح اس کو قرار دیا ہے کہ یہ حدیث محمول ہے اس صورت پر جب کہ اپنی بیوی کو تین مرتبہ کہتا ہے "انت طالق انت طالق انت طالق" (تجھے طلاق تجھے طلاق تجھے طلاق) تو پہلی مرتبہ جو طلاق کا لفظ کہا ہے اس سے تو بہر حال ایک طلاق ہو جائے گی دوسری اور تیسری مرتبہ جو اسی کلام کا اعادہ کیا ہے، اس میں دو احتمال ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ طلاق تو وہ ایک رجعی ہی دینا چاہتا ہے یعنی ایسی طلاق جس میں اس کو رجوع کا اختیار حاصل ہو لیکن دوسری تیسری مرتبہ جو اس نے یہ لفظ کہے وہ صرف تاکید کے لئے کہے تھے، نئی طلاق دینا مقصود نہ تھا اس صورت میں ایک ہی طلاق ہونی چاہئے دوسرا احتمال یہ ہے کہ دوسری اور تیسری مرتبہ جو الفاظ کہے وہ استیناف کے لئے ہوں یعنی دوسرے لفظ سے دوسری اور تیسرے لفظ سے تیسری طلاق مقصود ہو اس صورت میں تین طلاقیں ہونی چاہئے، حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانوں میں جب اسطرح سے تین طلاقیں دی جاتی تھیں تو عام عادت یہ تھی کہ تاکید مراد لیا کرتے تھے، لہٰذا اگر کوئی شخص اس طرح سے متفرق لفظوں میں تین طلاقیں دیتا اور اس کی نہ تاکید کی نیت ہوتی نہ استنیاف کی تو اس زمانہ کی غالب عادت کے اعتبار سے اس کو تاکید پر محمول کیا جاتا اور اس کو ایک ہی طلاق شمار کرلیا جاتا تھا لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگوں کا عرف اور عادت بدلنا شروع ہو گئے اب غالب حالت ان کی یہ ہوگئی کہ وہ استیناف کی

نیت کرتے تھے اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پہلے تو لوگ تاکید کی نیت کرتے تھے جسکی وجہ سے ان کے لئے مہلت ہوتی تھی رجوع وغیرہ کرنے کی لیکن اب لوگ اس معاملہ میں جلدی کرنے لگ گئے ہیں یعنی استیناف کی نیت کرنے لگ گئے ہیں اس لئے اب ایسی کوئی صورت پیش آئے تو اس پر تینوں طلاقیں نافذ کردینی چاہئے، کیونکہ یہی اس زمانہ کی غالب حالت ہے اور ضابطہ ہے کہ مطلق شئی کو غالب حالت پر محمول کیا جاتا ہے، مثلاً دو شخص کچھ درہموں پر بیع وشراء کرتے ہیں لیکن درہم کی نوعیت کا تعین نہیں کرتے جب کہ اس شہر میں بہت سی قسموں کے درہم رائج ہیں تو اب دیکھا جائے گا کہ شہر میں عمومی رواج کس نوعیت کے درہموں سے معاملات کرنے کا ہے، وہی درہم خریدار پر واجب الادا ہوں گے، حاصل یہ ہوا کہ اس حدیث میں مسئلہ کی تبدیلی کی اطلاع دینا مقصود نہیں کہ مسئلہ پہلے اور تھا اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تبدیل کردیا بلکہ لوگوں کی عادت اور عرف کی تبدیلی بتانی مقصود ہے، مسئلہ تو وہی ہے کہ اس صورت میں اگر تاکید واستیناف میں کوئی نیت نہ ہو تو غالب عادت پر محمول ہوگا لیکن عادت عہد رسالت وعہد صدیق میں اور تھی اور عہد فاروقی میں اور یہ پہلے دو زمانوں میں بھی غالب عادت کے مطابق فیصلہ ہوا اور عہد فاوروقی میں بھی غالب عادت کے مطابق فیصلہ ہوا، یہ ساری بات اس صورت میں ہے جب کہ تین بار الگ الگ لفظوں میں طلاق کا لفظ بولتا ہے۔ (تجھے طلاق دی تجھے طلاق دی تجھے طلاق دی) لیکن اگر صاف طور پر "ثلاثہ" یا "تین" کا لفظ بولتا ہے تو بہرصورت تین طلاقیں واقع ہوجائیں گی کیونکہ لفظ "ثلاثہ" اور لفظ "تین" میں اس کے علاوہ کوئی دوسرا احتمال ہی نہیں، نیت یا غالب عادت کی طرف رجوع اس وقت کیا جاتا ہے جب کہ لفظوں میں ایک سے زیادہ احتمال ہوں۔

(۲)...... یہ حدیث اسی صورت پر محمول ہے جبکہ تین مرتبہ طلاق کا لفظ بولے (تجھے طلاق، تجھے طلاق، تجھے طلاق) اس صورت میں چونکہ دو احتمال ہیں تاکید اور استیناف اس لئے ایک احتمال متعین کرنے کے لئے قائل کی نیت پر دارومدار ہوگا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لوگوں میں سچائی اور دیانت غالب تھی اس لئے اگر کوئی شخص حلفیہ بیان دے کر یہ کہتا ہے کہ میری نیت تاکید تھی تاسیس کی نہیں تھی تو اس کی بات مان لی جاتی اور ایک طلاق نافذ کی جاتی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اور عہد فاورقی کے ابتدائی دو تین سالوں میں یہی صورت حال رہی اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے محسوس فرمایا

004

کہ لوگوں میں صدق و دیانت کا معیار گھٹ رہا ہے اور آنحضرت ﷺ کی پیش گوئی کے مطابق فیصلہ کرتے رہیں تو بعید نہیں کہ لوگ شریعت کی دی ہوئی اس سہولت کو غلط استعمال کرنے لگیں اور تین طلاقوں کی نیت کے باوجود بیوی واپس لینے کے لئے جھوٹ کہہ دیں کہ تاکید کی نیت تھی اس لئے اب یہ قانون بن جانا چاہئے کہ جو شخص تین مرتبہ لفظ طلاق کا اس طرح تکرار کرے اس کی تین ہی طلاقیں قرار دی جائیں اس کے اس بیان کا اعتبار نہ کیا جائے کہ میں نے تاکید کے لئے تین مرتبہ یہ لفظ بولا تھا، باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس فراست، دور بینی اور انتظام دین سے اتفاق کیا اور کسی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ پر اعتراض نہیں کیا، یہ حضرات آنحضرت ﷺ کے مزاج شناس تھے انہوں نے سوچا کہ اس دور میں اگر حضرت نبی کریم ﷺ موجود ہوتے اور شیوع کذب کا مشاہدہ فرماتے تو لوگوں کے بیان پر اعتبار کرنے کے بجائے تین طلاقیں نافذ فرمادیتے۔ (توجیہ ثانی ماخوذ از معارف القرآن: ۵۶۷/ ۵۶۸/ ۱، از حضرت مفتی اعظم پاکستان قدس سرہ)

یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تھا کہ اگر آنحضرت ﷺ عورتوں کے بعد کے حالات کا مشاہدہ فرماتے تو ان کو مسجدوں میں آنے سے منع فرمادیتے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کا اتفاقی فیصلہ یقینا منشائے رسول کے مطابق تھا، حاصل اس توجیہ کے مطابق بھی یہی ہوا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ مسئلہ کی تبدیلی کی اطلاع نہیں دینا چاہتے بلکہ لوگوں کی حالت کی تبدیلی کی اطلاع مقصود ہے پہلے حالات ایسے تھے کہ لوگوں کے بیان پر اعتبار کیا جا سکتا تھا اب عام حالت ایسی ہے کہ اتنے نازک مسئلہ میں قائل کے بیان پر اعتماد کرنا مشکل ہے۔

(۳)......بعض حضرات نے یہ کہا کہ اس حدیث میں مسئلہ بدلنے کی اطلاع دینا مقصود نہیں بلکہ لوگوں کی عادت بدلنے کی اطلاع دینا مقصود ہے مطلب حدیث کا یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگوں کی عادت ایک ہی طلاق دینے کی تھی لیکن اب لوگ بہت بے باک ہوتے جا رہے ہیں، تین طلاقیں دینے لگ گئے ہیں مطلب یہ ہے کہ آج کل جس قسم کے غصے کی حالت میں لوگ تین طلاقیں دے چھوڑتے ہیں پہلے زمانہ میں ایسی حالت میں ایک ہی پر اکتفاء کرتے تھے بتانا یہ ہے کہ اب لوگوں کی عادت بدل گئی یہ بتانا مقصود نہیں کہ مسئلہ بدل گیا۔

(۴)......بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ پہلے مسئلہ یہی تھا کہ کوئی تین اکٹھی ہی طلاقیں دے تو ایک ہی بنتی ہے پھر یہ حکم منسوخ ہوگیا مسئلہ بدل گیا حکم ہوا کہ تین دے تو تین ہوں گی، لیکن اس جواب پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ نسخ حضرت نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں ہونا تھا؟ بعض نے اس اعتراض کا جواب یہ دیا ہے کہ نسخ حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں ہی ہوا تھا؟ لیکن پہلے اس نسخ کی شہرت نہ ہوئی تھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اس کی شہرت ہوئی لیکن یہ جواب بھی بعد سے خالی نہیں ہے۔

(۵)......بعض نے یہ کہا ہے کہ یہ حدیث غیر مدخول بہا کے بارہ میں ہے غیر مدخول بہا کو اگر کوئی شخص "انت طلالق ثلاثاً" کہے تو ایک طلاق ہوگی، کیونکہ "انت طالق" کے لفظ سے وہ بائنہ ہوگئی اور "ثلاثه" کا لفظ لغو ہو جاتا ہے، لیکن یہ جواب بھی نہایت کمزور ہے کیونکہ "ثلاثه" کا لفظ کوئی مستقل نہیں بلکہ "انت طالق" کی ہی تفسیر ہے "انت طالق" میں دو احتمال تھے، ایک کا یا تین کا "ثلاثه" نے ایک احتمال کی تعیین کی ہے اس لفظ کے بغیر تو انت طالق کا معنی ہی متعین نہیں ہوتا۔

اصحاب ظواہر کی دوسری دلیل

آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی تھی جناب نبی کریم ﷺ نے ان کو رجوع کرنے کا اختیار دیا چنانچہ انہوں نے رجوع کرلیا، اس سے معلوم ہوا کہ ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے سے ایک ہی ہوتی ہے، اگر تین ہی ہوتیں تو آنحضرت ﷺ رکانہ کو رجوع کا اختیار نہ دیتے۔

جوابات

اس حدیث میں اضطراب ہے حدیث کی بعض روایتوں میں ہے کہ رکانہ نے لفظ ثلاثہ کے ساتھ طلاق دی تھی بعض میں ہے کہ لفظ البتتہ کے ساتھ طلاق دی تھی اور بعض میں ہے کہ انہوں نے ایک ہی طلاق دی تھی۔ (نیل الاوطار ۲۴۱/۵)

چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس حدیث کو مضطرب قرار دیا ہے۔(نیل الاوطار:۲۴۱/۵)
امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے تمام طرق کو ضعیف قرار دیا ہے۔(دیکھئے سعودی عرب کی "ھئیة" کبار العلماء کی مرتب کردہ بحث "بعنوان حکم الطلاق الثلاث بلفظ واحد" ۴۸/ مطبوعہ در "مجلة البحوث الاسلامیه" عدد ۳/ ۱، ۱۳۹۷ھ ہجری)

(۳)......اگر اس حدیث کو اضطراب کی وجہ سے ضعیف نہ قرار دیا جائے تو اس کے مختلف طرق میں سے کسی کو ترجیح دیں گے، بہت سے محدثین نے ترجیح ان روایات کو دی ہے، جن میں یہ ہے کہ رکانہ نے طلاق البتۃ کے ساتھ دی تھی چنانچہ امام ابوداؤد اس روایت کو ترجیح دیتے ہوئے فرماتے ہیں "لانهم ولد الرجل واهله اعلم به" یعنی لفظ البتۃ نقل کرنے والے رکانہ کی اولاد میں سے ہیں اور ان کے گھر والے ان کے معاملہ کو زیادہ سمجھتے ہوں گے دو صفحوں کے بعد امام ابوداؤد نے پھر یہی بات دوبارہ دہرائی ہے۔(سنن ابی داؤد:۲۹۹، ۳۰۱/۱)

حافظ ابن حجر امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد کے متعلق فرماتے ہیں "وهو تعليل قوى لجواز ان يكون بعض رواته حمل البتة على الثلاث فقال طلقها ثلاثا" (فتح الباری ۳۶۳/۹)

ابن عبدالبر نے بھی بتتہ والی روایت کو ترجیح دی ہے وہ فرماتے ہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر رکانہ تک سب راویوں کا تعلق رکانہ کے خاندان سے ہے، لہٰذا اس کو اس واقعہ کی تفصیلات کا زیادہ علم ہوگا۔(دیکھئے "حکم الطلاق بلفظ واحد" ۵۲، احسن الفتاویٰ ۲۷۴/۵)

قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی روایت کو ترجیح دی ہے۔(دیکھئے "حکم الطلاق بلفظ واحد" ۵۲، احسن الفتاویٰ ۲۷۴/۵)

نیز بہت سے محدثین نے اس حدیث کی تخریج "طلاق بتته" کے باب میں کی ہے اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک راجح یہ ہے کہ رکانہ نے لفظ "بتته" کے ساتھ طلاق دی تھی۔
(دیکھئے "حکم الطلاق بلفظ واحد" ۵۲، احسن الفتاویٰ ۲۷۴/۵)

لیکن بعض راویوں نے روایت بالمعنی کے طور پر "ثلاثہ" کا لفظ نقل کر دیا کیونکہ یہ لفظ عموماً طلاق ثلاثہ کے لئے بولا جاتا تھا لیکن اس معنی میں صریح نہیں۔

اگر کوئی شخص لفظ "بتتہ" کے ساتھ طلاق دیتا ہے مثلاً یوں کہتا ہے "انت طالق البتة" تو اس میں لغتہً دو احتمال ہیں ایک طلاق بائنہ کا دوسرا تین طلاقوں کا کیونکہ بت کا لغوی معنی ہے قطع کرنا یہاں علاقہ زوجیت کا قطع مراد ہے، علاقہ زوجیت کے قطع کی دونوں صورتیں ہوسکتی ہیں ایک یہ کہ ایسے انداز سے قطع ہو کہ دوبارہ نکاح کی گنجائش باقی رہے اور دوسرا یہ کہ ایسے انداز سے تعلق ختم ہو کہ اب دوبارہ نکاح کی گنجائش نہ رہے جب تک دوسرے خاوند سے نکاح کر کے ہمبستری کے بعد وہ طلاق نہ دے اور عدت ختم نہ ہو، رکانہ نے "بتتہ" کا لفظ بولا تھا اس میں چونکہ ایک طلاق ہونے کا بھی احتمال تھا اس لئے آپ نے ان سے بار بار قسم دیکر یہ بات دریافت فرمائی کہ واقعی تیری نیت ایک طلاق کی تھی انہوں نے جب اس کا حلفیہ اقرار کیا تو آنحضرت ﷺ نے اس طلاق کو ایک قرار دیا، اگر لفظ ثلاث کے ساتھ طلاق دیتے تو ان سے نیت نہ پوچھی جاتی کیونکہ اس لفظ میں ایک ہی معنی کا احتمال ہے۔

(۳)......اگر اس حدیث کی تمام روایات کو پیش نظر رکھا جائے تو یہ حدیث ائمہ اربعہ رحمہم اللہ اور جمہور کی دلیل بنتی ہے کیونکہ اس کی بعض روایتوں میں آرہا ہے کہ رکانہ نے لفظ بتتہ کے ساتھ طلاق دی تو آنحضرت ﷺ نے بار بار قسم دے کر دریافت فرمایا "والله مأ اردت الا واحدة"۔

اللہ کی قسم کھا کر بتاؤ کہ تم نے ایک ہی کا ارادہ کیا، رکانہ نے تین مرتبہ قسم کھا کر اقرار کیا "والله ما اردت الا واحدة" اللہ کی قسم میں نے ایک ہی کی نیت کی تھی۔ (نیل الاوطار: ۶/۲۴۰)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر رکانہ تین کی نیت کر لیتے تو تین ہو جاتیں ایک طلاق اس لئے ہوئی ہے کہ انہوں نے قسمیں کھا کر یہ بیان دیا ہے کہ انہوں نے ایک ہی کی نیت کی تھی، جبکہ ابن تیمیہ وغیرہ اور آج کل کے غیر مقلدین کا نظریہ یہ ہے کہ اگر تین کی نیت کرے پھر بھی ایک ہی ہوگی بلکہ صریح ثلاثہ یا تین کا لفظ بول دے پھر بھی ایک ہی ہوگی، اگر آنحضرت ﷺ کا بھی یہی منشا ہوتا رکانہ سے یہ حلفیہ بیان نہ لیتے بلکہ نیت پوچھے بغیر فرما دیتے کہ ایک ہی طلاق ہوئی ہے آپ کی نیت کے متعلق حلفیہ بیان لینے سے معلوم ہوا کہ اگر ایسے الفاظ بولے جن میں تین کا احتمال تھا اور تین کی نیت بھی کر لی تو تین ہو جائیں گی ظاہر ہے کہ اگر صراحتہً تین کا لفظ کہہ دیا تو بدرجہ اولیٰ تین ہو جائیں گی۔

(۴)......جس روایت میں ہے کہ رکانہ نے تین طلاقیں دی تھیں (یعنی لفظ ثلاثہ کے ساتھ طلاق

004

دی تھی یہ روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے لیکن خود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فتویٰ اس روایت کے ظاہر کے خلاف ہے ان کا فتویٰ یہی ہے کہ تین طلاقیں ایک لفظ میں بھی دی جائیں تب بھی تین ہی ہوتی ہیں (جیسا کہ عنقریب ہم ان کی متعدد ایسی روایات پیش کریں گے) اگر صحابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بات نقل کر رہے ہوں لیکن ان کا اپنا فتویٰ اس کے خلاف ہو تو اس حدیث سے استدلال مخدوش ہو جاتا ہے ایسی صورت میں یا تو صحابی کی طرف اس حدیث کی نسبت صحیح نہیں ہوتی یا پھر صحابی کا فتویٰ اس بات کی دلیل ہوتا ہے کہ وہ حدیث منسوخ ہے۔

فائدہ

یہ تو ان حضرات کے دلائل اور ان کے جوابات تھے جو کہتے ہیں کہ تین طلاقیں اکٹھی دینے کی صورت میں ایک ہوتی ہے۔ جن حضرات کے نزدیک اس صورت میں کوئی طلاق نہیں ہوتی وہ استدلال کرتے ہیں ان احادیث سے جن میں تین طلاقیں اکٹھی دینے کی ممانعت کی گئی ہے، آج کل کے بعض غیر مقلد حضرات بھی ان احادیث سے استدلال شروع کر دیتے لیکن ان احادیث سے استدلال بالکل کمزور اور بے بنیاد ہے اس لئے کہ ان احادیث سے صرف اتنی بات سمجھ میں آتی ہے کہ تین طلاقیں اکٹھی دینا اچھا کام نہیں ہے لیکن اگر کسی نے یہ غلطی کر ہی لی اور تین طلاقیں اکٹھی دے ہی دیں تو یہ کسی حدیث میں نہیں ہے کہ وہ واقع ہی نہیں ہوں گی، کسی چیز کا ناجائز یا مکروہ ہونا اس کے مؤثر ہونے سے کبھی مانع نہیں ہوا کرتا اس کی واضح مثال یہ ہے کہ حالت حیض میں طلاق دینے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرمائی ہے لیکن اس کے باوجود حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے حالت حیض میں اپنی بیوی کو طلاق دی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ طلاق ہوئی ہی نہیں بلکہ اظہار ناراضگی فرمایا اور رجوع کرنے کا حکم دیا جس سے معلوم ہوا کہ طلاق ہوگئی بلکہ خود ابن عمر رضی اللہ عنہ کی صحیح روایات ہم پہلے پیش کر چکے ہیں، کہ حالت حیض میں دی ہوئی طلاق واقع ہوگئی تھی اور اس کو طلاق شمار کیا گیا، حالت حیض میں طلاق کے عدم جواز پر اتفاق کے ساتھ اہل السنت والجماعت کی اکثریت کا مذہب یہی ہے کہ طلاق ہو جاتی ہے، بلکہ فقہ حنبلی کی مشہور کتاب مغنی ابن قدامہ میں تو یہاں تک لکھا ہے "قال ابن المنذر و ابن عبد البر لم یخالف فی ذالك الا اھل

البدع والضلال“۔ (مغنی ابن قدامہ:۹۹/۱۰۰/۷)

یعنی اس مسئلہ میں بدعتی اور گمراہ لوگوں کے علاوہ کسی نے مخالفت نہیں کی حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے حالت حیض میں طلاق واقع نہ ہونے کے قول کو شذوذ قرار دیا ہے۔(فتح الباری:۳۶۲/۹)

اس سے معلوم ہوا کہ کسی چیز کے ناجائز ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ غیر مؤثر ہو جائے، اسی طرح آگے چل کر بہت سے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اقوال نقل کریں گے، جن میں انہوں نے ایک طرف تو تین طلاقیں اکٹھی دینے پر اظہار ناراضگی کیا اور اس کو حق تعالیٰ کی نافرمانی کہا اور دوسری طرف یہ فتویٰ بھی دیا کہ یہ تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں ہیں، اس سے واضح ہوگیا کہ تین طلاقوں سے ممانعت والی احادیث سے ان کے عدم وقوع پر استدلال بالکل بے وزن ہے۔

دلائل ائمہ اربعہ وجمہور

جمہور کے نزدیک تین طلاقیں خواہ ایک مجلس میں دی جائیں یا الگ الگ مجلسوں میں ایک طہر میں ہوں یا مختلف اطہار میں، حالت حیض میں ہوں بہرصورت واقع ہوجاتی ہیں، جمہور کی تائید میں دلائل اتنی کثرت سے ہیں کہ اگر سب کو جمع کیا جائے تو بسہولت ایک ضخیم کتاب تیار ہوسکتی ہے، منصف کیلئے تو اتنی بات ہی کافی ہے کہ ائمہ اربعہ اور اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور فقہاء ومحدثین امت کی اکثریت کی یہ تصریحات موجود ہیں کہ تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں بلکہ صرف ائمہ اربعہ کا کسی بات پر متفق ہوجانا ہی اس بات کی تسلی کیلئے کافی ہے کہ یہی مذہب کتاب وسنت کے موافق ہے، لیکن بحث کی تکمیل کے لئے نمونہ کے طور پر یہاں چند دلائل پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱)......امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کے لئے مستقل باب منعقد کیا ہے۔(صحیح بخاری:۷۹۱/۲)

یہ بھی جمہور کے ساتھ ہیں ثابت یہ کرنا چاہتے ہیں کہ تینوں طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں، سب سے پہلے قرآن پاک کی آیت پیش کی ہے ”الطلاق مرتان فامساك بمعروف او تسريح باحسان“ اس آیت سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کیسے استدلال کیا ہے؟ اس کی دو تقریریں کی گئی ہیں ایک یہ کہ ”مرتان“ کا معنی ہے ”مرة بعد مرة“ کبھی تثنیہ تکرار کے لئے آتا ہے جیسے۔(ثم ارجع البصر کرتین

الخ) اس کا مطلب یہ ہے کہ طلاقیں متعدد بھی دیں تو ہو جاتی ہیں، جب دو اکٹھی دیں تو ہو جاتی ہیں تین بھی ہو جانی چاہئے۔

دوسری تقریر یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنا مقصد "تسریح باحسان" سے ثابت کرنا چاہتے ہیں تسریح کا معنی بیوی کو چھوڑ دینا یہ لفظ عام ہے خواہ جس طرح بھی چھوڑ دیں، یہ لفظ ایک طلاق کے ساتھ چھوڑنے کو دو طلاقوں کے ساتھ چھوڑنے کو اور تین اکٹھی طلاق کے ساتھ چھوڑنے کو غرضیکہ سب صورتوں کو شامل ہے اس لئے سب صورتیں واقع ہونی چاہئے۔

(۲)......صحیح بخاری باب من اجاز الطلاق الثلاث: اس میں سہل بن سعد رحمۃ اللہ علیہ کی طویل حدیث پیش کی ہے جس میں عویمر عجلانی کا لعان کا واقعہ مذکور ہے اس کے آخر میں یہ بھی ہے۔ "فطلقها ثلاثا قبل ان یأمره رسول الله صلی الله علیه وسلم" امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی صحیح میں اس حدیث سے استدلال کیا ہے، حافظ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے وجہ استدلال یہ بیان فرمائی ہے کہ آپ نے یہ تینوں طلاقیں نافذ فرمادی تھیں۔ (صحیح بخاری: ۷۹۱/ ۲)

(۳)......بخاری کے اسی باب میں رفاعہ کی بیوی کا تذکرہ ہے رفاعہ نے ان کو طلاق بتہ دی تھی اس کے بعد انہوں نے عبد الرحمن بن زبیر سے نکاح کیا یہ عبد الرحمن سے طلاق لے کر دوبارہ رفاعہ کے ساتھ نکاح کرنا چاہتی تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لا حتی یذوق عسیلتك وتذوقی عسیلته" یعنی جب تک تم ہمبستری نہیں کر لیتے اس وقت عبد الرحمن طلاق دے بھی دے تم رفاعہ سے دوبارہ نکاح نہیں کر سکتی اس حدیث میں یہ تاویل بہت مشکل ہے کہ شاید متفرق مجلسوں میں طلاق دی ہو کیونکہ یہاں لفظ ہیں "فبت طلاقی" جس کا ظاہر یہی ہے کہ لفظ البتتہ کہہ کر طلاق دی تھی اور اس میں ایک بائنہ کی نیت نہیں کی تھی، امام مسلم نے بھی اپنی صحیح: ۴۶۳/ ۱، پر مختلف سندوں سے یہ واقعہ نقل کیا ہے۔

(۴)......امام نسائی نے باب قائم فرمایا "باب احلال المطلقه ثلاثا" اس میں متعدد حدیثیں ایسی پیش فرمائی ہیں جن سے تینوں طلاقوں کا واقع ہونا ثابت ہوتا ہے مثلاً حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ: "سئل النبی صلی الله علیه وسلم عن الرجل یطلق امرأته ثلاثا فیتزوجها الرجل فیغلق الباب یرخی الستر ثم یطلقها قبل ان یدخل بها لا تحل للاول حتی

یجامعها الاخر"۔ (سنن نسائی:۱۰۱/۲)

حضرت نبی کریم ﷺ سے ایسے شخص کے متعلق سوال کیا گیا جو اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے پھر اس سے دوسرا آدمی نکاح کرلے اور یہ دوسرا شخص دروازہ بند کر کے پردہ لٹکالیتا ہے، لیکن مباشرت کرنے سے پہلے اسکو طلاق دیتا ہے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: یہ عورت پہلے خاوند کے لئے حلال نہیں ہوگی جب تک کہ دوسرا اس سے جماع نہ کرلے۔

(۵)......امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے السنن الکبریٰ ۳۳۳/۷، پر ایک مستقل باب قائم فرمایا ہے: "باب ما جاء فی امضاء الطلاق الثلاث وان کن مجموعات" اور بہت تفصیل کے ساتھ ۳۳۶/ تک اس موضوع پر دلائل پیش فرمائے ہیں بہت سی مرفوع احادیث اور آثار صحابہ پیش فرمائے ہیں ان میں ایک حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی ہے، حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی بیوی عائشہ خثعمیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے انتقال پر ان کو خلافت کی مبارکباد دی آپ نے ناراض ہو کر تین طلاقیں دیدیں جب عدت پوری ہوئی تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے باقی ماندہ مہر اور دس ہزار درہم مزید بھیجے اس نے کہا کہ دوست کے بدلہ میں اس سامان کی کچھ حیثیت نہیں، حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اس کی یہ محبت دیکھ کر فرمایا اگر مجھے اپنے نانا (ﷺ) کا یہ ارشاد معلوم نہ ہوتا کہ جو شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدے وہ اس وقت تک اس کے لئے حلال نہیں ہوتی جب تک وہ دوسرے سے نکاح نہ کرلے اگر آپ کا یہ ارشاد میں نے نہ سنا ہوتا تو میں رجوع کرلیتا۔ (بیہقی: ۳۳۶/۷)

(۶)...... امام بیہقی نے آثار صحابہ میں سے ایک اثر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا پیش فرمایا: "قال عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی الرجل یطلق امرأته ثلاثا قبل ان یدخل بها قال هی ثلاث لا تحل له حتی تنکح زوجا غیره و کان اذا اتی بها اوجعه"۔ (السنن الکبریٰ ۳۳۴/۷) یعنی آدمی اپنی بیوی کے دخول سے پہلے طلاق دے دے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسے آدمی کے بارے میں فرمایا: کہ اس کی تینوں طلاقیں نافذ ہوجائیں گی، دوسرے خاوند سے نکاح کے بغیر پہلے کیلئے حلال نہ ہوگی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جب ایسا شخص لایا جاتا تو آپ اس کو سزا دیتے۔

اس روایت میں یہ تاویل بھی نہیں چل سکتی کہ شاید تین مختلف مجلسوں میں طلاقیں دی ہوں کیونکہ

یہاں غیر مدخول بہا کا ذکر ہے، اور غیر مدخول بہا کو متفرق طلاقیں دی جائیں تو وہ پہلے سے بائنہ ہوجاتی ہے، اور باقی لغو ہو جاتی ہیں، اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دیں تو آپ نے درہ سے اس کو مارا بھی اور ان میں تفریق کر دی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱۲/ ۵)

یہاں بھی یہ تاویل نہیں چل سکتی کیونکہ یہ مستبعد ہے کہ اس نے ہزار طلاقیں ہزار مجلسوں میں دی ہوں۔

(۷)......ابن ابی شیبہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اثر کی تخریج کی ہے کہ آپ کے پاس ایک آدمی آیا اور آکر عرض کیا کہ میں نے اپنی بیوی کو سوطلاقیں دی ہیں، تو آپ نے فرمایا: کہ تین کے ساتھ ہی وہ تجھ پر حرام ہوگئی اور باقی ستانوے عدد ان پر زیادتی ہیں۔ (ابن ابی شیبہ ۱۳/ ۵)

(۸)......بیہقی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثر کی تخریج کی ہے "عن علی فیمن طلق امرأته ثلاثا قبل ان یدخل بها قال لا تحل له حتی تنكح زوجا غیره"۔ [حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا: جس نے اپنی غیر مدخول بہا بیوی کو تین طلاقیں دیدی تھیں کہ وہ اس کے لئے حلال نہیں یہاں تک کہ وہ دوسرے شخص سے نکاح کرے۔] (السنن الکبریٰ للبیہقی ۳۳۴/ ۷)

اس میں غیر مدخول بہا کا ذکر ہے اس لئے اس میں مختلف مجالس والی تاویل نہیں چل سکتی نیز ایک شخص نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دی تھیں، تو آپ نے فرمایا: "بانت منك بثلاث واقسم سائرها بین نسائك، وفی روایة بین اهلك"، (البیہقی: ۳۳۵/ ۷، وابن ابی شیبہ: ۱۳، ۱۴/ ۵)

یعنی تین کے ساتھ تو وہ تجھ سے علاحیدہ ہوگئی باقی طلاقیں اپنے گھر والوں میں تقسیم کر دینا، جن روایات میں بھی سو یا ہزار یا ستاروں کی گنتی کے برابر طلاق دینے کا ذکر ہے وہاں مختلف مجالس میں ہونے والی تاویل نہیں چل سکتی اور ایسی روایات بہت زیادہ ہیں۔

(۹)... حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فتویٰ:

آپ کے پاس دو شخصوں کے متعلق استفتاء آیا تھا، ایک نے سوطلاقیں دی تھیں اور ایک نے ستاروں کی گنتی کے برابر تو آپ نے یہی فتویٰ دیا کہ وہ عورت تم سے جدا ہوگئی۔ (بیہقی: ۳۳۵/ ۷)

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس موضوع پر اور بھی روایات ہیں۔ (دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۲، تا ۱۴/ ۵) مثلاً ایک میں ہے کہ ایک شخص نے سوطلاقیں دی تو آپ نے فرمایا: کہ "بانت منك بثلاث

وسائرھن معصیة،، تین سے تو جدا ہوگئی باقی حق تعالیٰ کی نافرمانی ہیں۔

(۱۰)......حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا اثر ،،من طلق امرأته ثلاثا فقد عصی ربه وبانت امرأته،، (ابن ابی شیبہ:۱۱/۵) جس شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی اس نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور اس کی بیوی اس سے جدا ہوگئی۔

دوسری روایت میں ہے کہ ،،اذا طلق الرجل امرأته ثلاثا قبل ان یدخل لم تحل له حتی تنکح زوجا غیرہ،،۔ [جب کوئی شخص اپنی بیوی کو قبل الدخول تین طلاقیں دیدے تو وہ اس کے لئے حلال نہیں یہاں تک کہ وہ کسی دوسرے شوہر سے نکاح کرے۔] (بیہقی:۷/۳۳۵) اس میں بھی غیر مدخول بہا کی تصریح ہے۔

(۱۱)... **حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فتویٰ:**

دوسرے جلیل القدر صحابہ کرام کی طرح حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا فتویٰ بھی یہی ہے کہ تین طلاقیں اکٹھی دی جائیں تو تین ہی ہوتی ہیں، ابن ابی شیبہ اور بیہقی نے بہت تفصیل کے ساتھ ان کے فتاوی کی کئی سندوں کے ساتھ تخریج کی ہے، یہاں صرف مثال کے طور پر چند ایک روایات پیش کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

(الف)......امام بیہقی کی السنن الکبریٰ: ۷/۳۳۷ر پر سعید بن جبیر ان کا فتویٰ نقل کرتے ہیں کہ اگر ایک آدمی نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں تو وہ اس پر حرام ہو جائے گی۔

(ب)......اس کے بعد حضرت مجاہد اپنے استاذ کا فتویٰ نقل کرتے ہیں ،،قال رجل لابن عباس طلقت امراتی مائة قال تاخذ ثلاثا وتدع سبعا وتسعین،، [ایک شخص نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو سو طلاق دیں ہیں فرمایا: تین طلاقیں لیلے باقی ستانوے کو چھوڑ دے۔ مطلب یہ ہے کہ تین طلاق سے تیری بیوی مغلظہ ہوگئی باقی ستانوے طلاق بیکار گئیں۔]

(ج)......اس کے بعد عطاء اپنے استاذ ابن عباس کا انہی الفاظ میں فتویٰ نقل کرتے ہیں۔

(د)......پھر ۷/۳۳۸ر پر محمد بن ایاس بن بکیر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وعبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا یہی

فتویٰ نقل کرتے ہیں اس کے علاوہ اور بھی بہت سے تلامذہ کے حوالہ سے یہ فتویٰ بیہقی نے اپنی سندوں سے نقل کیا ہے اس نقل کے بعد امام بیہقی اسی جلد کے: ۸ ۳۳۳ / سطر نمبر ۳ / پر فرماتے ہیں کہ "فھٰذہ روایات سعید بن جبیر و عطاء بن ابی رباح ومجاھد وعکرمہ وعمر بن دینار ومالك بن الحارث ومحمد بن ایاس بن البکیر رویناہ عن معاویۃ بن ابی عیاش الانصاری کلھم عن ابن عباس انہ اجاز الطلاق الثلاث" ان مذکورہ بالا تمام حضرات نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے تین طلاق کو نافذ فرمایا۔

اسی طرح ابن ابی شیبہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فتویٰ بہت سی سندوں کے ساتھ جمع کیا ہے، سب کا نقل کرنا بہت مشکل ہے، اکثر روایتیں ایسی ہیں جن میں کسی قسم کی تاویل نہیں چل سکتی مثلاً ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں "اذا طلقھا ثلاثا قبل ان یدخل بھا لم تحل حتی تنکح زوجا غیرہ ولو قالھا تتری بانت بالاولیٰ" اگر کسی نے اپنی بیوی کو قبل الدخول تین طلاق دیدی تو وہ اس کے لئے حلال نہیں یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ کسی دوسرے شخص سے نکاح کرے اور اگر طلاق الگ الگ الفاظ سے دی ہیں تو وہ پہلی طلاق سے بائنہ ہوجائے گی۔ یہاں "قالھا تتری" کا تقابل کیا گیا ہے، "طلقھا ثلاثا" کے ساتھ اس سے معلوم ہوا کہ اگر "طلقھا ثلاثا" وغیرہ لفظ مطلق مذکورہ ہو تو عموماً اس سے مراد اکٹھی تین طلاقیں ہوتی ہیں، ورنہ یوں فرماتے: "اذا طلقھا ثلاثا مجتمعۃ...ولم قالھا تتریٰ الخ"

(ھ)...... امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت نقل کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص تین طلاقیں دے کر ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور اس کے متعلق سوال کیا آپ نے تھوڑی دیر سکوت اختیار کرنے کے بعد فرمایا: تم پہلے خود حماقت کر بیٹھتے ہو پھر کہنے لگتے ہو، "یا ابن عباس یا ابن عباس" جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے، (تم نے تین طلاقیں اکٹھی دیکر وہ کام کیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ تمہارے دل میں حق تعالیٰ کا خوف نہیں تھا اس لئے میں تمہارے لئے کوئی گنجائش نہیں پاتا ہوں، تم نے اللہ کی نافرمانی کی اور تمہاری بیوی تم سے جدا

ہوگئی۔(سنن ابو داؤد:۲۹۹/۱)

اس باب کی فصل ثالث میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے روایت ہے کہ "عن مالك بلغه ان رجلا قال لعبد الله بن عباس انی طلقت امرأتی مائة تطليقة فماذا ترى بها على فقال ابن عباس طلقت منك بثلاث وسبع وتسعون اتخذت بها آيات الله هزوا" [ایک شخص نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو سوطلاقیں دیدیں فرمایا: تیری بیوی تین طلاق سے مطلقہ (مغلظہ) ہوگئی اور ستانوے طلاق سے تو نے اللہ تعالیٰ کی آیات کا مذاق بنایا۔] (مشکوۃ شریف: ۲۸۴)

اس کے علاوہ ابن عباس رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے فتاوی اس مسئلہ پر اتنی کثرت سے ہیں کہ یہاں ان سب کو پیش کرنا انتہائی مشکل ہے منصف مزاج کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔

چنانچہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کیوں چھوڑ دی اس پر عمل کیوں نہیں کیا؟ آپ نے فرمایا: "بروایة الناس عن ابن عباس بوجوه خلافه" حکم الطلاق الثلاث بلفظ واحد: ۹۴/امام احمد بھی یہی فرمارہے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ فتویٰ بہت سی وجوہ اور سندوں سے ثابت ہے۔(اشرف التوضیح ۴۶۲رتا۴۸۰/ ۲)

الحمد للہ ابتدائی بحثیں پوری ہوئیں۔

نفس کا بگاڑ

کچھ لوگ شرم گاہ کی شہوت کے غلام ہوتے ہیں وہ نکاح سے نظام خانہ داری قائم کرنے کا ارادہ نہیں کرتے، نہ معاشی معاملات میں معاونت کا قصد کرتے ہیں نہ شرمگاہ کی حفاظت ان کے پیش نظر ہوتی ہے ان کا مطمح نظر بس عورتوں سے لطف اندوز ہونا اور نیا ذائقہ چکھنا ہوتا ہے، چنانچہ وہ بکثرت نکاح کرتے ہیں اور طلاق دیتے ہیں ایسے نکاح اور زنا میں نفس کے بگاڑ کے اعتبار سے کچھ فرق نہیں، صرف ظاہر داری کا فرق ہے یہ کہ رسم نکاح ادا ہوگئی اور ملکی نظام سے معاملہ ہم آہنگ ہوگیا، اسی صورت کے بارے میں حدیث شریف میں ہے، "ان الله لا يحب الذواقين والذواقات" اللہ تعالیٰ چکھنے والے مردوں اور

چکھنے والی عورتوں کو پسند نہیں کرتے ۔(کنز العمال، حدیث:۲۷۸۷۳)

معاشرتی بگاڑ

نکاح کا مقصد پاکیزگی کے ساتھ شادمانی کی زندگی بسر کرنا ہے اور یہ مقصد اس وقت حاصل ہوتا ہے، جب میاں بیوی دائمی رفاقت ومعاونت کے لئے آمادہ ہوں اور اپنے آپ کو اس کا خوگر بنائیں، اور جب طلاق کا رواج چل پڑتا ہے تو یہ بات باقی نہیں رہتی، زوجین کے ذہنوں میں چند روز رفاقت کا تصور ہوتا ہے اس کے بعد ختم ہو جاتا ہے جس سے یہ معاشرتی بگاڑ پیدا ہوتا ہے کہ معمولی باتیں بھی رنجش کا سبب بن جاتی ہیں، اور دونوں جدائی کی طرف چل پڑتے ہیں، پس کہاں تو نکاح میں یہ ضروری تھا، کہ دونوں ناگواریوں کو جھیلیں اور تعلقات کو خوشگوار رکھنے کی کوشش کریں اور کہاں یہ زود رنجیاں اور رسا تو ڑانے کی فکر۔

بے حیائی کا فروغ

اگر عورتیں اس چیز کی عادی بن جائیں کہ وہ ذائقہ چکھ کر چل دیں اور لوگ اسکو برا نہ سمجھیں اور نہ اس پر افسوس کریں نہ نکیر، تو بے حیائی کو فروغ ملے گا، اور کوئی دوسرے کے گھر کی بربادی کو اپنے گھر کی بربادی نہیں سمجھے گا، اور خیانت کی طرح پڑیگی ہر ایک اس فکر میں رہے گا، کہ جدائی ہوئی تو فلاں سے نکاح کروں گا، اور اس میں جو مفاسد ہیں وہ ظاہر ہیں ۔(مستفاد از رحمۃ اللہ الواسعہ:۵/۱۳۸)

{الفصل الاول}

خلع میں مہر کے باغ کی واپسی

{۳۱۳۴} **عَنِ** ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا اَنَّ اِمْرَأَۃَ ثَابِتِ بْنِ قَیْسٍ اَتَتِ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ثَابِتُ بْنُ قَیْسٍ مَا اَعْتِبُ عَلَیْہِ فِیْ خُلُقٍ وَلَا دِیْنٍ وَلٰکِنِّیْ اَکْرَہُ الْکُفْرَ فِی الْاِسْلَامِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَتَرُدِّیْنَ عَلَیْہِ حَدِیْقَتَہٗ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِقْبَلِ الْحَدِیْقَۃَ وَطَلِّقْھَا تَطْلِیْقَۃً۔ (رواہ البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۷۹۴، باب الخلع، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۵۲۷۳۔

حل لغات: عتب: (ن ض) عتبا وعتابا، ملامت کرنا اظہار ناراضگی کرنا، اقبل علی العمل (افعال) متوجہ ہونا، قبول کرنا تسلیم کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی اہلیہ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں ثابت بن قیس کے اخلاق اور دین کے سلسلہ میں عیب جوئی نہیں کرتی ہوں، لیکن میں اسلام کے اندر کفر کو ناپسند کرتی ہوں، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ثابت نے جو باغ تمہیں دیا ہے، کیا تم اس کو واپس کرنے کے لئے تیار ہو؟ انہوں نے کہا جی ہاں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ثابت اپنا باغ واپس لے لو اور ان کو ایک طلاق دیدو۔ (بخاری)

تشریح: ان امرأۃ ثابت بن قیس: حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں، فصاحت و بلاغت میں ممتاز مقام کے حامل تھے، ان ہی کی بیوی جمیلہ ہیں، جو رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی کی لڑکی

004

تھی۔ "ما اعتب علیه"حضرت ثابت کی بیوی نے حضرت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آ کر حضرت ثابت سے علاحدگی کی بات کی، لیکن حضرت ثابت کے متعلق کسی قسم کی الزام تراشی نہیں کی اور نہ اپنی جانب سے غم وغصہ کا اظہار کیا، بلکہ صاف لفظوں میں اس بات کا اعتراف کیا کہ مجھے ان سے دینی معاشرتی کسی قسم کی شکایت نہیں ہے، البتہ طبعی مناسبت نہ ہونے کی بنا پر میرا ان کے ساتھ گذارا دشوار ہے، لہٰذا علاحدگی چاہتی ہوں، "لکن اکرہ الکفر فی الاسلام" اس جملہ کے محدثین نے بہت مطالب بیان کئے ہیں ان میں سے دو یہاں ذکر کئے جاتے ہیں۔

(۱)......کفر سے مراد شوہر کی ناشکری ہے، یعنی میرے شوہر تو میرے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں، لیکن چوں کہ میرا دل ان کی طرف مائل نہیں ہے، لہٰذا میں ان سے اعراض کرتی ہوں، اور یہ بات اسلامی نقطہ نظر سے غلط ہے اور شوہر کی ناقدری کے تحت آتی ہے، لہٰذا اس ناشکری سے بچنے کے لئے اپنے شوہر ثابت سے علاحدہ ہونا چاہتی ہوں۔

(۲)......ثابت بن قیس سے شدید نفرت کی وجہ سے فسخ نکاح کرنے کے لئے مجھے کفر وارتداد میں پڑنے کا خطرہ ہے، اور اسلام لانے کے بعد کفر میں لوٹنا مجھے پسند نہیں، لہٰذا میں چاہتی ہوں کہ یہ مجھے طلاق دے دیں۔ (عمدۃ القاری: ۲۶۳/۲۰)

سوال: خلع سے کون سی طلاق واقع ہوتی ہے؟

جواب: جمہور کے نزدیک خلع سے ایک طلاق بائن ہوتی ہے، رجوع کے لئے نکاح جدید ضروری ہے، البتہ اگر خلع میں دو یا تین طلاقوں کا ذکر آیا، تو اتنی ہی طلاقیں واقع ہوں گی جتنی طلاقوں کا ذکر ہوا ہوگا۔

سوال: خلع اور طلاق علی المال دونوں کی حقیقت ایک ہے یا دونوں میں فرق ہے؟

جواب: دونوں کی حقیقت ایک ہے، صرف منظوری کا فرق ہے اگر زوجین کی گفتگو میں لفظ خلع کا تذکرہ آیا، تو خلع ہے اور مال کے عوض طلاق کا ذکر آیا تو طلاق علی المال ہے۔

سوال: خلع کرنے والی عورت کی عدت کیا ہے؟

جواب: اس عورت کی عدت تین حیض ہیں اور اگر حیض نہ آتا ہو تو تین مہینہ ہیں، بعض لوگوں کے

نزدیک چونکہ خلع طلاق نہیں ہے، بلکہ فسخ نکاح ہے، لہٰذا ان کے نزدیک مختلعہ کی عدت ایک حیض یا طہر ہے۔

سوال: شوہر نے عورت کو جو مال دیا ہے خلع میں اس سے زائد طلب کرسکتا ہے یا نہیں؟

جواب: اس سلسلہ میں حنفیہ کے یہاں دوقول (۱) جائز ہے (۲) مکروہ ہے، اس میں یوں تطبیق دی گئی ہے کہ اگر عورت کی نافرمانی کی بنا پر خلع کی نوبت آئی ہے، تو شوہر زائد مال طلب کرسکتا ہے، اور اگر ایذا شوہر کی طرف سے ہے، تو زائد مال طلب کرنا مکروہ ہے۔(التعلیق: ۶۳/ ۴)

تنبیہ: ابوداؤد کی روایت میں یہ ہے کہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے اپنی جس بیوی سے خلع کیا وہ حبیبہ بنت سہل ہے، اس میں دو روایتیں ہیں نسائی کی ایک روایت میں تو اسی طرح ہے اور ایک میں بجائے حبیبہ کے جمیلہ وارد ہوا ہے پس بعض محدثین نے تو اس کو اختلاف فی التسمیہ پر محمول کیا ہے، اور حافظ نے ابن عبدالبر سے ان کی رائے یہ نقل کی ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ یہ دو قصے ہیں جو دو عورتوں کے ساتھ الگ الگ پیش آئے، حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، بذل میں کہ چونکہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے مزاج میں شدت اور سختی تھی اس لئے ہوسکتا ہے انہوں نے اپنی دونوں بیویوں سے الگ الگ وقت میں خلع کیا ہو۔

فائدہ: ابوداؤد کی روایت سے معلوم ہو رہا ہے کہ سبب خلع ان کے شوہر کا سوء خلق مزاج کی سختی ہے اور ابن ماجہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ظاہری سبب ان کا بدشکل ہونا ہے، چنانچہ ابن ماجہ کی روایت میں ہے "من حدیث عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کانت حبیبة بنت سهل عند ثابت بن قیس وکان رجلا دمما فقالت واللہ لولا مخافة اللہ اذا دخل علی لبصقت فی وجهه" حبیبہ بن سہل حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں اور وہ بدشکل شخص تھے ان کی بیوی نے بیان کیا کہ اگر اللہ کا ڈر نہ ہوتا تو جب وہ میرے پاس داخل ہوئے تو میں ان کے چہرہ پر تھوک دیتی۔ اس بارے میں اور دوسری مختلف روایات حضرت شیخ نے اوجز المسالک میں ذکر فرمائی ہیں۔

حالت حیض میں طلاق ورجوع

{۳۱۳۵} **وَعَنْ** عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّہٗ طَلَّقَ اِمْرَأَتَہٗ لَہٗ وَھِیَ حَائِضٌ فَذَکَرَ عُمَرُ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَتَغَیَّظَ فِیْہِ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ لِیُرَاجِعْھَا ثُمَّ یُمْسِکْھَا حَتّٰی تَطْھُرَ ثُمَّ تَحِیْضَ فَتَطْھُرَ فَاِنْ بَدَالَہٗ اَنْ یُطَلِّقَھَا فَلْیُطَلِّقْھَا طَاھِراً قَبْلَ اَنْ یَمَسَّھَا فَتِلْکَ الْعِدَّۃُ الَّتِیْ اَمَرَ اللّٰہُ اَنْ تُطَلَّقَ لَھَا النِّسَاءُ وَفِیْ رِوَایَۃٍ مُرْہُ فَلْیُرَاجِعْھَا ثُمَّ لِیُطَلِّقْھَا طَاھِراً اَوْ حَامِلاً۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/ ۷۲۹، سورۃ الطلاق، کتاب التفسیر، حدیث نمبر: ۴۹۰۸، مسلم شریف: ۱/ ۴۷۵، باب تحریم طلاق الحائض، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۱۴۷۱۔

حل لغات: تغیظ: (تفعل) غصہ کا اظہار کرنا، ذکر الشیء لہ: (ن) کسی کو کوئی بات بتانا، واقعہ بیان کرنا، امسک: (افعال) کسی چیز کو اپنے پاس روکے رکھنا۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو جبکہ وہ حائضہ تھیں طلاق دیدی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا تذکرہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت غصہ ہوئے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عبد اللہ کو چاہئے کہ اپنی بیوی سے رجوع کریں اور اسکو نکاح میں رکھیں یہاں تک کہ وہ حیض سے پاک ہوجائے، پھر اس کو حیض آئے، بعد ازاں وہ حیض سے پاک ہوجائے، اس کے بعد اگر وہ طلاق دینا چاہیں تو اسکو پاکی کی حالت میں صحبت کرنے سے پہلے طلاق دیدیں، یہی وہ عدت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے مردوں کو طلاق دینے کا حکم کیا ہے، ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ عبد اللہ کو حکم کرو کہ وہ اپنی بیوی سے رجوع کرے، پھر وہ اس کو پاکی کی حالت میں یا حمل کی حالت میں طلاق دیں۔

(بخاری ومسلم)

ابن عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں حیض میں طلاق دینے کا قصہ اور اس سے متعلق مسائل:

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ حیض میں اپنی بیوی کو طلاق دینے کا واقعہ ذکر فرمایا ہے۔

ان کی اس بیوی کا نام جس کا یہ قصہ ہے کہا گیا ہے کہ آمنہ ہے "وقیل النور" ممکن ہے آمنہ نام ہو اور النور لقب، "طلاق فی زمن الحیض بالاتفاق" طلاق بدعی ہے۔ ایک ساتھ متعدد طلاق دینا اس میں تو اختلاف ہے شافعیہ واحمد فی روایۃ ایسی طلاق بدعت نہیں ہے بلکہ سنی ہے، "کما تقدم التفصیل" لیکن طلاق فی حال الحیض بالاتفاق طلاق بدعی ہے، ابن عمر رضی اللہ عنہ نے صرف ایک طلاق دی تھی جیسا کہ بعض طرق میں اس کی تصریح ہے۔

فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرہ فلیراجعھا ثم لیمسکھا حتی تطھر ثم تحیض فتطھر" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب اس کا تذکرہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ وہ ابن عمر کو اس طلاق سے رجوع کا حکم کریں۔ یہ حکم بالرجوع وجوب کے لئے ہے یا صرف استحباب کے لئے اس میں دونوں قول ہیں۔ علامہ قسطلانی فرماتے ہیں ۱۲۶ / ۸، یہ امر عند الشافعیہ والحنابلہ استحباب کے لئے ہے اور یہی ایک روایت حنفیہ کی ہے اور مالکیہ کے نزدیک وجوب کے لئے ہے "وصححہ صاحب الھدایہ من الحنفیہ"، مالکیہ کے نزدیک تو اس کو رجوع پر مجبور کیا جائے گا "بالضرب والسجن والتھدید" اور آگے پھر اس حدیث کے اس طریق میں یہ ہے کہ رجوع کرنے کے بعد طہر ثانی تک رکا رہے طہر ثانی میں اسکو اختیار ہے چاہے طلاق دے اور چاہے نکاح میں باقی رکھے، مطلب یہ ہوا کہ طہر اول میں طلاق نہ دے اگر دینی ہی ہے تو طہر ثانی میں دے، یہ طہر ثانی والا امر استحباب کیلئے ہے یا وجوب کیلئے اس میں فقہا کا اختلاف ہے حنفیہ کا مسلک اس میں پہلے طلاق بدعی کی تعریف میں گذر چکا ہے کہ ظاہر الروایۃ حنفیہ کی اس میں وجوب کی ہے اور غیر ظاہر الروایہ استحباب کی اصح الوجہین للشافعیہ بھی وجوب ہی ہے کما قال الحافظ اور امام مالک واحمد کے نزدیک استحباب کے لئے ہے کما قال الدردیر: ۳۶۳ / ۲ والموفق۔

روایات حدیثیہ بھی اس میں مختلف ہیں باب کی حدیث کے طریق اول میں جوکہ طریق نافع ہے طہر ثانی مذکور ہے اوراس کے بعد جوطریق آرہا ہے یعنی طریق سالم اس میں صرف طہر اول مذکور ہے۔

پھر علماء کی اس میں مختلف آراء ہیں کہ طہر ثانی تک انتظار کی کیا مصلحت ہے۔

(۱)......تاکہ یہ رجعت صرف طلاق کے لئے نہ ہو اس لئے کہ جس طرح طلاق کی نیت سے نکاح کرنا مکروہ اورناجائز ہے اسی طرح طلاق کی نیت سے رجعت بھی نہ ہونی چاہئے، لہٰذا رجعت کرنے کے بعد کچھ زمانہ ایسا گذرنا چاہئے جس میں طلاق دینا جائز ہو لیکن نہ دیجائے۔

(۲)......تاکہ رجعت کا فائدہ ظاہر ہو "وھو الوطی" اور جس طہر میں وطی کی جاتی ہے اس میں طلاق دینا بدعت ہے۔

(۳)......اس شخص نے عجلت کی طلاق دینے میں کہ حیض میں دیدی اورطہر کا انتظار نہیں کیا اس لئے سزاءً وعقوبۃً یہ حکم کیا گیا کہ طہر اول میں بھی مت دو اسکے بعد طہر ثانی میں دینا۔(الدرالمنضود: ۸۴ / ۴، مرقاۃ:۱۸۱/۳ /۶) "ثم لیطلقھا طاھرا او حاملا"

طلاق حامل کی "بحث وھل الحامل تحیض؟"

بظاہر مطلب یہ ہے کہ اس وقت حالت حیض میں جوطلاق دی ہے اس سے تو رجوع کرلے پھر آئندہ یا تو طلاق دے طہر میں (اگر حمل ظاہر نہ ہو) اور اگر حمل ظاہر ہوجائے تو پھر طہر کی قید نہیں، اس روایت سے دو باتیں نئی ثابت ہوئیں اول یہ کہ حاملہ کو حیض آسکتا ہے دوسرے یہ کہ حامل کو ہر حال میں طلاق دے سکتے ہیں گو حالت حیض ہو، کذا قال الطیبی والنووی، ملاعلی قاری طیبی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں "وعندنا ان الحامل لا تحیض ومارأتہ من الدم فھو استحاضۃ" ہمارے نزدیک حاملہ کو حیض نہیں آتا اور جو کچھ وہ خون دیکھتی ہے وہ استحاضہ ہے۔امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ حامل حائض کو طلاق دینا جائز ہے اس لئے کہ غیر حامل کو حیض میں طلاق دینے سے مانع طول عدت ہے اور حامل کی عدت بہرحال وضع حمل ہے۔ "فلا فرق فیھما بین الطھر والحیض" بذل المجھود میں حضرت نے اسکا جواب تحریر فرمایا ہے جو وہاں دیکھا جاوے،

"الظاهر عندی ما قال النووی کما لا یخفی" (مرقاۃ: ٦/ ٣٨٢)

اسی طرح کتب مالکیہ وحنابلہ میں بھی یہی مذکور ہے کہ غیر مدخول بہا اور وہ عورت جس کا حمل ظاہر ہو چکا ہو اس کو جس حال میں بھی طلاق دی جائے جائز ہے۔

فتلک العدۃ التی الخ: آپ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ حیض کی طلاق سے رجوع کر کے زمانہ طہر میں طلاق دو، پس یہ حالت طہر ہی وہ عدت ہے جس میں طلاق دینے کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے۔

عدت کے مصداق میں فریقین کی رائے کی توضیح و تشریح: خطابی کہتے ہیں اس سے تو معلوم ہو رہا ہے کہ جو زمان طلاق کا ہے وہی زمان عدت ہے اور زمانہ طلاق بالاتفاق زمان طہر ہے لہٰذا زمان عدت بھی طہر ہوا، (اس سے قبل وہ یہ بھی کہہ چکے ہیں کہ "ان تطلق لها النساء" میں لام بمعنی فی ہے، پس ثابت ہوا کہ قرآن میں ثلاثۃ قروء سے مراد ثلاثۃ اطہار ہیں کما ھو مسلک الشافعیہ۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہاں اس حدیث میں لفظ عدت سے اصطلاحیہ مراد نہیں جو کتاب اللہ سے ثابت ہے یعنی ثلاثۃ قروء بلکہ عدت سے مراد طلاق النساء کی عدت یعنی وقت طلاق پس ضروری نہیں کہ جو عدت طلاق ہے یعنی وقت طلاق وہی عدت وہ ہو جس کے گذارنے کی عورتیں مکلف ہیں کیونکہ لفظ عدت کے کئی معنی آتے ہیں (عون المعبود) چنانچہ قاموس وغیرہ کتب لغت میں عدت کے معنی متعدد لکھے ہیں فلیراجع لہٰذا حدیث کے اس جملہ کا مطلب یہ ہوا پس یہ وقت طلاق دینے کا (جس میں ہم کہہ رہے) وہی وقت ہے جس میں طلاق دینے کا امر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فی "قولہ تعالیٰ فطلقوھن لعدتھن" گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امر بالطلاق فی زمان الطہر کو مؤید فرمایا ہے اس آیت کریمہ سے سبحان اللہ کیا عمدہ تشریح ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ "فطلقوھن لعدتھن" کی تفسیر میں اختلاف ہے بین الحنفیہ والشافعیہ جس کو مفسرین اور محدثین سبھی نے لکھا ہے دراصل اس آیت شریفہ میں ایک قراءۃ یہ ہے "کما سیاتی فی المتن ایضاً، فطلقوھن فی قُبُلِ عِدَّتِهِنَّ" پھر حنفیہ وشافعیہ کا لفظ قبل کے مفہوم میں اختلاف ہے بناء بر اس کے کہ شافعیہ عدۃ بالاطہار کے قائل ہیں اور حنفیہ عدۃ بالحیض کے، شافعیہ کہتے ہیں اس کے معنی ابتداء

اوراول کے ہیں، یعنی عورتوں کو طلاق دو ان کی عدت کے شروع اور اس کے آغاز میں اور حنفیہ کہتے ہیں اس سے مراد آمد واستقبال ہیں یعنی طلاق دو ایسے وقت میں جب کہ وہ عورتیں استقبال کرنے والی ہوں، عدت کا یعنی ایسے وقت میں طلاق دو جس کے بعد زمان عدت آنے والا ہو اور طلاق بالاتفاق دی جاتی ہے زمان طہر میں، معلوم ہو کہ اطہر کے بعد آنے والا زمانہ ہی زمان عدت ہے "وهو الحيض" حنفیہ اپنی رائے کی ترجیح اس طرح ثابت کرتے ہیں کہ قرآن یہ کہتا ہے کہ عدت ثلثۃ قروء ہے پورے تین قروء گذرنے چاہئیں اور اگر عدت طہر کو قرار دیا جائے کما قالوا اور حال یہ ہے کہ طلاق بھی طہر ہی میں دی جاتی ہے تو اب خلط ہو جانے کی وجہ سے عدت کے حساب میں گڑبڑ کمی یا زیادتی واقع ہوگی۔ جس طہر میں طلاق دی گئی اگر اس کو مستقل شمار کرتے ہیں تو عدد ثلاث (ثلاث قروء) میں کمی واقع ہوگی (کما هو مسلك الشافعيه) اور اگر شمار نہیں کرتے اس کے علاوہ تین طہر گذارے جائیں تو اس صورت میں زیادتی لازم آتی ہے بخلاف اس کے کہ عدت حیض کو قرار دیا جائے اور طلاق طہر میں دی جائے اس میں عدت کا حساب بلاتردد درست رہتا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب۔ (الدر المنضود: ۸۵ / ۴)

طلاق فی الحیض کے وقوع میں اختلاف

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ طلاق فی الحیض اگرچہ عند الجمہور ناجائز اور حرام ہے لیکن اس کے باوجود واقع ہوجاتی ہے۔ "عند جماهير العلماء سلفا وخلفا ومنهم الائمه الاربعة وعلى هٰذا ايقاع الثلاث دفعة" امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے دو مستقل ترجمۃ الباب اس مقصد کے لئے باندھے ہیں (۱) "باب اذا طلقت المرأة الحائض يعتد بذلك الطلاق"

(۲) "باب من اجاز الطلاق الثلاث" باب اول کے ذیل میں علامہ قسطلانی فرماتے ہیں کہ ائمہ الفتویٰ کا اس پر اجماع ہے۔ (حالت حیض کی طلاق کے وقوع پر) بخلاف ظاہریہ روافض، خوارج کے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ طلاق واقع نہیں ہوتی اس لئے کہ منہی عنہ ہے فلا يكون مشروعا، اور ہم یہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کو اس طلاق کے بعد رجوع کا حکم فرمایا، اور ظاہر ہے کہ رجوع عن الطلاق بدون الطلاق محال ہے، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ خود ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے اس

طلاق کا اعتبار کیا جیسا کہ اس کی تصریح آگے حدیث میں آرہی ہے، صاحب عون المعبود لکھتے ہیں حافظ ابن القیم نے زاد المعاد میں بہت طویل کلام کیا ہے اس بات پر کہ طلاق حائض واقع نہیں ہوتی۔ اور شاہ صاحب فیض الباری میں فرماتے ہیں یہی وہ مسئلہ ہے جس کا ابن تیمیہ نے انکار کیا ہے کہ حالت حیض کی طلاق واقع نہیں ہوتی حالانکہ ابن عمر رضی اللہ عنہ جو کہ صاحب واقعہ ہیں انہوں نے اس طلاق کے وقوع کا اقرار کیا ہے الی آخر ماذکر، میں کہتا ہوں اسی طرح ابن القیم نے اس مسئلہ پر تفصیلی کلام سنن ابو داؤد کی شرح "تهذیب السنن" میں بھی لکھا ہے جمہور کے مسلک کے خلاف فضول زور لگایا ہے۔

(الدر المنضود: ۸۶/ ۴)

عدت کی ابتداء حیض سے ہے یا طہر سے مع اختلاف ائمہ

مطلقہ کی عدت کے بارے میں قرآن کریم "یتربصن بانفسهن ثلاثة قروء" کے الفاظ آئے ہیں کہ تین قروء انتظار کریں اور لفظ قرء مشترک ہے حیض اور طہر کے درمیان، اسی بنا پر اختلاف ہوگیا مطلقہ کی عدت میں کہ ایام طہر سے ہوگی یا حیض سے، تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قروء کے معنی طہر لے کر اسی سے عدت مانتے ہیں یہی امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وسفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اور امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عدت حیض سے ہوگی اور آیت میں قرء سے حیض مراد لیتے ہیں۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ وشافعی رحمۃ اللہ علیہ دلیل پیش کرتے ہیں ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے مذکور الفاظ "فتلك العدة الخ" سے طریقہ استدلال اس طور پر ہے کہ جس طہر میں عورت کو طلاق دینے کا حکم ہے اس کو عدت کہا گیا ہے تو معلوم ہوا کہ طہر سے عدت ہوگی اور قرآن کریم میں ثلاثۃ قروء سے طہر مراد ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ دلیل پیش کرتے ہیں قرآن کریم کی دوسری آیت سے "واللآئی یئسن من المحیض من نسائکم ان ارتبتم فعدتهن ثلاثة اشهر" اور تمہاری عورتوں میں سے جو ماہواری آنے سے مایوس ہو چکی ہوں اگر تمہیں ان کی عدت کے بارے میں شک ہو تو (یاد رکھو کہ) ان کی عدت تین مہینے ہے۔ (سورۃ الطلاق) تو یہاں حیض نہ ہونے کے صورت میں تین ماہ کی عدت قرار دیا گیا۔ اور یہی شہور

حیض کے قائم مقام ہیں تو معلوم ہوا کہ ذوات الحیض کی عدت حیض سے ہوگی۔

دوسری دلیل حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے: "ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فی سبایا او طاس ولا حلائل حتی تستبرئ بحیضۃ" تو یہاں استبراء رحم حیض کے ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ اور عدت کا مقصد ہی استبراء رحم ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ عدت حیض سے ہوگی نہ کہ طہر سے۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ اکثر احادیث میں حیض کو قرء سے تعبیر کیا گیا ہے جیسا کہ باب الحیض کی احادیث میں مذکور ہے، نیز ترمذی کی حدیث ہے: "طلاق الامۃ ثنتان وعدتھا حیضتان" [باندی کی طلاق دو اور اس کی عدت دو حیض ہیں۔] اس سے بھی واضح ہوگیا کہ عدت حیض سے ہوگی، نیز جس آیت میں عدت کا ذکر قرء سے کیا گیا ہے اگرچہ لغت کے اعتبار سے مشترک ہے بین الحیض والطہر لیکن یہاں لفظ ثلاثۃ خاص پر عمل کرتے ہوئے حیض مراد لینا اولیٰ ہے، "کما ذکر تفصیلہ فی کتب الاصول، فلینظر ھٰھنا"

انہوں نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں عدت سے عدت مطلقہ مراد نہیں ہے بلکہ اس میں وقت طلاق مراد ہے، اور اس کا قرینہ یہ ہے کہ اس کا مخاطب حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں اور ان کے نزدیک عدت حیض سے ہوتی ہے نہ کی طہر سے اور قرء کے معنی حیض ہے، کما ذکرہ الطحاوی والعینی، لہٰذا اس حدیث سے استدلال صحیح نہیں ہے۔ (درس مشکوۃ: ۳/۳۴)

فوائد: اس حدیث سے چند باتیں خاص طور پر معلوم ہوئیں۔

(۱)......طلاق دینے کا وقت طہر ہے، حالت حیض میں طلاق دینا گناہ ہے، لیکن اگر کسی نے حالت حیض میں طلاق دی تو وہ واقع ہو جائے گی، اگر شوہر رجوع کرلے گا تو اب اس کو دو طلاقوں کا اختیار ہوگا۔

(۲)......اگر کسی نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی ہے تو اس کو رجوع کر لینا چاہئے اور پھر اگر طلاق دینے میں ہی مصلحت سمجھ رہا ہے تو پھر طہر میں طلاق دے۔

(۳)......طلاق دینے کی نوبت آئے تو ایک طلاق دینا چاہئے اور ایسے طہر میں طلاق دینا چاہئے جس میں بیوی سے صحبت نہ کی ہو۔

بیوی کو اختیار دینا

{۳۱۳٦} **وَعَنْ** عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهاَ قَالَتْ خَيَّرَنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْتَرْنَا اللهَ وَرَسُوْلَهُ فَلَمْ يَعُدَّ ذالِكَ عَلَيْنَا شَيْئاً۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حواله: بخاری شریف: ۲/ ۷۹۲، باب من خیر ازواجه، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۵۲٦۲، مسلم شریف: ۱/ ۴۸۰، باب بیان ان تخییر امرأته لایکون الخ، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۱۴۷۷۔

ترجمه: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اختیار دیا تو ہم نے اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کیا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ہم پر کچھ بھی شمار نہیں کیا۔

(بخاری ومسلم)

تشریح: خیرنا رسول الله صلی الله علیه وسلم: ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن نے نفقہ میں اضافہ کا مطالبہ کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کو اختیار دیا کہ اگر وہ خوش حالی چاہتی ہیں تو از خود طلاق لے لیں اور آسودہ زندگی گذاریں یا پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس حال میں رکھیں برضا و رغبت اسی حال میں رہیں، تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کیا اور دنیوی راحت کو ٹھوکر مار کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے معافی مانگی۔ "فلم یعد ذلك علینا شیئا" کا مطلب یہ ہے کہ جس عورت کو اختیار ملا ہے اگر وہ شوہر کو اختیار کرتی ہے تو کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی، اسی بات کو ایک حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یوں بھی بیان کیا ہے کہ "افکان طلاقا" یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اختیار دیا تھا تو کیا ہمارا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کرنا طلاق بنا تھا یہ استفہام انکاری ہے یعنی نہیں بنا تھا معلوم ہوا کہ شوہر کو اختیار کرنا طلاق نہیں ہے یہی جمہور کا بھی مذہب ہے۔

سوال: اگر عورت شوہر کو اختیار نہ کرے تو کون سی طلاق واقع ہوگی؟

جواب: حنفیہ کے یہاں ایک طلاق بائن واقع ہوگی، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تین

طلاق واقع ہونگیں، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ واحمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔

مسئلۃ الباب میں اختلاف علماء

اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو اختیار دیدے اس کے ساتھ رہنے یا نہ رہنے کا تو اس سے طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں؟ "عند الجمهور لاطلاق فی التخییر اذا اختارت الزوج خلافا لعلی وزید بن ثابت" امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں اختلاف علماء بالتفصیل بیان فرمایا ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ اگر عورت اپنے نفس کو اختیار کرے تب تو واحدہ بائنہ واقع ہوگی، اور اگر زوج کو اختیار کرے تو واحدہ رجعیہ واقع ہوگی اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ اگر زوج کو اختیار کرتی ہے تو واحدہ (بائنہ) اور اگر اپنے نفس کو اختیار کرتی ہے تو پھر تین طلاق واقع ہوں گی۔ اس حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان لوگوں پر رد فرما رہی ہیں جو کہتے ہیں کہ نفس تخییر طلاق ہے، اس حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جس تخییر کو بیان فرما رہی ہیں یہ وہی تخییر ہے، جس کا ذکر قرآن کریم میں اس آیت کریمہ میں مذکور ہے۔ "یایها النبی قل لازواجك ان کنتن تردن الحیاة الدنیا وزینتها فتعالین امتعکن وأسرحکن سراحا جمیلاً، وان کنتن تردن الله ورسوله والدار الآخرة فان الله اعد للمحسنات منکن اجرا عظیما"۔ [اے نبی! بیویوں سے کہو کہ اگر تم دنیوی زندگی اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ تحفے دیکر خوبصورتی کے ساتھ رخصت کردوں اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور عالم آخرت کی طلبگار ہو تو یقین جانو اللہ نے تم میں سے نیک خواتین کے لئے شاندار انعام تیار کر رکھا ہے۔] (سورۃ الاحزاب، الدر المنضود: ۹۸/۴)

حرام کر لینے سے کفارہ ہے

{۳۱۳۷} وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ فِي الْحَرَامِ يُكَفِّرُ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حواله: بخاری شریف: ۷۲۹/۲، سورۃ التحریم، کتاب التفسیر، حدیث

نمبر: ۱۱۹۴، مسلم شریف: ۱/۴۷۸، باب وجوب الکفارۃ، کتاب الطلاق حدیث نمبر: ۱۴۷۳۔

ترجمه: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کسی چیز کو حرام کر لینے پر کفارہ دیا جائے گا، بلا شبہ تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں پیروی کا بہترین نمونہ ہے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنے او پر کسی شئی کو حرام کرلیا خواہ وہ زوجہ ہو یا غیر زوجہ اور فی نفسہ وہ شئی حلال ہے تو اس پر کفارہ واجب ہے اور وہ شئ حرام نہ ہوگی۔

اب ایک مسئله سنئے: اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو کہے "انت علی حرام" تو اس کا کیا حکم ہے؟ اصبغ مالکی کے نزدیک یہ کلام لغو ہے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر زوجہ مدخول بہا ہے تو تین طلاق واقع ہو جائیں گی، اور اگر غیر مدخول بہا ہے تو "مانوی" واقع ہوگی، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر نیت کی ہے تو "مانوی" واقع ہوگی ورنہ یہ کلام لغو ہو جائے گا، حنفیہ کے یہاں اگر وہ اس سے کذب مراد لیتا ہے تو دیانۃً معتبر ہے قضاء معتبر نہیں ہے اور اگر اس نے ایک طلاق کی نیت کی تو ایک واقع ہوگی اور اگر تین کی نیت کی تو تین واقع ہو جائیں گی، ایسے ہی اگر وہ ظہار کی نیت کرے تو معتبر ہے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بغیر نیت کی صورت میں اس سے ظہار مراد ہوگا، اور طلاق کی نیت کی صورت میں بعض نے کہا کہ طلاق اور بعض نے کہا کہ ظہار مراد ہوگا۔ (تقریر حضرت شیخ زکریا صاحب قدس سرہ)

تحریم شہد کا واقعہ

{۳۱۳۸} **وَعَنْ** عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهاَ اَنَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَمْكُثُ عِنْدَ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ وَشَرِبَ عِنْدَهَا عَسَلًا فَتَوَاصَيْتُ اَنَا وَحَفْصَةُ اَنَّ اَيَّتَنَا دَخَلَ عَلَيْهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلْتَقُلْ اِنِّيْ اَجِدُ مِنْكَ رِيْحَ مَغَافِيْرَ اَكَلْتَ مَغَافِيْرَ فَدَخَلَ عَلٰى اِحْدَاهُمَا فَقَالَتْ لَهٗ ذَالِكَ فَقَالَ لَا بَأْسَ شَرِبْتُ عَسَلاً عِنْدَ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ فَلَنْ اَعُوْدَ لَهٗ وَقَدْ حَلَفْتُ لَا تُخْبِرِيْ بِذَالِكِ اَحَداً يَبْتَغِيْ مَرْضَاةَ اَزْوَاجِهٖ فَنَزَلَتْ يَا اَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ

تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللهُ لَكَ تَبْتَغِيْ مَرْضَاةَ اَزْوَاجِكَ الْآيَةَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/ ۷۲۹، سورۃ التحریم، کتاب التفسیر، حدیث نمبر: ۴۹۱۲، مسلم شریف: ۱/ ۴۷۹، باب وجوب الکفارۃ، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۱۴۷۴۔

حل لغات: تواصی القوم: (تفاعل) وصیت کرنا، تلقین کرنا، مغافیر، واحد مغفار، کھانے کا گوند جو عرفط پودا سے نکلتا ہے، حلف حلفاً: (ض) قسم کھانا، حلف اٹھانا، عادلہ و علیہ و الیہ عوداً: (ن) لوٹنا واپس آنا۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے پاس ٹھہرتے اور ان کے پاس شہد پیتے تھے، تو میں نے اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے باہم یہ طے کیا کہ ہم میں جس کے پاس بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہے کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منھ سے مغافیر کی بو محسوس ہو رہی ہے، کیا آپ نے مغافیر کھایا ہے؟ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے ایک کے پاس تشریف لائے تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی عرض کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ کوئی بات نہیں میں نے زینب بنت جحش کے پاس شہد پیا ہے آئندہ میں شہد ہرگز نہیں پیوں گا، میں نے قسم کھالی ہے، لیکن تم اس کا تذکرہ کسی سے مت کرنا، اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد اپنی بیویوں کو خوش رکھنا تھا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، "یاایھا النبی لم تحرم الخ" اے نبی کیوں حرام کرتے ہیں اس چیز کو جس کو اللہ نے حلال کیا ہے محض اپنی بیویوں کی خوشنودی کے لئے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: عند زینب بنت جحش: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز کے بعد تمام بیویوں کے پاس جا کر خیریت دریافت کرتے، ایک دن حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ دیر ٹھہرے اور وہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہد پیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو بہت رشک ہوا، چنانچہ انہوں نے باہمی مشورہ سے وہ بات کہی جس کا حدیث میں ذکر ہے، مغافیر: ایک خاص قسم کا گوند ہے جس میں کچھ بو ہوتی ہے "کنت اشرب عسلا" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ

میں نے تو شہد پیا ہے، بیوی صاحبہ نے کہا کہ ممکن ہے کہ مغافیر کے درخت پر کوئی مکھی بیٹھی ہو اور اس نے اس کا رس چوسا ہو، اسی بنا پر شہد میں بد بو ہو، چوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بد بو سے بہت کراہت تھی اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آئندہ شہد نہ پینے کی قسم کھائی، "لا تخبری" حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو یہ بات معلوم ہوتی تو ان کو تکلیف ہوتی، لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو بیان کرنے سے منع فرمایا: "یا یھا النبی" حق تعالیٰ کو یہ بات پسند نہیں آئی، لہٰذا آیت مذکورہ نازل فرمائی، حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ کسی حلال چیز کو اپنے اوپر حرام کرنے کی تین صورتیں ہیں۔

(۱)......کوئی شخص کسی حلال چیز کو قطعی حرام قرار دے تو کفر اور گناہ عظیم ہے۔

(۲)......عقیدۃً حرام نہ سمجھے مگر بلا کسی ضرورت و مصلحت کے قسم کھا کر اپنے اوپر حرام کرلے تو یہ گناہ ہے، اس قسم کو توڑنا اور کفارہ ادا کرنا اس پر واجب ہے، اور اگر کوئی ضرورت و مصلحت ہو تو جائز ہے مگر خلاف اولیٰ ہے۔

(۳)......نہ عقیدۃً حرام سمجھے نہ قسم کھا کر اپنے اوپر حرام کرے مگر عملاً اس کو ہمیشہ ترک کرنے کا دل میں عزم کرلے، یہ عزم اگر اس نیت سے کرے کہ اس کا دائمی ترک باعث ثواب ہے تب بھی یہ بدعت اور رہبانیت ہے جو شرعاً گناہ اور مذموم ہے اور اگر ترک دائمی کو ثواب سمجھ کر نہیں بلکہ اپنے کسی جسمانی یا روحانی مرض کے علاج کے طور پر کرتا ہے تو بلا کراہت جائز ہے، بعض صوفیا کرام سے جو ترک لذائذ کی حکایتیں منقول ہیں وہ اسی صورت پر محمول ہیں۔ (معارف القرآن)

{الفصل الثانی}

طلاق کا مطالبہ کرنے والی عورت پر جنت حرام ہے

{۳۱۳۹} عَنْ ثَوْبَانَ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَیُّمَا اِمْرَأَةٍ سَأَلَتْ زَوْجَهَا طَلَاقاً فِیْ غَیْرِ مَابَأْسٍ فَحَرَامٌ

عَلَيْهَا رَائِحَةُ الْجَنَّةِ. (رَوَاهُ أَحْمَدَ وَأَبُوْ دَاؤُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

حوالہ: مسند احمد: ۳۷۷/۵، ابو داؤد شریف: ۳۰۳/۲، باب فی الخلع، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۲۲۲۶، ترمذی شریف: ۲۲۶/۱، باب ماجاء فی المختلعات، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۱۱۸۷، ابن ماجہ شریف: ۱۴۸، باب کراھیۃ الخلع للمرأۃ، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۲۰۵۵، دارمی: ۲۱۶/۲، باب النھی عن تسال المرأۃ طلاق زوجھا، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۲۲۷۰۔

ترجمہ: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جو عورت بغیر کسی وجہ کے اپنے خاوند سے طلاق کا سوال کرے تو اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔ (احمد، ابوداؤد، ترمذی، دارمی، ابن ماجہ)

تشریح: طلاق وخلع جائز امور ہیں لیکن بلا ضرورت ناپسندیدہ اور مبغوض ہیں، بعض مرد وزن محض عیاشی کی وجہ سے اور مزہ چکھنے کی خاطر طلاق لیتے اور دیتے ہیں، ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ "ذواقین" یعنی چکھنے والوں اور "ذواقات" چکھنے والیوں کو پسند نہیں کرتے ہیں، لہٰذا بلا ضرورت طلاق نہ دینا چاہئے، اسی طرح عورت کو بغیر سخت دشواری کے طلاق کے مطالبہ سے باز رہنا چاہئے ہاں اگر واقعی مصیبت ہے تب طلاق لینے اور دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ایما امرأۃ سألت: جو عورت بلا ضرورت شوہر سے خلع کرے اس پر جنت کی بو حرام ہے ترمذی کی ایک روایت میں ہے، "المختلعات من المنافقات" خلع لینے والی عورتیں منافق ہیں، مطلب یہ ہے کہ جس طرح منافق کا ظاہر کچھ اور باطن کچھ اور ہوتا ہے، اسی طرح جو عورتیں بلا وجہ خلع لیتی ہیں وہ بظاہر ہمیشہ کے لئے نکاح کرتی ہیں مگر ان کی نیت کچھ اور ہوتی ہے اسی اعتبار سے ان کو منافق کہا گیا ہے۔ (تحفۃ الالمعی: ۸۱/۴)

طلاق ابغض الحلال ہے

{۳۱۴۰} **وَعَنِ** ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَبْغَضُ الْحَلَالِ اِلَی اللّٰہِ الطَّلَاقُ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/۲۹۶، باب فی کراھیۃ الطلاق، کتاب الطلاق، حدیث نمبر:۲۱۷۸۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ حلال چیزوں میں سب سے زیادہ اللہ کو ناپسندیدہ چیز طلاق ہے۔(ابوداؤد)

تشریح: طلاق باوجود جائز اور حلال ہونے کے مبغوض عند اللہ تعالیٰ ہے، معلوم ہوا کہ ہر حلال شئی محبوب نہیں بلکہ بعض حلال مبغوض ہوتے ہیں۔

طلاق کے مکروہ ومبغوض ہونے کی تشریح

اس حدیث پر امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ طلاق کی کراہیت نفس طلاق کے اعتبار سے نہیں بلکہ اس بدخلقی اور سوءعشرت کے لحاظ سے ہے جو سبب طلاق ہے اس لئے کہ طلاق تو مباح ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حصفہ رضی اللہ عنہا کو ایک مرتبہ طلاق دی تھی پھر بعد میں رجوع فرمالیا تھا، اسی طرح ابن عمر رضی اللہ عنہا کی ایک بیوی تھی جس سے ان کو تو محبت تھی لیکن ان کے باپ عمر رضی اللہ عنہا کو وہ پسند نہ تھی وہ نہیں چاہتے تھے کہ وہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں رہے اس بات کی شکایت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: کہ تم اس کو طلاق دیدو، اس پر انہوں نے اسکو طلاق دیدی، پس ظاہر ہے کہ آپ کسی کو ایسی شئ کا حکم نہیں کرسکتے ہیں جو عند اللہ مکروہ ہو، میں کہتا ہوں اسی طرح ہمارے فقہاء نے بھی لکھا ہے۔علامہ زیلعی فرماتے ہیں: بعض لوگ کہتے ہیں کہ طلاق بغیر ضرورت کے مباح نہیں ہے (پھر آگے) انہوں نے اس کی تائید میں کچھ احادیث ذکر کی ہیں، اس کے بعد فرماتے ہیں کہ اور ہماری دلیل باری تعالیٰ کا قول "اذا طلقتم النساء فطلقوھن لعدتھن" [جب تم لوگ عورتوں کو

طلاق دینے لگو تو انہیں ان کی عدت کے وقت طلاق دو اور عدت کو اچھی طرح شمار کرو] (سورۃ الطلاق) نیز باری تعالیٰ کا قول "لا جناح علیکم ان طلقتم النساء"۔ [تم پر اس میں بھی کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم عورتوں کو ایسے وقت طلاق دو جبکہ ابھی تم نے انہیں چھوا بھی نہ ہو اور نہ کوئی مہر مقرر کیا ہو۔] سورۃ البقر) "وطلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حفصۃ والصحابۃ رضوان اللہ تعالیٰ علیہ اجمعین کانوا یطلقون من غیر نکیر الخ"۔ [اور نبی کریم ﷺ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دی اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بلا کسی نکیر کے طلاق دیتے تھے۔]

شیخ ابن الہمام فرماتے ہیں: جس کا حاصل یہ ہے کہ حدیث میں طلاق کی مبغوضیت کے ساتھ اس کے حلال ہونے کی بھی تصریح ہے، لہٰذا طلاق کی کراہت کراہت بالمعنی الاصطلاحی نہیں ہے، صفت بغض کے ساتھ اگر حلت کی تصریح نہ ہوتی تو بیشک طلاق شرعاً مکروہ ہوتی اور اس پر وہی چیز مرتب ہوتی جو مکروہ اصطلاحی پر ہوتی ہے، واذ لیس فلیس اس سے زائد نہیں کہا جاسکتا کہ طلاق عند اللہ تعالیٰ مبغوض اور ناپسند ہے۔ علامہ قسطلانی شرح بخاری میں فرماتے ہیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے نکاح کو مشروع فرمایا اسی طرح طلاق کو مشروع فرمایا پھر آگے فرماتے ہیں اور وہ جو سنن ابو داؤد کی حدیث ہے جس میں طلاق کو مبغوض قرار دیا گیا ہے، وہ محمول ہے اس طلاق پر جو بلا وجہ دیجائے، نیز ویسے بھی اس حدیث میں علت ارسال پائی جاتی ہے اس کے بعد پھر انہوں نے ابن الہمام کا کلام مذکورہ نقل کیا ہے، ابن عبد البر کتاب الکافی میں کتاب الطلاق کے شروع میں تحریر فرماتے ہیں کہ طلاق مباح ہے اگر چہ عورت کو ناپسند ہو خواہ عورت مسیئہ ہو یا محسنہ، قبل الدخول و بعد الدخول لیکن کثیر الطلاق شخص مذموم ہے اور یہ چیز محاسن اخلاق سے نہیں ہے، پھر آگے فرماتے ہیں کہ شریعت میں طلاق دینے کا ایک طریقہ یہ ہے جس سے تجاوز کرنا جائز نہیں ہے باری تعالیٰ کی معصیت اور اپنے نفس پر ظلم ہے۔ الحاصل طلاق اگر بضرورت اور مصلحت ہے تب تو اس کے جواز میں کسی کو کلام ہی نہیں ہے، اور اگر بلا ضرورت ہے تب بھی عند الجمہور جائز ہے، بشرطیکہ قاعدہ شرعیہ کے مطابق اور جملہ حقوق کی ادائیگی کے ساتھ ہو جس پر "تسریح باحسان" صادق آتا ہو۔ اسلئے کہ طلاق بعض حالات میں صرف مباح اور بعض میں مستحب اور بعض میں واجب ہو جاتی ہے اور بعض حالات میں مکروہ۔ (الدر المنضود: ۸۲/ ۴، مرقاۃ: ۳۸۶/ ۶)

نکاح سے پہلے طلاق نہیں

{۳۱۴۱} **وَعَنْ** عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا طَلَاقَ قَبْلَ النِّكَاحِ وَلَاعِتَاقَ اِلَّا بَعْدَ مِلْكٍ وَلَا وِصَالَ فِيْ صِيَامٍ وَلَايُتْمَ بَعْدَ اِحْتِلَامٍ وَلَا رَضَاعَ بَعْدَ فِطَامٍ وَلَا صَمْتَ يَوْمٍ اِلَى اللَّيْلِ. (رواه فی شرح السنة)

حوالہ: بغوی فی شرح السنة: ۹/۱۹۸، باب الطلاق قبل النکاح، حدیث نمبر: ۲۳۵۰۔

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ نکاح سے قبل طلاق نہیں ہے، آزاد کرنے کا اختیار مالک ہونے کے بعد ہی ہے، صوم وصال درست نہیں ہے، بالغ ہونے کے بعد یتیمی کا اطلاق نہیں ہوتا ہے دودھ چھوڑنے کے بعد رشتہ رضاعت نہیں ہے دن کی خاموشی رات تک درست نہیں ہے۔ (شرح السنہ)

تشریح: لا طلاق قبل النکاح: طلاق قبل النکاح معتبر نہیں ہے، نکاح سے قبل طلاق دینے کی دو صورتیں ہیں۔ (۱) تنجیزاً، (۲) تعلیقاً تنجیزاً کا مطلب یہ ہے کہ کسی اجنبیہ سے کوئی شخص کہے کہ "انت طالق" یہ صورت بالاتفاق باطل ہے، اس سے طلاق کے عدم وقوع پر سب لوگ متفق ہیں، "تعلیقاً" کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص کسی عورت سے کہے کہ "ان نکحتك فانت طالق" یعنی طلاق کو معلق کیا ہے نکاح پر کہ اگر میں تم سے نکاح کروں تم کو طلاق ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ تعلیق معتبر ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ بھی لغو ہے، چوں کہ تعلیق والی شکل میں طلاق قبل النکاح کی شکل نہیں ہے، لہٰذا امام صاحب اس کو حدیث کا مصداق قرار نہیں دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ حدیث کا مصداق صرف پہلی صورت ہی ہے۔

"**ولا عتاق الا بعد ملک**" جس غلام کا آدمی مالک نہیں ہے، اس کو وہ آزاد نہیں کرسکتا ہے، اس کو آزاد کرنے کا اختیار مالک ہونے کے بعد ہی ہے، اس صورت میں بھی امام صاحب کے نزدیک

تعلیق معتبر ہے، لہٰذا اگر کسی شخص نے کہا کہ "ان ملکت العبد فهو حر" اگر میں غلام کا مالک بنا تو آزاد ہے، چنانچہ جب غلام کا مالک بنے گا تو وہ آزاد ہوگا۔

ولا وصال فی صیام" صوم وصال حنفیہ کے نزدیک مکروہ تنزیہی ہے، وصال یہ ہے کہ دو دن یا اس سے زائد روزہ کا تسلسل رات میں بغیر افطار کئے ہو، آنحضرت ﷺ نے صوم وصال سے صراحتاً منع فرمایا ہے، بخاری شریف میں روایت ہے، "نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الوصال"۔ [رسول اللہ ﷺ نے صوم وصال سے منع فرمایا ہے]

ولا یتم بعد احتلام: اصطلاح شرع میں اس بچہ کو یتیم کہا جاتا ہے، جس کا باپ مرگیا ہو، بالغ ہونے کے بعد شرعی اصطلاح میں یتیم نہیں رہتا، یعنی بلوغت کے بعد یتیموں کے مخصوص احکام نافذ نہ ہوں گے۔

ولا رضاع بعد فطام: حرمت رضاعت مدت میں دودھ پلانے سے ثابت ہوتی ہے، مدت رضاعت گذرنے کے بعد دودھ پلانے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی، ترمذی میں آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے، "لا يحرم من الرضاعة الا ما فتق الأمعاء في الثدي وكان قبل الفطام" حرمت رضاعت اس دودھ سے ثابت ہوتی ہے، جو بچہ کے لئے باقاعدہ غذا ہو، اس کی موجودگی میں کسی دوسری غذا کی ضرورت نہ ہو، جمہور کے نزدیک مدت رضاعت دو سال ہے، یہی صاحبین کا بھی مسلک ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مدت رضاعت ڈھائی سال ہے۔

ولا صمت یوم الی اللیل: سابقہ شریعتوں میں خاموش رہنا بھی عبادت کی ایک نوع تھی، ہماری شریعت میں نہ اس کی کوئی فضیلت ہے اور نہ اس کا کوئی اعتبار ہے البتہ لا یعنی گفتگو سے پرہیز کرنا ضروری امر ہے۔ (مرقاۃ: ۶/۳۸۸، التعلیق: ۴/۶۶)

مالک ہونے سے پہلے نہ نذر ہے نہ طلاق وعتاق

{۳۱۴۲} **وَعَنْ** عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا نَذْرَ لِابْنِ آدَمَ فِيْمَا لَا يَمْلِكُ وَلَا عِتْقَ فِيْمَا لَا يَمْلِكُ

وَلاَ طَلَاقَ فِيْمَا لَا يَمْلِكُ۔ (روه الترمذی) وَزَادَ اَبُوْدَاؤدَ وَلاَ بَيْعَ اِلاَّ فِيْمَا يَمْلِكُ۔

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۱/۲۹۸، باب فی الطلاق قبل النکاح، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۲۱۹۰، ترمذی شریف: ۱/۲۲۳ باب ماجاء لا طلاق قبل النکاح، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۱۱۸۱۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ آدمی کا اس چیز کی نذر ماننا جس کا وہ مالک نہیں ہے درست نہیں ہے۔ اور جس کا وہ مالک نہیں ہے اس کو آزاد کرنا بھی معتبر نہیں ہے، اور جس عورت کا وہ مالک نہیں اس کو طلاق دینے کا بھی حق نہیں رکھتا ہے، (ترمذی) ابوداؤد نے مزید نقل کیا ہے کہ جس چیز کا مالک نہیں ہے اس کو فروخت کرنے کا بھی مالک نہیں ہے۔

تشریح: اس حدیث کا صرف جزاول اس باب سے متعلق ہے، یعنی طلاق قبل النکاح، الا فیما یملک میں ملک سے ملک متعہ مراد ہے جو نکاح کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے پس مطلب یہی ہوا کہ طلاق قبل النکاح معتبر نہیں ہے، مسئلہ اختلافی ہے، شافعیہ، حنابلہ یہی کہتے ہیں، حنفیہ کہتے ہیں کہ طلاق قبل النکاح کی دو صورتیں ہیں (۱) اجنبیہ سے کہی انت طالق، (۲) کسی عورت سے کہے "ان نکحتك فانت طالق" [اگر میں تجھ سے نکاح کروں تو تجھ کو طلاق] یعنی نکاح تو اگر چہ ابھی تک نہیں ہوا لیکن طلاق کو معلق کر دیا اضافۃ النکاح کے ساتھ، اول صورت ہمارے نزدیک بھی باطل ہے اور حنفیہ حدیث کو اسی پر محمول کرتے ہیں دوسری تعبیر اس کی اس طرح بھی کی جاتی ہے کہ تطلیق کی دو صورتیں ہیں "تنجیزاً" اور "تعلیقاً"، حدیث میں نفی اول کی ہے کہ فی الواقع طلاق قبل النکاح وہی ہے نہ کہ ثانی کی اس لئے کہ اس میں طلاق قبل النکاح کہاں ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی رائے بھی یہی ہے لیکن ہمارے اور ان کے مسلک میں فرق ہے وہ کہتے ہیں اضافۃ النکاح کی صورت میں طلاق واقع ہونے کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ اس میں عموم نہ ہو بلکہ کسی قسم کی تخصیص ہو، مثلاً کسی عورت کو خطاب کر کے کہے "ان نکحتك فانت طالق" اگر میں تجھ سے نکاح کروں تو تجھ کو طلاق۔ یا کسی شہر یا قبیلہ کا نام لیکر کہے فلاں شہر یا قبیلہ کی عورت سے نکاح کروں تو اس کو طلاق ہے یا زمان کے لحاظ سے تخصیص کرے "ان نکحت الیوم فھی طالق" اگر میں آج نکاح کروں تو

اس کو طلاق۔اور اگر عموم ہو جیسے ''ایما امرأۃ نکحتھا فھی طالق'' جس عورت سے میں نکاح کروں اس کو طلاق۔ یہ باطل ہے اس لئے کہ اس صورت میں اس نے اپنے لئے نکاح کا بالکل سد باب کرلیا ہے، جو منشاء شارع کے خلاف ہے، حنفیہ کے یہاں یہ تخصیص کی قید نہیں ہے تعمیم اور تخصیص دونوں صورتوں میں اس کا یہ کلام معتبر ہے، بذل المجہود میں لکھا ہے و مذھبنا مروی عن عمر و ابن مسعود و ابن عمر۔ ہمارا مذہب حضرت عمر، حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔

امام اعظم اور امام مالک کی پہلی دلیل موطا مالک صفحہ نمبر: ۲۰۳/ ''ظھار الحر کتاب الطلاق'' کی روایت ہے قاسم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا: ایک شخص نے کسی عورت کی طلاق کو اس سے نکاح پر معلق کیا تو کیا حکم ہے؟

انہوں نے فرمایا: ایک شخص نے ایک عورت سے ظہار کو اس سے نکاح پر معلق کیا تھا پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو حکم دیا کہ اگر وہ اس سے نکاح کرے تو پہلے ظہار کا کفارہ دے پھر صحبت کرے، پس جب ظہار کی تعلیق صحیح ہے تو طلاق کی بھی صحیح ہے۔

دوسری دلیل: امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی مشکل الآثار صفحہ نمبر: ۲۸۱/۱، میں یہ روایت ہے کہ ابن شہاب زہری سے کہا گیا: کیا آپ کو معلوم نہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نکاح سے پہلے طلاق نہیں، امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: کیوں نہیں! معلوم ہے مگر تم نے اس کا وہ مطلب لیا ہے، جو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد نہیں، صورت یہ تھی کہ ایک شخص پر اصرار کیا جاتا کہ فلاں عورت سے نکاح کر، وہ جان بچانے کے لئے کہتا: میں نے اسے طلاق دی! تو یہ کہنا لغو ہے، مگر جو کہے، ''ان تزوجت فھی طالق'' اگر میں نکاح کروں تو اسکو طلاق۔ تو وہ اس کو فی الحال طلاق نہیں دے رہا، بلکہ نکاح کے بعد دے رہا ہے، پس وہ معتبر ہے، غرض امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ مذکورہ بالا روایت عام نہیں ہے، اس سے صرف ''تنجیزاً'' مراد ہے۔

فائدہ: تعلیق کیلئے فی الفور مصداق چاہئے یا نہیں؟ یہ اصول فقہ کا معرکۃ الآرا مسئلہ ہے، حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہر کلام کیلئے فی الفور مصداق چاہئے، جس پر وہ تعلیق واقع ہو، اور چونکہ تعلیقات میں فی الحال کوئی مصداق نہیں ہوتا اس لئے تعلیقات لغو ہیں، کیونکہ کرسی کے

بغیر تعلیق کہاں بیٹھے گی؟ اور حضرت امام ابوحنیفہ (وامام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فی الحال مصداق ضروری نہیں، تعلیق اَدّھر (معلق) رہتی ہے، جب مصداق وجود میں آتا ہے تب وہ اترتی ہے، جیسے کمپیوٹر سے دوسرے کمپیوٹر کو پیغام بھیجا جائے اور کمپیوٹر بند ہو تو پیغام معلق رہتا ہے، جب کمپیوٹر کھلتا ہے تو فوراً پیغام اس میں داخل ہو جاتا ہے اسی طرح تعلیق بھی لٹکی رہتی ہے، جب مصداق پایا جاتا ہے تب اترتی ہے، اس سے پہلے اس کو کرسی کی ضرورت نہیں، اسی طرح موبائل سے پیغام بھیجنے کا معاملہ ہے، اگر سامنے والا موبائل بند ہے، تو پیغام منڈلاتا رہتا ہے، جب بھی وہ موبائل چالو کرے گا پیغام داخل ہو جائے گا، اسی طرح یہ تعلیق بھی منڈلاتی رہے گی جب محل پایا جائے گا اتر پڑے گی۔ (تحفۃ الالمعی: ۱۷/ ۴)

آگے حدیث میں عتق کا مسئلہ مذکور ہے، اس میں بھی حنفیہ اور شافعیہ کا یہی اختلاف ہے لیکن امام احمد رحمۃ اللہ علیہ عتق کے مسئلہ میں حنفیہ کے ساتھ ہیں اور طلاق کے مسئلہ میں شافعیہ کے ساتھ، پھر حدیث میں اس کے بعد بیع کا مسئلہ مذکور ہے کہ ملک غیر کی بیع جائز نہیں، جس کو بیع فضولی کہتے ہیں، حنفیہ ومالکیہ کے نزدیک نفی جواز کا تعلق بیع بات یعنی قطعی بیع سے ہے ورنہ بیع موقوفاً علی اجازۃ المالک صحیح ہے، مالکیہ کے نزدیک تو بیع اور شراء دونوں جائز ہیں اور حنفیہ کے نزدیک صرف بیع جائز ہے نہ کہ شراء اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے قول جدید میں بیع فضولی ناجائز ہے اور قول قدیم میں جائز ہے اور رجحۃ النووی، حاشیہ کوکب میں ہے ابن الہمام نے امام مالک واحمد دونوں کو حنفیہ کے ساتھ قرار دیا ہے، لیکن "نیل المأرب والروض المربع فی فقہ الحنابلہ" میں عدم جواز کی تصریح کی ہے، حنفیہ کی دلیل حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کے شراء اضحیہ کا قصہ ہے، اس کے بعد حدیث میں نذر کا مسئلہ ہے، اگر "نذر فیما لا یملك تنجیزاً" ہے تب تو بالاتفاق باطل ہے، اور اگر تعلیقاً ہے اضافۃ الملک کے ساتھ میں وہی مذاہب ہیں جو مسئلہ طلاق میں گذر گئے۔ (کذا فی الابواب والتراجم: ۱۹۷/ ۴، ۱۰۲، الدر المنضود: ۹۰/ ۴)

طلاق البتہ

{۳۱۴۳} **وَعَنْ** رُكَانَةَ بْنِ عَبْدِ يَزِيْدَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّهٗ طَلَّقَ امْرَأَتَهٗ سُهَيْمَةَ الْبَتَّةَ فَاُخْبِرَ بِذَالِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ وَاللهِ مَا

اَرَدْتُّ اِلاَّ وَاحِدَةً فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللهِ مَا اَرَدْتَّ اِلَّا وَاحِدَةً فَقَالَ رُكَانَةُ وَاللهِ مَا اَرَدْتُّ اِلاَّ وَاحِدَةً فَرَدَّهَا اِلَيْهِ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَطَلَّقَهَا الثَّانِيَةَ فِيْ زَمَانِ عُمَرَ وَالثَّالِثَةَ فِيْ زَمَانِ عُثْمَانَ۔ (رواہ ابوداؤد والترمذی وابن ماجه والدارمی) اِلَّا اَنَّهُمْ لَمْ يَذْكُرُوا الثَّانِيَةَ وَالثَّالِثَةَ۔

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۱/۳۰۰، باب فی البتۃ، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۲۲۰۶، ترمذی شریف: ۱/۲۲۲، باب ماجاء فی الرجل یطلق امرأته البتة، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۱۱۷۷، ابن ماجه شریف: ۱۴۸، باب طلاق البتة، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۲۰۵۱، دارمی: ۲/۲۱۶، باب فی الطلاق البتة، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۲۲۷۲۔

ترجمہ: حضرت رکانہ بن عبد یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی حضرت سہیمہ رضی اللہ عنہا کو طلاق "البتۃ" دی، پھر انہوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات بتائی اور عرض کیا کہ خدا کی قسم میرا ارادہ صرف ایک طلاق دینے کا تھا، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خدا کی قسم تم نے ایک ہی کا ارادہ کیا تھا؟ تو حضرت رکانہ رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ اللہ کی قسم میں نے صرف ایک ہی طلاق دینے کا ارادہ کیا تھا، یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بیوی کو ان کی طرف لوٹا دیا، پھر انہوں نے دوسری طلاق اپنی بیوی کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں دی، اور پھر تیسری طلاق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں دی۔ (ابوداود، ترمذی، ابن ماجہ) دارمی نے دوسری اور تیسری طلاق کا ذکر نہیں کیا ہے۔

تشریح: بَتَّ (ن،ض) بتا، کے معنی ہیں: کاٹنا، اسی سے البتۃ ہے۔ بت (مصدر) کے آخر میں ۃ وصفی بڑھائی ہے اور شروع میں ال تعریف کا بڑھایا ہے، یہ لفظ اردو میں بھی مستعمل ہے، مگر اردو میں اس کے معنی ہیں، بیشک، ضرور، بالیقین، اور عربی میں اس کے معنی ہیں: کاٹا ہوا یعنی ایسی طلاق جو بیوی کو شوہر سے کاٹ دے، جدا کر دے۔

مذاہب فقہای: اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے "انت البتۃ" تو اس کا کیا حکم ہے؟ امام

004

اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر طلاق کی نیت ہے یا حالت غضب یا مذاکرہ طلاق میں کہا ہے تو طلاق بائن واقع ہوگی، کیونکہ یہ کنائی لفظ ہے، پھر اگر ایک کی نیت ہے تو ایک اور اگر تین کی نیت کی ہے تو تین واقع ہوں گی، اور دو کی نیت ہے تو ایک ہی واقع ہوگی۔ اس لئے کہ کنائی الفاظ میں فرد حقیقی (ایک) یا فرد حکمی (تین) کی نیت کی جاسکتی ہے اور دو عدد محض ہے، اس لئے اس کی نیت صحیح نہیں ہے، البتہ اگر بیوی باندی ہو تو دو کی نیت صحیح ہے، کیونکہ دو اس کے حق میں فرد حکمی ہیں اور طلاق بائن میں رجوع نہیں ہوسکتا، نئے مہر کے ساتھ نیا نکاح کرنا ضروری ہے، اور تین کی نیت ہے تو حلالہ بھی ضروری ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک لفظ البتۃ سے رجعی طلاق واقع ہوتی ہے اور دو کی نیت بھی صحیح ہے یعنی اگر شوہر دو طلاق کی نیت کرے تو دو طلاق رجعی واقع ہوں گی، اور عدت کے اندر رجوع صحیح ہوگا، اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر یہ لفظ مدخول بہا سے کہا ہے تو تین طلاقیں واقع ہوں گی اگرچہ نیت نہ کی ہو۔

حدیث: حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ (جو عرب کے مشہور پہلوان تھے اور جن کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مکی دور میں کشتی ہوئی تھی) فرماتے ہیں: میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پاس آیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دی ہے، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: تمہاری کیا نیت تھی؟ میں نے عرض کیا: ایک طلاق کی نیت تھی، آپ نے فرمایا: واللہ! یعنی اللہ کی قسم کھاتے ہو؟ میں نے کہا واللہ! یعنی میں قسم کھاتا ہوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو تم نے نیت کی اسی کا اعتبار ہے، یعنی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ایک طلاق قرار دیا۔

یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے جو ابوداؤد، حدیث نمبر: ۲۱۹۶، اور مسند احمد، ۲۶۵/ ۱ر میں ہے اس میں یہ ہے کہ حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ نے تین طلاقیں دی تھیں اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو ایک قرار دیا تھا، غیر مقلدین اس حدیث کی وجہ سے کہتے ہیں کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک واقع ہوتی ہیں، مگر تمام محدثین نے ترمذی کی روایت کو اصل قرار دیا ہے، اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کو روایت بالمعنی قرار دیا ہے، یعنی حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ نے تین طلاقیں نہیں دی تھیں بلکہ ایسا لفظ استعمال کیا تھا جس میں تین طلاق کا احتمال تھا، اس لئے راوی نے روایت بالمعنی کرتے ہوئے "ان رکانۃ طلق

امراته الثلاث" کہہ دیا، چنانچہ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: "البتۃ" والی روایت اصح ہے، کیونکہ وہ حضرت رکانہ کے اہل خاندان سے مروی ہے اور گھر والے گھر میں پیش آنے والے معاملہ کو بہتر جانتے ہیں "ابوداؤد، باب نسخ المراجعۃ بعد التطلیقات الثلاث" حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے "التلخیص الحبیر" میں طلق ثلاثاً والی حدیث کو ذکر کرکے فرمایا: "ھو معلول ایضا" (٣١٩) یعنی اس میں پوشیدہ خرابی ہے۔ اور حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو داؤد ابن الحصین کے مناقب میں شمار کیا ہے اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں رہی وہ روایت جس کو مخالفین روایت کرتے ہیں کہ حضرت رکانہ نے تین طلاقیں دی تھیں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک قرار دیا تھا یہ روایت ضعیف ہے، مجہول راویوں سے مروی ہے اور حضرت رکانہ کی طلاق کے سلسلہ میں میں صحیح روایت وہی ہے جس کو ہم نے بیان کیا ہے کہ انہوں نے لفظ البتۃ سے طلاق دی تھی اور لفظ البتۃ ایک اور تین دونوں کا احتمال رکھتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس ضعیف روایت کے راوی نے یہ سمجھا ہو کہ لفظ البتۃ کا مقتضی تین طلاقیں ہیں، پس اس نے روایت بالمعنی کردی کہ حضرت رکانہ نے تین طلاقیں دی، اور راوی نے اس کو سمجھنے میں روایت بالمعنی کرنے میں غلطی کی۔ (نووی شرح المسلم: ٤٧٨/١)

علاوہ ازیں "طلق ثلاثا" والی روایات میں اضطراب ہے، کیونکہ مسند احمد کی روایت میں طلاق دینے والے کا نام رکانہ آیا ہے، اور ابوداؤد کی روایت میں ابورکانہ ہے جب کہ البتۃ والی روایت اس اضطراب سے خالی ہے اور اس میں صاحب واقعہ متعین طور پر حضرت رکانہ کو قرار دیا گیا ہے۔ غرض غیر مقلدین اپنے دعوی کے ثبوت میں جو حدیث پیش کرتے ہیں، کسی محدث نے اس کی تصحیح وتحسین نہیں کی، بلکہ اس کی تضعیف کی ہے اور اس کو حد درجہ کمزور قرار دیا ہے۔

غیر مقلدین کی دوسری دلیل: ابن عباس رضی اللہ عنہ ہی کی ایک موقوف حدیث ہے جو مسلم شریف: باب طلاق الثلاث: ٤٧٧/١، میں ہے: ابوالصہباء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا آپ کو معلوم نہیں کہ عہد نبوی میں اور عہد صدیق اور عہد فاروقی کی ابتداء میں تین طلاقیں ایک ہوتی تھیں؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں معلوم ہے، لیکن جب لوگوں نے بکثرت طلاق دینا شروع کردیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تینوں کو نافذ کردیا۔

004

اس روایت کے دو جواب دئے گئے ہیں:

پہلا جواب: یہ حدیث غیر مدخولہ کے بارے میں ہے عام نہیں ہے، چنانچہ ابوداؤد، حدیث نمبر:۲۱۹۹ر میں اس کی صراحت ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ شروع میں لوگ غیر مدخولہ کو الگ الگ لفظوں میں اس طرح طلاق دیتے تھے، "انت طالق، انت طالق، انت طالق" اور اس طرح طلاق دینے کی صورت میں غیر مدخولہ پہلی ہی طلاق سے بائنہ ہو کر نکاح سے نکل جاتی ہے، اور اس پر عدت لازم نہیں ہوتی، اس لئے دوسری اور تیسری طلاق لغو ہو جاتی ہے، کیونکہ بیوی طلاق کا محل ہی نہیں رہتی ہے، چنانچہ کہا گیا کہ عہد نبوی عہد صدیقی میں تین طلاقیں ایک شمار ہوتی تھیں، بعد میں لوگوں نے جلد بازی شروع کی اور غیر مدخول بہا کو بھی ایک ساتھ ایک لفظ میں تین طلاقیں دینے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس صورت میں تین طلاقیں ہی واقع ہوں گی، اور مسئلہ بھی یہی ہے، اگر غیر مدخولہ کو ایک لفظ میں تین طلاقیں دی جائیں تو تینوں واقع ہوں گی، اور مغلظہ ہو جائے گی۔

دوسرا جواب: حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی زمانہ میں عموماً لوگوں کی نیت "انت طالق، انت طالق، انت طالق" سے تاکید کی ہوتی تھی، تاسیس کی نیت نہیں ہوتی تھی، اور اس زمانہ میں لوگوں میں خوف آخرت اور خوف خدا کا غلبہ تھا، دنیاوی دروغ بیانی کا خطرہ نہیں تھا، اس بناء پر ان کی بات پر اعتماد کر کے ایک طلاق کا حکم دیا جاتا تھا، چنانچہ حدیث میں کہا گیا کہ اس زمانہ میں تین طلاقیں ایک شمار کی جاتی تھیں، مگر جیسے جیسے عہد نبوی سے بعد ہوتا گیا اور تقوی اور خوف آخرت کا معیار کم ہونے لگا اور پہلی جیسی سچائی، امانت داری اور دیانت داری باقی نہ رہی اور بیوی کی خاطر دروغ بیانی ہونے لگی تو قضاءً حکم بدل گیا، "مؤطا امام مالك: باب ماجاء فی الخلية والبرية الخ: ۲۰۰" میں واقعہ ہے کہ ایک عراقی اپنی بیوی کی خاطر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے جھوٹی قسم کھانے کے لئے تیار ہو گیا، مگر حرم شریف کی عظمت وتقدس کا لحاظ کر کے اس نے کذب بیانی سے احتراز کیا، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جب یہ حالت دیکھی اور یہ محسوس فرمایا کہ دیانت کا معیار روز بروز گھٹ رہا ہے اس لئے اگر لوگوں کے بیانات کو قضاءً قبول کرنیکا سلسلہ جاری رہا تو لوگ جھوٹ بول کر حرام کا ارتکاب کریں گے، پس آپ رضی اللہ عنہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا اور اعلان کیا کہ اب جو شخص تین مرتبہ طلاق کے

الفاظ بولے گا: ہم اسے تین ہی قرار دیں گے، تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس فیصلہ سے اتفاق کیا، کسی ایک نے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مخالفت نہیں کی، علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کسی ایک صحابی سے بھی یہ منقول نہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں تین طلاق کا فیصلہ کیا تو ان میں سے کسی ایک نے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اختلاف کیا ہو، اور اس قدر بات اجماع کے لئے کافی ہے، (حاشیہ: ابوداؤد: ۳۰۶، نووی شرح مسلم: ۴۷۸/ ۱) اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کے بعد بالا تفاق اسی کے مطابق فیصلے کرنے لگے، یہاں تک کہ خود ابن عباس رضی اللہ عنہ جن کی مذکورہ روایت پر غیر مقلدین کو ناز ہے، امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا یہ واقعہ اپنی سنن میں نقل کیا ہے، مجاہد فرماتے ہیں: میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس تھا کہ ایک شخص آیا اور عرض کیا کہ وہ اپنی بیوی کو یکبارگی تین طلاقیں دے کر آیا ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہ چپ رہے، یہاں تک کہ میں نے گمان کیا کہ آپ رجعت کا حکم دیں گے، پھر فرمایا کہ لوگ پہلے حماقت کے گھوڑے پر سوار ہوتے ہیں اور پھر کہتے ہیں: ابن عباس! ابن عباس!! بیشک خدا نے فرمایا: جو خدا سے ڈرتا ہے، اس کے لئے چھٹکارے کی راہ ہے اور تو نے خدا کا خوف نہیں کیا اس لئے تیرے واسطے کوئی مخلص (چھٹکارے کی راہ) نہیں، تو نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور تیری عورت تجھ سے جدا ہوگئی، اس واقعہ کو نقل کر کے امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جن حضرات نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے، وہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے تین طلاقوں کو نافذ فرمادیا۔ (ابوداؤد: حدیث نمبر: ۲۱۹۷)

غرض عہد رسالت اور عہد صدیقی میں نیت تاکید کو قضاءً بھی قبول کرلیا جاتا تھا، لیکن فساد زمانہ کی وجہ سے اس کو قضاءً قبول کرنے کا سلسلہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ختم فرمادیا، ہاں دیانۃً یہ نیت آج بھی معتبر ہے، درمختار میں اس کی صراحت ہے، غرض ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کا یہی مطلب ہے، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے خود تین طلاقوں کے نفاذ کا فتویٰ دیا ہے، اور یہ دوسرا جواب میرے نزدیک اصح ہے۔

ملحوظہ: لفظ البتۃ سے طلاق بائن پڑے گی یا رجعی؟ اسی طرح اس لفظ سے دو طلاقوں کی نیت ہوسکتی ہے یا نہیں؟ یہ دونوں مسئلے اجتہادی ہیں اور مختلف فیہ ہیں، حدیث میں منصوص (مصرح) نہیں

ہیں۔تحفۃ الالمعی:۵۸/۴)

طلاق میں سنجیدگی اور دل لگی دونوں برابر ہیں

{۳۱۴۴} **وَعَنْ** اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلاَثٌ جِدُّهُنَّ جِدٌّ وَهَزْلُهُنَّ جِدٌّ النِّكَاحُ وَالطَّلاَقُ وَالرَّجْعَةُ۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد) وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ۔

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/۲۹۸، باب فی الطلاق علی الھزل، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۲۱۹۴۔ ترمذی شریف: ۱/۲۲۵، باب ماجاء فی الجد والھزل، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۱۱۸۴۔

ترجمه: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ جن میں سنجیدگی تو سنجیدگی ہے ہی، ان میں مذاق بھی سنجیدگی ہے، (۱) نکاح، (۲) طلاق، (۳) رجعت۔ (ترمذی وابوداؤد) ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

تشریح: جِدُّهُنَّ جِدٌّ وَهَزْلُهُنَّ جِدٌّ: جد کے معنی ہیں سنجیدہ کلام یعنی لفظ بول کر اس کے وہی معنی مراد لئے جائیں جس کے لئے اس کو وضع کیا گیا ہو، یا وہ معنی مراد لئے جائیں جو "ماوضع له" کے مناسب ہوں اور "ہزل" کے معنی میں دل لگی یعنی لفظ بول کر وہ معنی مراد لینا جس کیلئے لفظ کی وضع نہ ہو اور نہ وہ معنی "ماوضع له" کے مناسب ہی ہوں۔ (مرقات: ۶/۲۸۷) محدث جلیل حضرت مفتی سعید احمد صاحب زید مجدہم فرماتے ہیں کہ وہ معاملات جن میں اقالہ نہیں ہوسکتا یعنی جو ہونے کے بعد ختم نہیں ہوسکتے، فقہاء کی اصطلاح میں وہ یمین کہلاتے ہیں، اور جن معاملات میں اقالہ ہوسکتا ہے فقہا کی اصطلاح میں وہ "بیوع" کہلاتے ہیں، جو امور ایمان کے قبیل سے ہیں ان میں سنجیدگی اور دل لگی یکساں ہیں، سنجیدگی تو سنجیدگی ہے ہی دل لگی کے طور پر کہی ہوئی بات بھی سنجیدگی ہے، اور جو امور از قبیل بیوع ہیں ان میں سنجیدگی سنجیدگی ہے اور دل لگی دل لگی ہے اس حدیث میں پہلی قسم کے معاملات کی تین مثالیں دی ہیں۔ (تحفۃ الالمعی: ۴/۷۷)

004

صاحب مرقات نے قاضی کا قول نقل کیا ہے کہ اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر کسی عاقل و بالغ شخص نے مذاق میں طلاق دی، تو وہ واقع ہو جاتی ہے، اگر وہ بعد میں کہتا ہے کہ میں نے مذاق میں طلاق دی تھی، تو اس کا قول اس کے لئے باعث نفع نہ ہوگا، اگر اس کی بات تسلیم کر کے طلاق کے وقوع کا فیصلہ نہ کیا جائے، تو بہت سے احکام تو تفریح طبع کا ذریعہ بن جائیں گے اور جو حکم طلاق کا ہے وہی نکاح اور رجعت کا ہے۔ (مرقات: ۶/۲۸۷)

اکراہ سے ثابت ہونے والی چیزیں

اکراہ سے ثابت ہونے والی گیارہ اشیاء ہیں (۱) نکاح (۲) طلاق (۳) رجعت (۴) ایلاء (۵) ظہار (۶) عتاق (۷) غیر عفو قصاص (۸) قسم (۹) نذر (۱۰) ایلاء سے رجوع (۱۱) اسلام۔

طلاق مکرہ کا بیان

{۳۱۴۵} **وَعَنْ** عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَا طَلَاقَ وَلاَ عِتَاقَ فِی اِغْلَاقٍ۔ (رواہ ابوداؤد وابن ماجہ) وَقَالَ ابْنُ مَاجَۃَ قِیْلَ مَعْنٰی الْاِغْلَاقِ اَلاِکْرَاہُ۔

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۱/۱۸۹، باب فی الطلاق علی غیظ، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۲۱۹۳، ابن ماجہ شریف: ۱۴۷، باب طلاق المکرہ، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۲۰۴۶۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جبری طور پر نہ طلاق ہوتی ہے اور نہ آزادی۔ (ابو داؤد، ابن ماجہ) ''اغلاق'' کے معنیٰ مجبور کرنا نقل ہوئے ہیں۔

اغلاق کے معنی اور حاصل حدیث

اس حدیث میں اغلاق میں طلاق اور عتاق کی نفی کی گئی ہے، شارحین نے اغلاق کے مختلف معانی بیان کئے ہیں، ان میں سے بعض معانی کی بناء پر یہ حدیث فقہاء کے درمیان بعض اختلافی مسائل سے متعلق بھی ہوگئی پہلے معانی بیان کئے جاتے ہیں، پھر اختلافی مسائل کا ذکر کیا جائے گا۔

(۱)......اغلاق کے معنی اکراہ ہے، اس صورت میں حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حالت اکراہ میں طلاق اور عتاق واقع نہیں ہوتے ہیں۔(عمدۃ القاری:۲۰/۲۵۰)

مکرہ کی طلاق اور اس کے عتاق کا حکم عنقریب ہم ذکر کریں گے۔

(۲)...... بعض حضرات نے "اغلاق" کی تفسیر غضب سے کی ہے، جیسا کہ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو نقل فرما کر ارشاد فرماتے ہیں: "الاغلاق اظنه فی الغضب" (اوجز المسالک ناقلا عن الموفق:۴/۴۲۹) اس صورت میں حدیث کا مطلب ہے کہ غصہ کی حالت میں طلاق واقع نہیں ہوتی، اور غصہ سے مراد ایسا غصہ ہے جس میں ہوش وحواس اور عقل ٹھکانے نہ رہے، جس کی تفصیل علامہ شامی وغیرہ نے اپنے مقام پر بڑے بسط سے فرمائی ہے، ایسے غصہ کی حالت میں واقعی طلاق واقع نہیں ہوتی، رہا معمولی غصہ تو وہ وقوع طلاق سے مانع نہیں، ایسا غصہ تو ہر طلاق کے وقت عموماً ہوتا ہی ہے ظاہر ہے کہ ہنستا کھیلتا کون اپنے گھر کو اجاڑتا ہے۔

(۳)......بعض حضرات نے اغلاق کے معنی جنون سے کیا ہے، مطلب یہ ہے کہ مجنون کی طلاق اور اس کا عتاق شرعاً معتبر نہیں۔

طلاق مکرہ کا حکم

اغلاق کا ایک معنی اکراہ بھی ہے، اس صورت میں حدیث کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ مکرہ کی طلاق واقع نہیں ہوتی، مکرہ کی طلاق واقع ہونے یا نہ ہونے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور بہت سے صحابہ وتابعین رحمہم اللہ علیہم کا مسلک یہ ہے کہ مکرہ کی طلاق واقع

ہوجاتی ہے، امام مالک اور امام شافعی کا مسلک یہ ہے۔ کہ مکرہ کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ امام احمد کا بھی یہی مسلک ہے۔ (عمدۃ القاری: ۲۵۰ / ۲۰، اوجز المسالک ناقلاعن الموفق: ۴۲۹ / ۴)

حاصل یہ کہ حنفیہ کے یہاں مکرہ کی طلاق واقع ہوجاتی ہے اور ائمہ ثلاثہ کے یہاں واقع نہیں ہوتی۔

دلائل احناف

(۱)......صفوان الطائی کی حدیث جس میں وہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے نقل کرتے ہیں کہ کسی عورت نے اپنے خاوند سے جبرا طلاق لے لی، اس خاوند نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: "لا قیلولۃ فی الطلاق، طلاق میں قیلولہ (اقالہ) نہیں۔ (نصب الرایۃ: ۲۲۲/۳)
بعض حضرات نے اس حدیث کی سند پر کچھ کلام کیا ہے اس کا جواب اعلاء السنن ۱۸۳ / ۱۱ر میں دیا گیا ہے۔

(۲)...... حدیث مرفوع "عن ابی ہریرۃ کل الطلاق جائز الا طلاق المعتوہ المغلوب علی عقلہ، معتوہ (مغلوب العقل) کے علاوہ ہر طلاق جائز ہے۔ (جامع الترمذی: ۲۲۶/۱) اس حدیث سے جہاں معتوہ کی طلاق کا عدم وقوع سمجھ میں آیا ہے وہاں یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ معتوہ کے علاوہ ہر بالغ کی طلاق واقع ہوجاتی ہے جس میں مکرہ بھی شامل ہے۔
اسی مضمون کی ایک موقوف حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ (بخاری شریف: ۷۹۳/ ۲)

(۳)......حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سابق "ثلاث جدھن جد و ھزلھن جد الخ" اس میں ہازل کی طلاق ہونے کا ذکر ہے، ہازل اپنے اختیار سے طلاق کا کلمہ بولتا ہے، مگر وہ وقوع طلاق سے راضی نہیں ہوتا اس کے باوجود طلاق واقع ہوجاتی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اپنے اختیار سے طلاق کا تکلم کیا جائے تو طلاق واقع ہوجاتی ہے، گو متکلم وقوع طلاق سے راضی نہ ہو، اور مکرہ میں بھی یہی صورت حال ہے، ظاہر ہے کہ اکراہ سے اختیار تو سلب نہیں ہوتا، زیادہ سے زیادہ رضا مفقود ہوتی ہے، لہٰذا ہازل کی طرح یہاں بھی طلاق واقع ہونی چاہئے۔

(۴)......صحیح مسلم و شرح معانی الآثار للطحاوی وغیرہ میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی مفصل حدیث مروی

ہے کہ ان سے کفار نے جبراً جہاد میں شرکت نہ کرنے پر حلف لے لیا تھا۔ آنحضرت ﷺ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے اس حلف کو معتبر قرار دیا اور ان کو جہاد میں شرکت سے منع فرمایا۔

(نیل الاوطار:۲۳۶/۷)

یہ حدیث نقل کر کے امام طحاوی فرماتے ہیں "قالوا: فلما منعهما رسول الله صلی الله وسلم من حضور بدر لاستحلاف المشركين القاهرين لهما على ما استحلفوهما عليه ثبت بذالك ان الحلف على الطواعية والإكراه سواء كذالك الطلاق والعتاق" (شرح معانی الآثار:۲:۴۹)

(۵)...... بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہ اللہ کا مسلک بھی یہی ہے کہ طلاق مکرہ واقع ہو جاتی ہے، مثلاً حضرت عمر، ابن عمر، عمر بن عبد العزیز شعبی، ابوقلابہ، سعید بن المسیب، شریح، زہری، قتادہ، سعید بن جبیر نخعی وغیرہ۔ (عمدۃ القاری:۲۵۰/۲۰)

دلائل ائمہ ثلاثہ

(۱)......حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زیر بحث حدیث میں اغلاق کا معنی اکراہ لیا جائے، تو یہ حدیث ائمہ ثلاثہ کی دلیل بن جائیگی، اس صورت میں حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اکراہ کی حالت میں طلاق اور عتاق معتبر نہیں۔

(۲)...... مشہور حدیث ہے، "رفع عن امتي الخطأ والنسيان وما استكرهوا عليه، نصب الرايه:۲۲۳/۳" حدیث کا مطلب یہ ہے کہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام سے خطا، نسیان اور وہ کام جو ان سے جبراً کروائے جائیں معاف ہیں، ائمہ ثلاثہ اسی حدیث کو اپنے عموم پر رکھتے ہوئے طلاق کو بھی اس میں شامل فرماتے ہیں۔

(۳)......مؤطا امام مالک میں ثابت الاحنف کا واقعہ مروی ہے کہ عبد اللہ بن عبد الرحمن نے ان کو طلاق دینے پر مجبور کیا تو انہوں نے طلاق دے دی، اس پر عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "ليس هٰذا بطلاق ارجع الى اهلك" اور حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے بھی یہی ارشاد فرمایا۔

(مؤطا امام مالک:۵۲۸، باب جامع الطلاق)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا مسلک یہی تھا کہ مکرہ کی طلاق واقع نہیں ہوتی ہے، اسی طرح کا ایک اثر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی نقل کیا گیا ہے۔

(نصب الرایۃ ۲۲۴/۳)

جوابات

حدیث اغلاق کا جواب:

(۱)...... دوسری احادیث سے اتنی بات تو ثابت ہو چکی ہے کہ مکرہ کی طلاق واقع ہو جاتی ہے، اس حدیث کو اگر اسی پر محمول کیا جائے جس پر ائمہ ثلاثہ نے محمول کیا ہے تو احادیث میں تعارض ہو جائے گا، لہٰذا تطبیق کے لئے اس حدیث کا ایسا مطلب بیان کرنا چاہئے جس سے تعارض ختم ہو جائے، وہ مطلب یہ ہے کہ اغلاق سے مراد یہاں اغلاق الفم ہے کسی شخص کا منہ جبراً اس طرح بند کر دیا جائے کہ وہ طلاق اور عتاق کے الفاظ کے ایسے تکلم پر قادر نہ رہے جیسا تکلم طلاق اور عتاق کا حکم واقع ہونے کے لئے ضروری ہے۔ اس اکراہ کی صورت میں طلاق کا عدم وقوع متفق علیہ ہے۔

(۲)...... اغلاق کا معنی اکراہ متعین نہیں، بلکہ اس کے معنی میں اور احتمالات بھی ہیں، جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں اور معانی کا احتمال ہوتے ہوئے یہ حدیث قابل استدلال نہیں: "اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال"

دوسری دلیل کا جواب:

(۱)...... رفع سے مراد رفع حکم الآخرۃ ہے نہ کہ رفع حکم الدنیا مطلب یہ کہ خطاء، نسیان، یا اکراہ، کی صورت میں جو کام کیا جائے وہ آخرت کے احکام میں مرفوع اور معاف ہے، یعنی اگر وہ گناہ کا کام ہو تو ان صورتوں میں گناہ نہیں ہوگا، رہا حکم دنیا سو وہ بہر حال مرتب ہوگا۔ اور وقوع طلاق احکام دنیا سے ہے قتل خطاء میں گو گناہ نہیں ہوتا مگر دیت بالاتفاق واجب ہوتی ہے، اگر "رفع" کو احکام دنیا پر محمول کیا جائے تو یہ حدیث قتل خطا میں وجوب دیت کے بھی منافی ہوگی۔

(۲)...... یہ حدیث "اکراہ علی الکفر" پر محمول ہے، اگر جبراً کسی سے کلمات کہلوا دیئے گئے تو

اس سے وہ کافر نہیں ہوتا۔

تیسری دلیل کا جواب:

ان آثار اور اس طرح کے بعض دوسرے آثار کا جواب یہ ہے کہ مرفوع احادیث کے ہوتے ہوئے یہ آثار مضر نہیں، جبکہ بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک بھی وقوع طلاق کا ہے۔

(اشرف التوضیح: ۲/۴۸۳)

طلاق معتوہ

{۳۱۴۶} **وَعَنْ** اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ طَلَاقٍ جَائِزٌ اِلاَّ طَلَاقَ الْمَعْتُوْهِ وَالْمَغْلُوْبِ عَلٰی عَقْلِهٖ۔ (رواه الترمذی) وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ وَعَطَاءُ بْنُ عَجْلَانَ الرَّاوِیْ ضَعِیْفٌ ذَاهِبُ الْحَدِیْثِ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۲۲۶، باب ماجاء فی طلاق المعتوہ، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۱۱۹۱۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہر طلاق جائز ہے سوائے دیوانے اور مغلوب العقل کی طلاق کے۔ (ترمذی) ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے اور عطاء بن عجلان ضعیف راوی ہیں، یہ حدیث کو بھول جانے والے ہیں۔

تشریح: معتوہ: کے لغوی معنی ہیں: آفت زدہ، کم عقل، مگر مراد مکمل پاگل ہے، اگر پاگل اپنی بیوی کو طلاق دے تو وہ لغو ہے، کیونکہ وقوع طلاق ایک حکم شرعی ہے اور تکلیف کا مدار عقل پر ہے جو پاگل میں مفقود ہے، اسلئے اس کی طلاق واقع نہیں ہوتی، نیز پاگل کی طرف سے ولی یا وکیل بھی طلاق نہیں دے سکتا ہے، پس اگر کسی عورت کا شوہر پاگل ہو، اور وہ اس سے چھٹکارا چاہتی ہو تو اس کو قاضی، امارت شرعیہ یا شرعی پنچایت میں جانا چاہئے، وہ اس مسئلہ کا حل کریں گے۔

مسئلہ: اگر کوئی پاگل ایسا ہو جو کبھی ٹھیک ہوتا ہو، جیسے گرمیوں میں پاگل ہوگیا اور سردیوں میں

004

ٹھیک ہوگیا، وہ اگرافاقہ کی حالت میں طلاق دے تو طلاق واقع ہوگی۔(تحفۃ الالمعی:۸۵/۴، عمدۃ القاری:۲۵۱/۲۰)

والمغلوب علی عقلہ: میں دو احتمال ہیں، ایک یہ کہ اس کو عطف تفسیر پر محمول کیا جائے اس صورت میں یہ معتوہ ہی کی تفسیر ہوگی۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس کو عطف مغایرت قرار دیا جائے۔ اور اس سے مراد "سکران" لیا جائے، اس دوسرے احتمال کی بنا پر یہاں سکران کی طلاق کا حکم بیان کرنا ضروری ہے۔

طلاق السکران کا حکم

جس شخص کے حواس کسی حرام نشہ آور چیز کے استعمال سے زائل ہوگئے ہوں وہ اس حالت میں طلاق دے دے تو طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ کا مسلک یہ ہے کہ سکران کی طلاق واقع ہوجاتی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال مختلف ہیں، ایک قول کے مطابق واقع ہوتی ہے اور ایک قول کے مطابق نہیں۔(عمدۃ القاری:۲۵۱/۲۰)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے تین روایات ہیں: (۱) وقوع طلاق (۳) عدم وقوع طلاق (۴) توقف۔

(المغنی لابن قدامۃ:۱۱۵/۷)

جو حضرات سکران کی طلاق واقع نہ ہونے کے قائل ہیں، انہوں نے زیر بحث حدیث میں "والمغلوب علی عقلہ" کو عطف مغایرت پر محمول کرکے اس کی تفسیر "سکران" سے کی ہے اور اس سے عدم وقوع طلاق پر استدلال کیا ہے، لیکن دوسرے احتمال کے ہوتے ہوئے یہ استدلال صحیح نہیں۔ جبکہ دوسرا احتمال قوی بھی ہے، کیونکہ اس حدیث کی بعض روایات بغیر واؤ کے بھی وارد ہوئی ہیں، بغیر واؤ کی روایات اس بات کی تائید کرتی ہیں کہ یہاں عطف تفسیری ہے۔(اشرف التوضیح:۴۸۶/۲)

مرفوع القلم کون لوگ؟

{۳۱۴۷} وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلاثَةٍ عَنِ النَّائِمِ حَتّٰی یَسْتَیْقِظَ وَعَنِ الصَّبِیِّ حَتّٰی یَبْلُغَ وَعَنِ الْمَعْتُوْهِ حَتّٰی یَعْقِلَ۔ (رواه الترمذی وابوداؤد والدارمی) رَوَاهُ الدَّارِمِیُّ عَنْ عَائِشَةَ وَابْنُ مَاجه عَنْهُمَا۔

حواله: ابوداؤد شریف: ۲/۶۰۴، باب فی المجنون یسرق، کتاب الحدود، ترمذی شریف: ۱/۲۶۳، باب ماجاء فیمن لایجب علیه الحد، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۱۴۲۳۔

ترجمه: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ تین طرح کے لوگوں سے قلم اٹھالیا گیا ہے، (۱) سونے والے سے یہاں تک کہ وہ بیدار ہوجائے، (۲) بچہ سے یہاں تک کہ وہ بالغ ہوجائے، (۳) فاتر العقل سے یہاں تک کہ وہ عقل والا ہوجائے۔ (ترمذی، ابوداؤد۔ دارمی اور ابن ماجہ) نے اس روایت کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے۔

تشریح: رفع القلم: حدیث میں مذکورتینوں لوگ غیر مکلف ہیں، لہٰذا اگر یہ کسی جرم کا ارتکاب کریں گے، تو ان پر حد جاری نہیں ہوگی، البتہ اگر بچہ باشعور ہے اور وہ کوئی جرم کرے تو حد تو واجب نہ ہوگی لیکن قاضی مناسب سزا دے گا، اور اگر ان تین میں سے کسی کے ذریعہ سے کسی انسان کا کوئی مالی نقصان ہوا ہے، تو اس کی تلافی کی جائے گی اور ان کے مال میں ضمان واجب ہوگا۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر وہ بچہ ممیز ہے تو طلاق واقع ہوگی ورنہ طلاق صبی معتبر نہیں، جمہور کے نزدیک مطلق طلاق صبی غیر معتبر ہے۔

باندی کی طلاق وعدت

{۳۱۴۸} وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ طَلَاقُ الْاَمَةِ تَطْلِیْقَتَانِ وَعِدَّتُهَا حَیْضَتَانِ۔ (رواه الترمذی وابوداؤد وابن ماجه والدارمی)

حواله: ابوداؤد شریف: ۱/۲۹۸، باب فی سنة طلاق العبد، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۲۱۸۹،

ترمذی شریف: ۱/۲۲۴، باب ماجاء فی ان طلاق الامة تطلیقتان، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۱۱۸۲، ابن ماجه: ۱۵۱، باب فی طلاق الامة کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۲۰۸۰، دارمی: ۲/۲۲۴، باب فی طلاق الامة، کتاب الطلاق حدیث نمبر: ۲۲۹۴۔

ترجمه: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: باندی کی طلاق دو ہیں اور اس کی عدت دو حیض ہے، (ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ، دارمی)

تشریح: یہ حدیث دو مسئلوں میں حنفیہ کی دلیل ہے، اس لئے یہاں ان دو مسئلوں کا اور ان پر اس حدیث سے استدلال کا بیان مناسب ہے۔

پہلا مسئلہ

اتنی بات پر تو ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ حر اور رقیق کی طلاق میں فرق ہے، حر کی طلاقیں تین ہیں اور رقیق کی دو طلاقیں ہیں۔ اختلاف اس بات میں ہے طلاق دو یا تین ہونے میں بیوی کی حالت کا اعتبار ہے یا خاوند کی حالت کا، حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ طلاقوں کی تعداد کا دارومدار بیوی کی حالت پر ہے، اگر بیوی "حرہ" ہے تو اس پر تین طلاقوں کا حق ہوگا، زوج خواہ حر ہو یا رقیق اور اگر بیوی "امة" ہے تو اس پر دو طلاقوں کا اختیار ہوگا، زوج خواہ حر ہو یا رقیق۔

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک زوج کی حالت کا اعتبار ہے، اگر زوج حر ہے تو تین طلاقوں کا اختیار ہوگا خواہ زوجہ حرہ ہو یا امہ اور اگر زوج رقیق ہو تو اسکو دو طلاقوں کا اختیار ہوگا، زوجہ خواہ حرہ ہو یا امہ۔

حنفیہ کا استدلال

زیر بحث حدیث کا پہلا جملہ "طلاق الامة ثنتان" باندی کی طلاق دو ہیں۔ حنفیہ کی دلیل ہے، اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "امة" کی حالت کا اعتبار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ "امة" کی دو طلاقیں ہیں، اس حدیث کی سند وغیرہ پر کلام بھی کیا گیا ہے اور ان کے جوابات بھی دئے گئے ہیں، جس کی تفصیل مبسوطات میں دیکھیں۔

دوسرا مسئلہ

اتنی بات پر تو ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ مطلقہ کی عدت تین قروء ہے لیکن قروء کے مصداق میں اختلاف ہوا ہے کہ اس کا مصداق حیض ہے یا طہر؟

حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ قروء کا مصداق حیض ہے، لہٰذا مطلقہ کی عدت تین حیض ہے، امام مالک و امام شافعی کے نزدیک قروء کا مصداق طہر ہے، اس لئے ان کے نزدیک مطلقہ کی عدت تین طہر ہے امام احمد کی اس مسئلہ میں دونوں روایتیں ہیں۔

حنفیہ کا استدلال

زیر بحث حدیث کا دوسرا جملہ "وعدتها حيضتان" اس کی عدت دو حیض ہیں۔ اس مسئلہ میں حنفیہ کی دلیل ہے، اس میں آنحضرت ﷺ نے عدت حیض سے بیان فرمائی ہے۔

شافعیہ کا استدلال

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا اثر ہے "الطلاق بالرجال والعدة بالنساء" طلاق کا اختیار مردوں کو ہے اور عدت کا تعلق عورتوں سے ہے۔

جواب: اولاً یہ روایت موقوف ہے ثانیاً اسکا مطلب یہ ہے کہ طلاق کا اختیار اور ایقاع مرد سے ہوگا زیر بحث مسئلہ سے روایت کا تعلق نہیں ہے، اور یہ ایام جاہلیت کے رواج کو باطل کرنے کے لئے فرمایا اس وقت رواج یہ تھا کہ جب کسی عورت کو زوج پسند نہ لگتا تھا تو اسکو چھوڑ کر دوسری جگہ چلی جاتی اور اسی کو طلاق سمجھا جاتا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ مطلب نہیں کہ طلاق میں اعتبار مرد کا ہوگا۔ (درس مشکوۃ:۳۷/۳، اشرف التوضیح:۴۸۷/۲، مرقاۃ:۳۵۹/۶)

{الفصل الثالث}

خلع چاہنے پر وعید

{۳۱۴۹} **عَنْ** اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْمُنْتَزِعَاتُ الْمُخْتَلِعَاتُ هُنَّ الْمُنَافِقَاتُ۔ (رواه النسائی)

حواله: نسائی شریف: ۲/ ۹۰، باب ما جاء فی الخلع، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۳۴۶۱۔

ترجمه: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ اپنی ذات کو نکاح سے نکالنے والیاں اور خلع کرنے والیاں منافق عورتیں ہیں۔(نسائی)

تشریح: بلاسبب خلع چاہنا اور نکاح کو ختم کرنا سخت مذموم عمل ہے، اور یہ منافقانہ خصلت ہے، کیوں کہ نکاح کیا تو اس بات کو ظاہر کیا کہ ہمیشہ رشتۂ ازدواج سے وابستہ رہیں گے، جب کہ بلاسبب خلع کا مطالبہ اس بات کی دلیل ہے، کہ دل میں فطور تھا کہ کچھ وقت مزا چکھنے کے بعد رشتہ ختم کرلیں گے، یہی دوغلہ پن نفاق ہے۔

اَلْمُنْتَزِعَاتُ: واپس لینے والیاں، مراد شوہر کی اطاعت سے نکلنے والی نافرمان عورتیں، اَلْمُخْتَلِعَاتُ: بلاسبب اور بلا شدید عذر کے شوہروں سے طلاق لینے والی عورتیں، ”هن المنافقات“ چوں کہ باطنی طور پر نافرمان اور ظاہری طور پر فرماں بردار ہیں۔ اس لئے بطور مبالغہ کے ان کو منافق کہا ہے۔(التعلیق:۴/۶۷، مرقاۃ:۶/۳۹۷)

عورت کے تمام مال کے عوض خلع کرنا

{۳۱۵۰} **وَعَنْ** نَافِعٍ عَنْ مَوْلَاةٍ لِصَفِيَّةَ بِنْتِ اَبِیْ عُبَيْدٍ اَنَّهَا اخْتَلَعَتْ مِنْ

زَوْجِهَا بِكُلِّ شَيْئٍ لَهَا فَلَمْ يُنْكِرْ ذَالِكَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ ۔ (رواہ مالك)

حوالہ: مؤطا امام مالک: ۲۰۵، باب ماجاء فی الخلع، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۳۲۔

ترجمہ: حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت صفیہ بنت ابوعبیدہ کی آزاد کی ہوئی باندی سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے اپنے خاوند سے اپنے پاس موجود تمام چیزوں کے عوض خلع لیا، اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر نکیر نہیں فرمائی۔ (مؤطا مالک)

تشریح: کس قدر مال لے کر خلع کرنا جائز ہے، اس میں اختلاف ہے، امام شافعی و مالک کے نزدیک مقدار مہر یا اس سے زائد لے کر بھی خلع کرنا جائز ہے۔ امام احمد و اسحاق کے نزدیک مقدار مہر سے جائز ہے اس سے زیادہ سے ہو تو جائز نہیں ہے، احناف کے نزدیک تفصیل ہے کہ اگر قصور مرد کا ہے تو عورت سے کچھ لینا جائز نہیں ہے، اور اگر قصور عورت کی طرف سے ہو تو جتنا مہر دیا ہے، اس سے زائد لینا جائز نہیں، امام شافعی و مالک دلیل پیش کرتے ہیں کہ قرآن کریم کی آیت سے "فلا جناح علیھما فیما افتدت بہ" تو یہاں ما عام ہے خواہ قدر مہر ہو یا اس زائد ہو، سب کو شامل ہے، تو معلوم ہوا کہ قدر مہر سے زائد لینا بھی جائز ہے، امام احمد و اسحاق دلیل پیش کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ "ان جمیلۃ اتت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال اتردین علیہ حدیقتہ قلت نعم وزیادۃ. فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اما الزیادۃ فلا" بے شک جمیلہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کیا تو ان کا باغ واپس کردے گی میں نے کہا ہاں اور زیادہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، لیکن زیادہ نہیں، (رواہ الدارقطنی) اس سے صاف معلوم ہوا کہ مہر سے زیادہ جائز نہیں ہے۔

احناف دلیل پیش کرتے ہیں کہ آیت قرآنی سے فرمایا: "وان اردتم استبدال زوج مکان زوج الی فلا تأخذو منہ شیئا" اور اگر ایک بیوی کے بدلے دوسری بیوی سے نکاح کرنا چاہتے ہو اور ان میں سے ایک کو ڈھیر سارا مہر دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ واپس نہ لو۔ (سورۃ النسائ) تو یہاں مرد کے قصور کی صورت میں عورت سے کچھ لینے کی ممانعت ہے زائد مہر لینے کی عدم جواز کی دلیل جمیلہ کے

واقعہ کی حدیث ہے کہ آپ نے زائد از مہر لینے سے منع فرمایا کما مر فی دلیل احمد واسحاق، امام شافعی و مالک کی آیت کا جواب یہ ہے کہ اس میں مقدار مہر ہی مراد ہے، کیونکہ ماسبق میں مہر کا ذکر ہے، اور احمد واسحاق کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ وہ محمول ہے عورت کے نشوز کی صورت پر۔

(درس مشکوۃ: ٣/٣٧، مرقاۃ: ٦/٣٩٧)

تین طلاق کی مذمت

{٣١٥١} **وَعَنْ** مَحْمُوْدِ بْنِ لَبِيْدٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ أُخْبِرَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ اِمْرَأَتَهٗ ثَلَاثَ تَطْلِيْقَاتٍ جَمِيْعاً فَقَامَ غَضْبَانَ ثُمَّ قَالَ اَيُلْعَبُ بِكِتَابِ اللهِ عَزَّوَجَلَّ وَاَنَا بَيْنَ اَظْهُرِكُمْ حَتّٰى قَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللهِ اَلَا اَقْتُلُهٗ۔ (رواه النسائی)

حوالہ: نسائی شریف: ٢/٨٢، باب الثلاث المجموعۃ وما فیہ من التغلیظ، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ٣٤٠١۔

ترجمہ: حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس وقت رسول اکرم ﷺ کو اس شخص کے بارے میں خبر دی گئی جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں ایک ساتھ دی تھیں، تو آنحضرت ﷺ غصہ میں کھڑے ہو گئے، پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی کتاب کے ساتھ کھلواڑ کیا جاتا ہے، جب کہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں؟ یہاں تک کہ ایک صاحب کھڑے ہوئے اور انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا میں اس شخص کو قتل کر دوں؟ (نسائی)

تشریح: قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "الطلاق مرتان" اس سے اس بات کی اجازت نکلتی ہے کہ دو طلاق تک دی جائیں لیکن یہ دو طلاق بھی بیک وقت نہ ہوں، بلکہ دو طہروں میں الگ الگ ہوں، تیسری طلاق کے غیر مستحسن ہونے کی طرف اسلوب قرآن مشیر ہے، ایسے میں اگر کوئی شخص نہ صرف تین طلاق دیتا ہے، بلکہ بیک وقت و بیک لفظ دیتا ہے، تو یہ قرآن مجید کے حکم کی خلاف ورزی کرکے فعل حرام کا ارتکاب کرتا ہے، ایسا شخص اللہ و رسول کی نگاہ میں سخت مبغوض ہے، البتہ یہ الگ مسئلہ ہے کہ اگر

کسی نے تین طلاقیں اکٹھی دے دیں تو وہ واقع ہوجائیں گی اور بیوی بغیر حلالہ کے حلال نہ ہوگی۔

ثلاث تطلیقات: تین طلاقیں اکٹھا دینا بدعت ہے اور اس پر سخت گناہ ہے، جب طلاق دینے کے سوا کوئی چارہ نہ رہے تو طلاق کا سب سے بہتر طریقہ یہ کہ صرف ایک طلاق ایسے طہر میں دی جائے جس میں صحبت نہ کی گئی ہو، اور پھر چھوڑ دیا جائے، یہاں تک کہ عدت گذر جائے، اس صورت میں زوجین کے لئے بہت سہولت ہے، عدت ختم ہونے سے پہلے بقاء نکاح کے لئے صرف رجوع کرلینا کافی ہے اور عدت ختم ہونے کے بعد اگر زوجین رضامند ہیں تو نکاح جدید ہوجائیگا۔ اور اگر تین طلاق دیتا ہے تو اس نے سہولتوں کو لات ماردی، لہٰذا اس کی سزا یہ ہے کہ نہ تو رجعت ہوسکے گی اور نہ بغیر حلالہ کے نکاح ہوسکے گا۔

فقام غضبان: چونکہ تین طلاقیں دینا معصیت اور احکام خداوندی کی خلاف ورزی ہے، اس لئے آنحضرت ﷺ کو شدید غصہ آیا، لیکن غصہ کے باوجود طلاق کا نفاذ ہوگیا، کیوں کہ کہیں بھی منقول نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ان تین طلاقوں کو ایک قرار دیکر بیوی اس کے سپرد کردی ہو۔

ایلعب بکتاب اللہ: قرآن کریم کے حکم کی صراحتاً خلاف ورزی کتاب اللہ سے کھلواڑ ہے، آنحضرت ﷺ نے یہ بات بطور زجر وتوبیخ کے فرمائی تھی، لیکن ایک صحابی اس کو حقیقت سمجھے، لہٰذا انہوں نے ارتداد کے جرم میں قتل کرنے کی اجازت طلب کی۔

طلاق ثلثہ اور مذاہب ائمہ

جمہور کا مذہب: ائمہ اربعہ اور فقہاء امت اس بات پر متفق ہیں کہ اگر کسی نے بیک وقت تین طلاقیں دی ہیں تو واقع ہوجائیں گی۔

دلائل: بخاری شریف میں روایت ہے کہ: "ان رجلا طلق امرأته ثلاثا فتزوجت فطلق فسئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتحل للاول قال لا حتی تذوق عسیلتها کما ذاقها الاول"۔ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی، اس عورت نے دوسرے شخص سے نکاح کرلیا، پھر اس دوسرے شوہر نے طلاق دی، نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کیا یہ عورت پہلے شوہر کے لئے حلال ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا نہیں، جب تک کہ اس کا دوسرا شوہر بھی پہلے شوہر

کی طرح اس سے ہمبستری نہ کرلے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے تین بیک وقت دی ہوئی طلاقوں کو نافذ کر کے اس پر احکام مرتب فرمائے ہیں اس کے علاوہ حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کی بیک وقت تین طلاقوں کو تین قرار دے کر نافذ فرمایا ہے۔

غیر مقلدین کا نظریہ: غیر مقلدین ایک مجلس کی تین طلاقوں کو تین نہیں مانتے ہیں بلکہ وہ ایک مانتے ہیں۔

دلیل: وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت پیش کرتے ہیں کہ: "کان الطلاق علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم وابی بکر وسنتین من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة فقال عمر بن الخطاب ان الناس قد استعجلوا فی امر کانت لهم فیه اناة فلو امضینا علیهم فامضاه علیهم، مسلم شریف" رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت کے ابتدائی دوسالوں میں تین طلاقوں کو ایک قرار دیا جاتا تھا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگ جلدی کرنے لگے ہیں، ایسے معاملہ میں جس میں ان کیلئے مہلت تھی، لہٰذا مناسب یہ ہے کہ ہم اس کو ان پر نافذ کردیں، چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے ان پر نافذ کر دیا۔

جواب: غیر مقلدین اس حدیث کو پیش کر کے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں، اس کا جواب اور چند دیگر نہایت اہم بحثیں اس موضوع سے متعلق معارف القرآن جلد اول میں موجود ہیں، مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر معارف القرآن سے یہاں نقل کیا جا رہا ہے۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ اعلان فقہاء صحابہ کے مشورہ سے صحابہ وتابعین کے مجمع عام میں ہوا، کسی سے اس پر انکار یا تردد منقول نہیں ہے، اسی لئے حافظ حدیث امام عبدالبر مالکی نے اس پر اجماع نقل کیا ہے، زرقانی شرح مؤطا میں یہ الفاظ ہیں۔

والجمهور علی وقوع الثلاث بل حکی ابن عبد البر الاجماع قائلا ان خلافه لا یلتفت الیه" (زرقانی شرح مؤطا: ۱۶۷/ ۳) اور جمہور امت تین طلاقوں کے واقع ہونے پر متفق ہیں، بلکہ ابن عبدالبر مالکی نے اس پر اجماع نقل کر کے فرمایا کہ اس کا خلاف شاذ ہے، جس کی طرف التفات

نہیں کیا جائے گا۔

اور شیخ الاسلام علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مسلم میں فرمایا: "قال الشافعی ومالك وابوحنیفة واحمد وجماهیر العلماء من السلف والخلف یقع الثلاث، وقال طاؤس وبعض اهل الظاهر لا یقع بذلك الا واحدة" (شرح مسلم: ۱/۴۷۸) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، اور سلف وخلف کے جماہیر علماء نے فرمایا کہ تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں، اور طاؤس اور بعض اہل ظواہر نے کہا کہ اس سے ایک ہی طلاق واقع ہوتی ہے۔

امام طحاوی نے شرح المعانی الآثار میں فرمایا: "فخاطب عمر بذلك الناس جمیعا وفیهم اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم رضی الله عنهم الذین قد علموا ما تقدم من ذلك فی زمن رسول الله صلی الله علیه وسلم فلم ینكر علیه منهم منكر ولم یدفعه دافع"۔ (شرح معانی الآثار: ۲/۲۹)

پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے ساتھ لوگوں کو مخاطب فرمایا: اور ان لوگوں میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی تھے جن کو اس سے پہلے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے طریقہ کا علم تھا، تو ان میں سے کسی انکار کرنے والے نے انکار نہیں کیا، اور کسی رد کرنے والے نے اسے رد نہیں کیا۔

مذکورہ واقعہ میں اگر چہ امت کے لئے عمل کی راہ باجماع صحابہ وتابعین مقرر ہوگئی کہ تین طلاقیں بیک وقت دینا اگر چہ غیر مستحسن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کا سبب ہے، مگر اسکے باوجود جس نے اس غلطی کا ارتکاب کیا، اس کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی، اور بغیر دوسرے شخص سے نکاح وطلاق کے اس کے لئے حلال نہ ہوگی۔

لیکن علمی اور نظری طور پر یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں، اول تو یہ کہ سابقہ تحریر میں متعدد روایات کے حوالے سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ تین طلاق بیک وقت دینے والے پر خود حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین طلاق کو نافذ فرمایا ہے، اس کو رجعت یا نکاح جدید کی اجازت نہیں دی، پھر اس واقعہ میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے اس کلام کا کیا مطلب ہوگا کہ عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں اور عہد

صدیقی میں اور دو سال تک عہد فاروقی میں تین طلاق کو ایک ہی مانا جاتا تھا، فاروق اعظم نے تین طلاق کا فیصلہ فرمایا؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر واقعہ اسی طرح تسلیم کرلیا جائے کہ عہد رسالت، عہد صدیقی میں تین طلاق کو ایک مانا جاتا تھا تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس فیصلہ کو کیسے بدل دیا، اور بالفرض ان سے کوئی غلطی بھی ہوگئی تھی تو تمام صحابہ کرام نے اس کو کیسے تسلیم کرلیا؟

ان دونوں سوالوں کے حضرات فقہاء ومحدثین نے مختلف جوابات دیئے ہیں، ان میں صاف اور بے تکلف جواب وہ ہے جس کو امام نے شرح مسلم میں اصح کہہ کر نقل کیا ہے، کہ فاروق اعظم کا یہ فرمان اور اس پر صحابہ کرام کا اجماع طلاق ثلاثہ کی ایک خاص صورت کے متعلق قرار دیا ہے، اور یہ کہ کوئی شخص تین مرتبہ تجھ کو طلاق تجھ کو طلاق تجھ کو طلاق کہے یا میں نے طلاق دی طلاق دی طلاق دی کہے۔

یہ صورت ایسی ہے کہ اس کے معنی میں دو احتمال ہوتے ہیں ایک یہ کہ کہنے والے نے تین طلاق دینے کی نیت سے یہ الفاظ کہے ہوں دوسرے یہ کہ تین مرتبہ محض تاکید کے لئے مکرر کہا ہو، تین طلاق کی نیت نہ ہو، اور یہ ظاہر ہے کہ نیت کا علم کہنے والے ہی کے اقرار سے ہوسکتا ہے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں صدق و دیانت عام اور غالب تھی، اگر ایسے الفاظ کہنے کے بعد کسی نے یہ بیان کیا کہ میری نیت تین طلاق کی نہیں تھی، بلکہ محض تاکید کے لئے یہ الفاظ مکرر بولے تھے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسکے حلفی بیان کی تصدیق فرمادیتے اور اس کو ایک ہی طلاق قرار دیتے تھے۔

اس کی تصدیق حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہوتی ہے، جس میں مذکور ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو لفظ البتۃ کیساتھ طلاق دے دی تھی۔ یہ لفظ عرب کے عرف عام میں تین طلاق کے لئے بولا جاتا تھا، مگر تین اسکا مفہوم صریح نہیں تھا، اور حضرت رکانہ نے کہا کہ میری نیت تو اس لفظ سے تین طلاق کی نہیں تھی، بلکہ ایک طلاق دینے کا قصد تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قسم دی انہوں نے اس پر حلف لیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی طلاق قرار دے دی۔

یہ حدیث ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی میں مختلف سندوں اور مختلف الفاظ کے ساتھ منقول ہے، بعض الفاظ میں یہ بھی ہے کہ حضرت رکانہ نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی تھی مگر ابوداؤد نے ترجیح

اس کو دی ہے، کہ دراصل رکانہ رضی اللہ عنہ نے لفظ البتۃ سے طلاق دی تھی، یہ لفظ چوں کی عام طور پر تین طلاق کے لئے بولا جاتا تھا، اس لئے کسی راوی نے اس کو تین طلاق سے تعبیر کر دیا ہے۔

بہر حال اس حدیث سے یہ بات باتفاق ثابت ہے کہ حضرت رکانہ کی طلاق کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اس وقت قرار دیا ہے، جب کہ انہوں نے تین طلاق کے الفاظ صریح اور صاف نہیں کہے تھے، ورنہ پھر تین کی نیت نہ کرنے کا کوئی احتمال ہی نہ رہتا، نہ ان سے سوال کی کوئی ضرورت رہتی۔

اس واقعہ نے یہ بات واضح کر دی کہ جن الفاظ میں یہ احتمال ہو کہ تین کی نیت کی ہے یا ایک ہی کی تاکید کی ہے، ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حلفی بیان پر ایک قرار دیدیا، کیوں کہ زمانہ صدق و دیانت کا تھا، اس کا احتمال بہت بعید تھا کہ کوئی شخص جھوٹی قسم کھالے۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد میں اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے ابتدائی عہد میں دو سال تک یہی طریقہ جاری رہا، پھر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے میں یہ محسوس کیا کہ اب صدق و دیانت کا معیار گھٹ رہا ہے، اور آئندہ حدیث کی پیشین گوئی کے مطابق اور گھٹ جائیگا، دوسری طرف ایسے واقعات کی کثرت ہوگئی، کہ تین مرتبہ الفاظ طلاق کہنے والے اپنی نیت صرف ایک طلاق کی بیان کرنے لگے تو یہ محسوس کیا گیا کہ اگر آئندہ اسی طرح طلاق دینے والے کے بیان نیت کی تصدیق کر کے ایک طلاق قرار دی جاتی رہی تو بعید نہیں کہ لوگ شریعت کی دی ہوئی اس سہولت کو بے جا استعمال کرنے لگیں، اور بیوی کو واپس لینے کے لئے جھوٹ کہہ دیں کہ نیت ایک ہی کی تھی، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی فراست اور انتظام دین میں دور بینی کو سبھی صحابہ رضی اللہ عنہم نے درست سمجھا اتفاق کیا، یہ حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج شناس تھے، انہوں نے سمجھا کہ اگر ہمارے اس دور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہوتے تو یقیناً وہ بھی اب دلوں کی مخفی نیت اور صاحب معاملہ کے بیان پر مدار رکھ کر فیصلہ نہ فرماتے، اس لئے قانون یہ بنا دیا کہ اب جو شخص تین مرتبہ لفظ طلاق کا تکرار کرے گا، اس کی تین ہی طلاقیں قرار دی جائیں گی، اسکی یہ بات نہ سنی جائے گی کہ اس نے نیت صرف ایک طلاق کی تھی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے مذکورۃ الصدر واقعہ میں جو الفاظ منقول ہیں، وہ بھی اسی مضمون کی شہادت دیتے ہیں، انہوں نے فرمایا: "ان الناس قد استعجلوا فی امر کانت لھم فیہ اناۃ فلو

امضینا علیھم"۔ لوگ جلدی کرنے لگے ہیں ایک ایسے معاملہ میں جس میں ان کیلئے مہلت تھی، تو مناسب رہے گا، کہ ہم ان کو ان پر نافذ کر دیں۔

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اس فرمان اور اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع کی یہ توجیہ جو بیان کی گئی ہے، اس کی تصدیق روایات حدیث سے بھی ہوتی ہے، اور اس سے ان دونوں سوالوں کا خود بخود حل نکل آتا ہے کہ روایات حدیث میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تین طلاق کو تین ہی قرار دے کر نافذ کرنا متعدد واقعات سے ثابت ہے، تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کیسے صحیح ہوسکتا ہے کہ عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں تین کو ایک ہی مانا جاتا تھا، کیونکہ معلوم ہوا کہ ایسی طلاق جو تین کے لفظ سے دی گئی، یا تکرار طلاق تین کی نیت سے کیا گیا، یہ عہد رسالت میں بھی تین ہی قرار دی جاتی تھیں، ایک قرار دینے کا تعلق ایسی طلاق سے ہے، جس میں ثلاث کی تصریح نہ ہو، یا تین طلاق دینے کا اقرار نہ ہو، بلکہ تین بطور تاکید کے کہنے کا دعوی ہو۔

اور یہ سوال بھی ختم ہو جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین کو ایک قرار دیا تھا، تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس کی مخالفت کیوں کی اور صحابہ رضی اللہ عنہم کرام نے اس سے اتفاق کیسے کرلیا، کیوں کہ اس صورت میں فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی سہولت کے بے جا استعمال سے روکا ہے، معاذ اللہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی فیصلہ کے خلاف کا یہاں کوئی شائبہ نہیں۔

اس طرح تمام اشکالات رفع ہو گئے، والحمد للہ، اس جگہ مسئلہ طلاق ثلاث کی مکمل بحث اور اس کی تفصیلات کا احاطہ مقصود نہیں وہ شروح حدیث میں بہت مفصل موجود ہے، اور بہت سے علماء نے اس کو مفصل رسالوں میں بھی واضح کر دیا ہے، سمجھنے کے لئے اتنا بھی کافی ہے۔

(مرقاۃ:۴۰۰/۶، معارف القرآن، فیض المشکوۃ:۱۹۷/۶)

تین یا اس سے زائد طلاق دینا قرآن کا استہزا ہے

{۳۱۵۲} **وَعَنْ** مَالِكٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ بَلَغَهُ اَنَّ رَجُلاً قَالَ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ اِنِّی طَلَّقْتُ اِمْرَأَتِیْ مِائَةَ تَطْلِیْقَةٍ فَمَا ذَا تَرَی عَلَیَّ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ

طُلِّقَتْ مِنْكَ بِثَلاَثٍ وَسَبْعٌ وَّ تِسْعُوْنَ اتَّخَذْتَ بِهَا آيَاتِ اللهِ هُزْواً۔ (رواہ فی الموطا)

حوالہ: مؤطاامام مالک: ۸۹۹، باب ماجاءفی البتۃ، کتاب الطلاق۔

ترجمہ: حضرت امام مالک بیان کرتے ہیں کہ ان تک یہ حدیث پہنچی کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو سوطلاقیں دی ہیں، میرے اس عمل کے بارے میں آپ رضی اللہ عنہ کی رائے کیا ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ عورت تین طلاقوں کے ذریعہ سے تم سے جدا ہوگئی اور جو باقی ستانوے ہیں ان کے ذریعہ سے تم نے اللہ تعالیٰ کی آیات کا مذاق اڑایا ہے۔

تشریح: جس طرح قتل زنا ناجائز اور حرام ہے لیکن اگر کسی شخص نے دوسرے کو گولی مار کر قتل کر دیا تو وہ شخص مرجائیگا، موت اس بات کی پرواہ نہیں کریگی کہ یہ قتل ناجائز طریقہ سے ہوا ہے، اسی طرح تین طلاقیں یا اس سے زائد طلاقیں بیک وقت دینا ناجائز اور حرام ہے، لیکن اگر کسی نے یہ جرم کرلیا تو پھر یہ نافذ ہوگا اور اس کی بیوی کو طلاق مغلظہ پڑ جائے گی۔

اتخذت بہا آیات اللّٰہ ہزوا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے "الطلاق مرتان الخ: کی طرف اشارہ کیا ہے، یعنی خلاف شرع طریقہ سے طلاق دے کر حکم خداوندی کی خلاف ورزی کی ہے جو کہ آیات خداوندی سے کھلواڑ کے مانند ہے، مزید تفصیلات کے لئے گذشتہ حدیث کی تشریح دیکھیں۔

محبوب اور مبغوض چیزیں

{۳۱۵۳} **وَعَنْ** مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا مُعَاذُ مَا خَلَقَ اللهُ شَيْئاً عَلىٰ وَجْهِ الْاَرْضِ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنَ الْعِتَاقِ وَلاَخَلَقَ شَيْئاً عَلىٰ وَجْهِ الْاَرْضِ اَبْغَضَ اِلَيْهِ مِنَ الطَّلاَقِ۔ (رواہ الدار قطنی)

حوالہ: دار قطنی: ۳۵/۴۔

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ اے معاذ! اللہ تبارک وتعالیٰ نے روئے زمین پر کوئی چیز ایسی پیدا نہیں کی جو اس کے نزدیک غلام آزاد کرنے سے زیادہ پسندیدہ ہو، اور اللہ تعالیٰ نے روئے زمین پر کوئی ایسی چیز بھی پیدا نہیں کو جو اس کے نزدیک طلاق سے زیادہ ناپسندیدہ ہو۔ (دارقطنی)

تشریح: چونکہ غلام کو آزادی ملتی ہے تو اس کو اس کا پیدائشی اور فطری حق ملتا ہے، لہٰذا جو شخص غلام کو آزاد کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو اس کے نیک عمل کی وجہ سے بہت پسند کرتے ہیں اور طلاق میں چوں کہ زوجین کے درمیان تفریق ہوتی ہے اور اس کے ذریعہ سے دو خاندانوں میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے، اور یہ عمل شیطان کا پسندیدہ ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے نزدیک شدید مجبوری کے بغیر طلاق دینا سخت ناپسندیدہ عمل ہے اور جو لوگ اس عمل کو انجام دیتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہوتے ہیں۔

العتاق: غلام آزاد کرنا اللہ کو بہت پسند ہے جب بندہ غلام رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے پوری طرح فارغ نہیں ہوتا ہے، آزاد ہو کر حق عبادت ادا کرسکتا ہے، لہٰذا یہ عمل اللہ کو پسند ہے "الطلاق" مجبوری میں طلاق دینے میں کوئی حرج نہیں ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق دینے کا حکم بھی دیا ہے، اور خود بھی طلاق دی ہے، لہٰذا فی نفسہ طلاق کوئی غلط چیز نہیں ہے، البتہ بلاسبب طلاق دینا ناپسندیدہ عمل ہے۔ (مرقاۃ: ٦/٤٠٢)

{باب المطلقة ثلاثاً}

(تین طلاق والی عورت کابیان)

اس باب کے تحت مصنف نے کل چھ روایتیں درج کی ہیں جو تین طلاق، ایلا، ظہار وغیرہ سے متعلق ہیں، اللہ تعالیٰ نے طلاق کی نزاکتوں کالحاظ کر کے اس کے لئے درجات رکھے ہیں، ایک طلاق اور دو طلاق تک انسان کو اپنی بیوی سے رجوع کا حق ہے، اور یہ اس لئے ہے تاکہ نکاح دفعۃً ختم نہ ہو جائے اور طلاق دینے والا اپنے نفس کو آزمالے کہ بیوی سے جدائی اور علاحیدگی اس کے حق میں بہتر رہے گی یا نہیں؟ اب اگر وہ دوسری طلاق کے بعد تیسری طلاق کا اقدام کرتا ہے تو اس کی بیوی مغلظہ ہو جائے گی، بغیر حلالہ شرعی کے وہ اس کے لئے حلال نہ ہوگی جیسا کہ قرآن کریم میں ہے "فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره" (سورہ بقرہ) پھر اگر کوئی اپنی بیوی کو طلاق دے ہی دی تو وہ عورت اس کے لئے اس کے بعد جائز نہ رہے گی، یہاں تک کہ وہ کسی اور شوہر سے نکاح کرلے۔

طلاق تین میں محدود ہونے کی وجہ

پہلی وجہ: تین سے کثرت کا آغاز ہوتا ہے، اقل جمع تین ہیں پس تین طلاقیں بہت ہوگئی، ان سے زیادہ کی ضرورت نہیں۔

دوسری وجہ: قیاس کا مقتضیٰ یہ تھا کہ طلاق ایک ہی ہوتی، اسی پر معاملہ ختم ہو جاتا، مگر چونکہ طلاق کے بعد غور وفکر اور سوچنے کی ضرورت پیش آتی ہے، بعض لوگوں کو بیوی کی قدر وقیمت جدائی کے بعد معلوم ہوتی ہے، مشہور ہے "قدر نعمت بعد زوال نعمت"، اس لئے ایک سے زیادہ طلاقیں مشروع کی گئیں اور اصل تجربہ ایک سے ہو جاتا ہے اور دو سے اس کی تکمیل ہوتی ہے، اس لئے تین کے بعد زمام اختیار ہاتھ سے نکل جاتی ہے، تین طلاقوں سے عورت مغلظہ ہو جاتی ہے، یعنی حرمت سخت اور مضبوط ہو جاتی

ہے اب اگروہ پہلے شوہر کے پاس جانا چاہتی ہے تو اس کے لئے دوسرے شوہر سے نکاح ضروری ہوگا، اور یہ تین وجہوں سے ہے۔

(۱)......غایت کو محقق کرنے کے لئے، یعنی یہ بات پکی کرنے کے لئے کہ اب شوہر کا حق بالکلیہ ختم ہوگیا اور طلاق کی آخری حد آگئی۔

(۲)......شوہر کی تعزیر کیلئے، اس لئے کہ بیوی جب عدت کے بعد دوسری جگہ نکاح کریگی تو شوہر کو اس کی جدائی پر رنج وافسوس ہوگا، اور یہ بات اس کے لئے سزا ہوگی کہ اس نے اہم مصلحت کو سوچے بغیر ناراضگی اور تنگ دلی کی بنا پر طلاق کیوں دی؟ اور آخری درجہ کا اقدام کیوں کیا؟

(۳)......تین طلاقوں کی سنگینی ظاہر کرنے کے لئے، تین طلاقوں کے بعد شریعت نے دوسرے سے نکاح کی شرط لگا کر تین طلاقوں کی سنگینی لوگوں کے ذہنوں میں بٹھائی ہے کہ تین طلاق وہی دے گا، جس نے قطعی طور پر طے کرلیا ہو، کہ اسے بیوی کو چھوڑنا ہی ہے، اور واپس لانا ہے تو ایسی رسوائی اور بے عزتی کے بعد لانا ہے جس سے بڑی کوئی رسوائی اور بے عزتی نہیں ہوسکتی۔ (مستفاد از رحمۃ اللہ الواسعہ: ۵/۱۴۶)

{الفصل الاول}

مطلقہ ثلاثہ بلا حلالہ پہلے شوہر کیلئے حلال نہیں

{۳۱۵۴} عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهاَ قَالَتْ جَاءَ تْ اِمْرَأَةُ رِفَاعَةَ الْقُرَظِيِّ اِلىٰ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ اِنِّي كُنْتُ عِنْدَ رِفَاعَةَ فَطَلَّقَنِيْ فَبَتَّ طَلاَقِيْ فَتَزَوَّجْتُ بَعْدَهُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ الزَّبِيْرِ وَمَا مَعَهُ اِلاَّ مِثْلُ هُدْبَةِ الثَّوْبِ فَقَالَ اَتُرِيْدِيْنَ اَنْ تَرْجِعِيْ اِلىٰ رِفَاعَةَ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ لاَ حَتّٰى تَذُوْقِيْ عُسَيْلَتَهُ وَيَذُوْقَ عُسَيْلَتَكِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

005

حوالہ: بخاری شریف: ۱/ ۳۵۹، باب شهادة المختبئی، کتاب الشهادات، حدیث نمبر: ۲۶۳۹، مسلم شریف: ۴۶۳، باب لاتحل للمطلقة ثلاثا، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۴۳۳۔

حل لغات: هدبة: جمع هُدَبٌ، مهدب، پلک، کپڑے کی جھالر، پھندنا، پلہ، دامن۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رفاعہ قرظی رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور انہوں نے عرض کیا کہ بے شک میں رفاعہ کے نکاح میں تھی، لیکن انہوں نے مجھ کو طلاق دیدی، اور میری طلاق مغلظہ ہوگئی، اس کے بعد میں نے عبد الرحمن بن زبیر سے شادی کرلی، اوران کے پاس نہیں ہے مگر کپڑے کے جھالر کے مانند، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم رفاعہ کے پاس واپس جانا چاہتی ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہاں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ اس وقت تک نہیں ہوسکتا، جب تک کہ تم اس کا اور وہ تمہارا ذائقہ چکھ نہ لے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: طلاق مغلظہ کے بعد اگر عورت اسی شوہر کیساتھ رہنا چاہتی ہے، تو اس کی صورت صرف حلالہ ہے، اوراس میں صرف نکاح ثانی نہیں بلکہ نکاح کے بعد صحبت شرط ہے، البتہ صحبت میں صرف دخول کافی ہے، انزال لازم نہیں ہے۔

جاءت امرأة رفاعة القرظی: رفاعہ بن سموال قرظی نے بنو قریظہ ہی کی ایک عورت سے نکاح کیا تھا۔ حدیث میں جس عورت کا ذکر ہے ان کے نام کے بارے میں روایات مختلف ہیں، ان کا نام تمیمہ، سہیمہ، یا پھر امیمہ تھا، "فبت طلاق"، رفاعہ نے اپنی بیوی کو طلاق مغلظہ دی تھی۔

سوال: کس طرح طلاق مغلظہ دی تھی؟

جواب: اس میں تین احتمال ہیں (۱) "انت طالق البتة" کے الفاظ سے طلاق دی (۲) تین طلاق ایک ساتھ دیں (۳) تین طلاقیں الگ الگ متفرق طور پر دیں۔

فتزوجت بعده عبد الرحمن بن الزبیر: رفاعہ کی بیوی نے طلاق مغلظہ کے بعد دوسرے شخص عبد الرحمن بن زبیر سے شادی کرلی، عبد الرحمن بن زبیر جماع پر قادر نہ ہوسکے، لہٰذا وہ شکایت لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں اور کہا کہ "وماله الا مثل هدبة الثوب"، مقصود یہ تھا کہ عبد

الرحمن جماع پر اس لئے قادر نہیں ہیں کہ ان کے اندر قوت مردانگی مفقود ہے، ان کا عضو تناسل نہایت ڈھیلا ہے، اس میں انتشار کی صلاحیت ہی نہیں ہے، "اتریدین" آپ نے رفاعہ کی عورت سے دریافت کیا کہ تم رفاعہ سے دوبارہ نکاح کرنا چاہتی ہو، "تذوقی عسیلته" مطلب یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنی بیوی کو طلاق مغلظہ دے دی، تو اب اس شوہر طالق کی طرف رجوع کی صورت یہ ہے کہ مطلقہ عورت کسی دوسرے شخص سے نکاح کرے اور وہ اسکے ساتھ وطی کرکے اگر طلاق دیتا ہے، تو یہ عورت عدت گذار کر شوہر اول سے نکاح کر سکتی ہے، حاصل کلام یہ ہے کہ خالی نکاح ثانی کافی نہیں ہے، بلکہ لذت جماع کا حصول بھی ضروری ہے، انزال لازم نہیں ہے، یہ جمہور کا مذہب ہے۔

حلالہ سے متعلق بعض اختلافی مسائل

تحلیل کا مدار نکاح ثانی مع الوطی پر ہے، صرف نکاح ثانی کافی نہیں، عند الائمہ الاربعہ، اس میں سعید بن المسیب کا اختلاف منقول ہے "حیث قال یکفی فیه النکاح اخذا بظاهر قوله تعالیٰ فلا تحل له حتی تنکح زوجا غیره" اور جمہور یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں نکاح سے مراد وطی ہے جو کہ نکاح کے حقیقی معنی ہیں، اور اصل نکاح مستفاد ہے لفظ زوج سے، اس لئے نکاح کو وطی کے معنی میں لیا گیا ہے۔ تاکہ تاسیس پر حمل ہو جائے کیونکہ وہ تاکید سے اولی ہے اب ان لوگوں نے اشکال کیا کہ وطی کی نسبت عورت کی طرف نہیں ہوتی اسکا جواب جمہور نے دیا کہ یہ "الزانیة والزانی" کی قبیل سے ہے کہ دراصل زانی مرد ہوتا ہے اور عورت مزنیہ ہوتی ہے لیکن اسکے باوجود "زانیه" کہا گیا ایسے ہی یہاں موطوءہ کی طرف نسبت کرکے واطیہ کہہ دیا گیا، ایک اعتراض اب یہ وارد ہوا کہ کتاب سے تو مطلق عقد سمجھ میں آتا ہے لہٰذا وطی کی قید کیسی ہے، اس سے زیادتی علی الکتاب لازم آئے گی، حنفیہ کی طرف سے اس کے دو جواب ہیں (۱) صاحب توضیح صاحب ہدایہ کا اتباع کرتے ہوئے یہ دیتے ہیں کہ یہ خبر مشہور ہے اور اس سے زیادتی علی الکتاب جائز ہے، اس پر اشکال ہے کہ اگر مشہور سے مراد مشہور لغوی ہے تو تقریب تام نہیں ہے، اور اگر اصطلاحی معنی مراد ہیں تو تسلیم نہیں کیونکہ اس حدیث پر مشہور کی تعریف صادق نہیں آتی۔

دوسرا جواب اس حدیث کا یہ ہے کہ یہ مؤید ہے باجماع الصحابہ لہٰذا اب زیادتی جائز ہے۔

پھر دوسرا اختلاف یہ ہے کہ حلالہ کے لئے وطی میں انزال شرط ہے کہ نہیں، "فلا یشترط الانزال عند احد خلافا للحسن" اس حدیث میں جمہور علماء نے "عسیله" سے لذت جماع مراد لیا ہے، اور حسن بصری نے نطفہ، اسی لئے انہوں نے انزال کو شرط قرار دیا ہے، اس کے بعد جاننا چاہئے کہ اس حدیث تحلیل میں بعض مسائل و جزئیات فقہا کے درمیان اختلافی ہیں۔ مثلاً یہ کہ حلالہ کے اندر اس نکاح ثانی کا عندالجمہور نکاح صحیح ہونا ضروری ہے، نیز یہ کہ نکاح ثانی اگر بقصد تحلیل ہو تو یہ مسئلہ بھی اختلافی ہے جیسا کہ حدیث "لعن المحلل و المحلل لہ" کے تحت اپنے مقام پر آرہا ہے، اسی طرح ابن المنذر نے استدلال کیا "حتی تذوقی عسیلته" الآخر سے اس بات پر کہ اگر زوج ثانی نے اس عورت سے جماع حالت نوم یا حالت اغماء میں کیا تو وہ کافی نہیں ہوگا عدم ادراک لذت کی وجہ سے اور انہوں نے اسکو تمام فقہاء کا مسلک بیان کیا، حالانکہ ایسا نہیں جمہور کے نزدیک کافی ہوجائے گا اور قرطبی نے مالکیہ کے قولین میں سے ایک قول اس کو قرار دیا، حضرت شیخ نے حاشیہ بذل میں ابوالطیب سندی کی شرح سے نقل کیا ہے، جمہور کے نزدیک کافی ہوجائے گا، مصنف نے اس باب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث مرفوع جو مشہور حدیث ہے، "لا تحل للاول حتی تذوقی عسیلته ویذوق عسیلتك" ذکر فرمائی ہے۔ (الدر المنضود: ١٦٤/ ٤، تقریر شیخ حضرت زکریا صاحب قدس سرہ، مرقاۃ: ٦/٤٠٤)

{الفصل الثانی}

مُحَلِّل اور مُحَلَّل لَہٗ مستحق لعنت

{٣١٥٥} **عَنْ** عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهٗ۔ (رواہ الدارمی) وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ عَلِیٍّ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَعُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ۔

حوالہ: دارمی: ٢/ ٢١١، باب فی النهی عن التحلیل، کتاب النکاح، حدیث

نمبر: ۲۲۵۸، ابن ماجه شریف: ۱۳۹، باب المحلل و المحلل له، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۹۳۴۔

ترجمه: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے حلالہ کرنے والے اور جس کیلئے حلالہ کیا گیا ہے دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔ (دارمی) ابن ماجہ نے اس روایت کو حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

تشریح: نکاح کا مقصد مرد وعورت کا ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے کے رفیق بنے رہنا ہوتا ہے لیکن اگر کوئی صرف اس مقصد سے نکاح کر رہا ہے کہ عورت خاوند اول کے لئے حلال ہو جائے، اس کو ہمیشہ رکھنے کا ارادہ نہیں ہے، اور اس کا زبان سے اظہار کر رہا ہے، تو یہ بات بہت بے شرمی کی اور خست کی ہے، سلیم الطبع آدمی کے لائق نہیں ہے، لہٰذا جو یہ کام کر رہا ہے اور جس کے لئے کیا جا رہا ہے، دونوں ذلیل کام کا ارتکاب کر رہے ہیں، البتہ حلالہ صحیح ہو جائے گا، اور عورت طلاق اور عدت کے لئے بعد شوہر اول سے نکاح کر سکے گی۔

قوله المحلل: یعنی جو شخص مطلقہ ثلاثہ سے اس لئے نکاح کرتا ہے تا کہ وہ اس کو طلاق دے اور وہ عورت زوج اول کیلئے حلال ہو جائے۔

اس حدیث میں "محل" اور "محلل له" دونوں پر لعنت کی گئی ہے، تحلیل کے معنی او پر ہم لکھ چکے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ نکاح محلل کی دو صورتیں ہیں، ایک نکاح بنیت التحلیل، دوسرے نکاح بشرط التحلیل، اس کے بعد سمجھئے لعنت کا بظاہر مقتضی حرمت اور عدم جواز ہے لہٰذا ایسا نہیں کرنا چاہئے، اب یہ کہ اگر کسی نے باوجود نہی کے کیا تو یہ نکاح معتبر ہوگا یا نہیں۔

مسئلۃ الباب میں مذاہب ائمہ

اس میں مذاہب ائمہ مختلف ہیں، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ وامام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نکاح محلل مطلقاً باطل ہے یعنی اس کی دونوں صورتیں، اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بنیۃ التحلیل

جائز اور بشرط التحلیل فاسد ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس میں تین روایات ہیں ایک مثل امام مالک رحمۃ اللہ علیہ امام واحمد رحمۃ اللہ علیہ کے کہ مطلقاً باطل ہے اور یہی مسلک ہے صاحبین کا اور دوسری روایت وہ ہے جو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کے مطابق ہے اور تیسری روایت یہ ہے کہ مطلقا جائز ہے، البتہ شرط باطل ہے، لہٰذا اس کے لئے جائز ہے کہ اس کو اپنے نکاح میں باقی رکھے، اور اگر طلاق دی تو اول کے لئے حلال ہو جائے گی۔ (کذا فی ہامش الکوکب عن العینی، الدر المنضود: ۳۰/ ۴)

تنبیہ: امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں امام شافعی امام احمد کے ساتھ ہیں حالانکہ ایسا نہیں جیسا کہ گذشتہ مذاہب سے معلوم ہو رہا ہے، اس کے بعد جاننا چاہئے کہ صاحب ہدایہ نے اس حدیث سے نکاح بشرط التحلیل کی کراہت پر استدلال کیا ہے، اس پر علامہ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، لیکن ظاہر حدیث کا مقتضیٰ تحریم ہے کما ہو مذہب احمد، پھر آگے انہوں نے یہ بات فرمائی ہے کہ صاحب ہدایہ کی بات بھی صحیح ہو سکتی ہے، اس لئے کہ حدیث میں اس طرح نکاح کرنے والے کو محلل کہا گیا ہے، اور ظاہر ہے کہ محلل وہ اسی وقت ہو گا جب کہ نکاح کو صحیح مانا جائے اور یہی بات حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے الکوکب میں تحریر فرمائی ہے، لیکن فریق مخالف اس حدیث کو اپنے موافق قرار دیتے ہوئے یہ کہتا ہے کہ حدیث شریف میں اس کو محلل اس شخص کے گمان کے لحاظ سے کہا گیا ہے کیونکہ وہ اس نکاح کو صحیح سمجھتا ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

لیکن یہ بھی واضح رہے کہ یہ حدیث اپنے عموم پر کسی طرح بھی نہیں ہو سکتی ہے اور نہ ہر محلل مستحق لعن ہے، جیسا کہ علامہ شوکانی نے بھی اس مضمون کو واضح کیا ہے، جس کو حضرت شیخ نے ہامش کوکب میں نقل فرمایا ہے لہٰذا مستحق لعن وہی محلل ہو گا جس کا مقصود اس نکاح سے صرف قضائے شہوت ہو چند ایام کے لئے اور جس شخص نے یہ نکاح خالصاً لوجہ اللہ تعالیٰ اپنے مسلمان بھائی کی اعانت کے طور پر کیا ہو اس کے بارے میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ سے امید رکھتے ہیں اس بات کی وہ اس وعید میں داخل نہ ہو گا بلکہ صاحب لمعات نے تو بعض علماء سے امکان اس کے ماجور ہونے کا لکھا ہے خلوص نیت کے وقت میں "لاجل اعانة المسلم"۔ (الدر المنضود: ۳۰/ ۴، مرقاۃ: ۴۰۶/ ۶، التعلیق: ۶۹/ ۴)

سوال: "محلل اور محلل له" پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں لعنت فرمائی ہے۔

جواب: آنحضرت ﷺ نے ان دونوں پر اس لئے لعنت فرمائی ہے کہ ان کا عمل قلت حمیت اور خست نفس پر دلالت کرتا ہے۔

سوال: کیا یہ عقد باطل ہے، یعنی اگر کسی نے تین طلاق پانے والی عورت سے اس قصد کے ساتھ نکاح کیا کہ وطی کے بعد طلاق دیں گے تاکہ وہ عورت شوہر اول کے لئے حلال ہو جائے، تو یہ نکاح باطل ہوگا یا درست ہوگا۔

جواب: یہ عقد صحیح ہوگا، اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے اس نکاح کرنے والے کو "محلل" فرمایا ہے اور محلل اسی وقت ہوسکتا ہے، جب کہ نکاح صحیح ہو۔

سوال: جب نکاح صحیح ہے تو آنحضرت ﷺ نے لعنت کیوں فرمائی؟

جواب: اس کا جواب گذر چکا ہے، لعنت سے مراد ان دونوں کی خست کا اظہار ہے، چوں کہ نکاح مشروع ہے، ہمیشہ کے لئے، اور محلل نے طلاق دینے ہی کی نیت سے نکاح کیا ہے، لہٰذا وہ لائق مذمت ہے، اور "محلل له" چوں کہ اس نکاح کا سبب بنا ہے، لہٰذا وہ بھی لعنت کا مستحق ہے۔

سوال: اگر کسی نے طلاق دینے کی شرط کے ساتھ نکاح کیا تو یہ نکاح ہوا یا نہیں؟

جواب: اس میں اختلاف ہے، جمہور کے نزدیک تحلیل کی شرط لگا کر نکاح کرنا مکروہ تحریمی ہے، بعض کے نزدیک نکاح فاسد ہے، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث پاک میں جس لعن کا ذکر ہے، وہ اس وقت ہے جب کسی نے اس پر کسی اجرت کی شرط لگائی ہو، علماء نے لکھا ہے کہ اگر کسی نے حلالہ کی نیت سے نکاح کیا اور زبان سے کچھ نہیں کہا، تو اس کو اجر وثواب ملے گا اسلئے کہ اس کا مقصد اصلاح ہے۔ (مزید تفصیلات کے لئے دیکھئے مرقات: ۶/۲۹۸)

ایلاء کا حکم

{۳۱۵۶} **وَعَنْ** سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ قَالَ اَدْرَكْتُ بِضْعَةَ عَشَرَ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّهُمْ يَقُوْلُ يُوْقَفُ الْمُوْلِيْ۔

(رواه فی شرح السنة)

حوالہ: البغوی فی شرح السنة، ۲۳۷/۹/۲۳۸، باب الإیلائ، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۲۳۶۳۔

ترجمہ: حضرت سلیمان بن یسار رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دس سے زائد صحابہ رضی اللہ عنہم کرام کو پایا ہے کہ وہ سب یہ کہتے تھے کہ ایلاء کرنے والے کو ٹھہرایا جائے۔(بغوی فی شرح السنہ)

تشریح: ایلائ: باب افعال کا مصدر ہے، اس کے معنی ہیں، قسم کھانا، اور ایلائ: کی دو قسمیں ہیں: ایلائ: لغوی اور ایلا شرعی، چار مہینے یا اس سے زیادہ بیوی سے صحبت نہ کرنے کی قسم کھانا ایلاء شرعی ہے اور چار مہینے سے کم کسی بھی مدت تک بیوی سے علاحیدہ رہنے کی قسم کھانا ایلاء لغوی ہے۔

اور ایلاء لغوی کا حکم یہ ہے کہ بیوی سے علاحیدہ رہنے کی جتنی مدت مقرر کی ہے وہ مدت پوری ہونے سے پہلے اگر بیوی سے صحبت کر لی تو قسم کا کفارہ واجب ہوگا، اور اگر وہ مدت پوری کر لی پھر صحبت کی تو کچھ واجب نہیں۔ اور ایلاء شرعی میں چار مہینے سے پہلے قسم توڑنا اور بیوی سے صحبت کرنا ضروری ہے اور اس صورت میں قسم کا کفارہ واجب ہوگا لیکن اگر کوئی قسم پوری کرتا ہے، تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خود بخود ایک طلاق بائنہ واقع ہو جائے گی، یہی مذہب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور دیگر بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم کا ہے جب کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مدت گذرنے کے بعد شوہر سے کہا جائے گا، یا رجوع کر لو یا طلاق دو، اگر اس نے کچھ نہ کیا تو قاضی دونوں کے درمیان تفریق کرے گا، اور یہ تفریق ایک طلاق بائنہ ہوگی یہی مذہب بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ہے، دونوں میں سے کسی بھی فریق کے پاس صریح نص نہیں ہے، لہٰذا یہ مسئلہ اجتہادی ہے چنانچہ ائمہ ثلاثہ قیاس سے دلیل پیش کرتے ہیں کہ شوہر نے بیوی کے حق جماع کو روک لیا ہے، لہٰذا قاضی اس کے قائم مقام ہو کر "تسریح باحسان" کرے گا، احناف کہتے ہیں کہ مرد نے حق جماع روک کر عورت پر ظلم کیا ہے، لہٰذا شریعت نے اس کی سزا یہ دی کہ مدت گذرتے ہی نعمت زائل ہوگئی، اور ائمہ ثلاثہ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ چوں کہ ایلاء کا معاملہ قاضی کے پاس نہیں، لہٰذا اس کی طرف سے تفریق کی ضرورت بھی نہیں ہے۔(تحفۃ الالمعی: ۹۵/۴)

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں دو واقعے پیش آئے ہیں: ایک واقعہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تمام بیویوں سے ایک مہینے تک علاحیدہ رہنے کی قسم کھائی تھی، یعنی ایلاء لغوی کیا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مدت پوری کی تھی، دوسرے واقعہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سریہ حضرت ماریہ قبطیہ کو حرام کیا تھا اور بعض روایات میں ہے کہ شہد کو حرام کیا تھا، اس سلسلہ میں سورہ تحریم کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئی تھیں، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہد استعمال کیا اور حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا سے تعلق قائم کیا، اور قسم کا کفارہ دیا اس لئے حلال کو حرام کرنا قسم ہے۔ اسی طرح حرام کو حلال کرنا بھی قسم ہے اور اس آخری صورت میں فوراً کفارہ واجب ہوگا۔ (تحفۃ الالمعی: ۹۵/ ۴، مرقاۃ: ۴۰۷/ ۶، التعلیق: ۷۰/ ۴)

ظہار کا حکم

{۳۱۵۷} **وَعَنْ** اَبِیْ سَلْمَةَ اَنَّ سُلَیْمَانَ ابْنَ صَخْرٍ یُقَالُ لَهٗ سَلْمَةُ بْنُ صَخْرٍ الْبَیَاضِیُّ جَعَلَ اِمْرَأَتَهٗ عَلَیْهِ کَظَهْرِ اُمِّهٖ حَتّٰی یَمْضِیَ رَمَضَانُ فَلَمَّا مَضٰی نِصْفٌ مِنْ رَمَضَانَ وَقَعَ عَلَیْهَا لَیْلاً فَاَتٰی رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَذَکَرَ ذَالِكَ لَهٗ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَعْتِقْ رَقَبَةً قَالَ لاَ اَجِدُهَا قَالَ فَصُمْ شَهْرَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ قَالَ لاَ اَسْتَطِیْعُ قَالَ اَطْعِمْ سِتِّیْنَ مِسْکِیْناً قَالَ لَا اَجِدُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِفَرْوَةَ بْنِ عَمْرٍو اَعْطِهٖ ذَالِكَ الْعَرَقَ وَهُوَ مِکْتَلٌ یَأْخُذُ خَمْسَةَ عَشَرَ صَاعاً اَوْ سِتَّةَ عَشَرَ صَاعاً لِیُطْعِمَ سِتِّیْنَ مِسْکِیْناً۔ (رواه الترمذی) وَرَوَی اَبُوْدَاؤُدُ ابْنَ مَاجَةَ وَالدَّارَمِیُّ عَنْ سُلَیْمَانَ بْنِ یَسَارٍ عَنْ سَلْمَةَ بْنِ صَخْرٍ نَحْوَهٗ قَالَ کُنْتُ اِمْرَءاً اُصِیْبُ مِنَ النِّسَاءِ مَالاَ یُصِیْبُ غَیْرِیْ وَفِیْ رِوَایَتِهِمَا اَعْنِیْ اَبَا دَاؤُدَ وَالدَّارِمِیْ فَاَطْعِمْ وَسَقاً مِنْ تَمْرٍ بَیْنَ سِتِّیْنَ مِسْکِیْناً۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۲۲۷/۱، باب ماجاء فی کفارة الظہار، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۱۲۰۰۔

005

ترجمہ: حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت سلیمان بن صخر رضی اللہ عنہ جن کو سلمہ بن صخر بیاضی کہا جاتا تھا نے اپنی بیوی کو اپنے لئے اپنی ماں کی پشت کے مانند قرار دے لیا، یہاں تک کہ رمضان گذر جائیں، جب نصف رمضان گذر گیا، تو انہوں نے رات کے وقت اس سے صحبت کرلی، چنانچہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے اس بات کا تذکرہ کیا، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: کہ غلام آزاد کرو، انہوں نے عرض کیا کہ میرے پاس نہیں ہے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو مہینے کے روزے رکھو، انہوں نے عرض کیا کہ میرے اندر اس کی طاقت نہیں ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ، انہوں نے عرض کیا کہ میرے پاس اتنا نہیں ہے، چنانچہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فروہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ان کو یہ عرق دے دو، عرق یہ ایک پیمانہ ہے جس میں پندرہ یا سولہ صاع آتا ہے تاکہ یہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دیں۔ (ترمذی) اور ابو داؤد وابن ماجہ و دارمی نے روایت کو سلیمان بن یسار سے انہوں نے سلمہ بن صخر رضی اللہ عنہ سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں ایک ایسا آدمی تھا جو عورتوں سے اتنا جماع کرتا کہ میرے علاوہ کوئی دوسرا نہ کرتا، اور ان دونوں کی روایتوں یعنی ابو داؤد اور دارمی میں ہے کہ تم ایک وسق سے مسکینوں کو کھلاؤ۔

تشریح: ظہار اہل جاہلیت کی طلاق سے ہے، اہل جاہلیت کے نزدیک تو ظہار سبب تحریم تھا، اللہ تعالیٰ نے اسلام میں نفس ظہار کو تو باقی رکھا لیکن اس کے حکم میں تغیر کردیا، تحریم مؤبد سے تحریم مؤقت کی طرف، یعنی الی اداء الکفارۃ کفارہ ادا کرنے کے بعد وہ عورت حسب سابق حلال ہو جاتی ہے، اسلام میں سب سے پہلے جو ظہار واقع ہوا وہ اوس بن الصامت رضی اللہ عنہ کا ظہار ہے، جو باب کی حدیث ثانی میں مذکور ہے۔

ظہار سے متعلق مباحث اربعہ

یہاں پر چار بحثیں ہیں، حقیقت ظہار اور اس میں اختلاف علماء دوسری حکم ظہار تیسری اگر قبل التکفیر جماع کیا تو اس کا کیا حکم ہے، چوتھی توقیت فی الظہار صحیح ہے یا نہیں۔

بحث اول

ظہار کی تعریف ہماری "کنز الدقائق" میں اس طرح لکھی ہے: "تشبیہ المحللة بالمحرمة علیه علی التابید" یعنی شوہر کا اپنی بیوی کو ایسی عورت کے ساتھ تشبیہ دینا جو اس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو، تشبیہ خواہ ذات کے ساتھ ہو یا کسی ایسے جز کے ساتھ ہو جس کو کل سے تعبیر کیا جاتا ہے، جیسے ظہر مثلاً۔

مذکورہ بالا تعریف سے معلوم ہوا کہ ظہار کی حقیقت تشبیہ بالام میں منحصر نہیں ہے، بلکہ جو بھی عورت اس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو خواہ وہ حرمت رضاع کی وجہ سے ہو یا مصاہرت سے ہو، اسی طرح امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی ظہار تشبیہ بالام کیساتھ خاص نہیں ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے دونوں روایتیں ہیں، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے قول قدیم میں ام کیساتھ خاص ہے، اور قول جدید میں ام کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

بحث ثانی

ظہار کا حکم یہ ہے کہ اس کی وجہ سے مرد پر اپنی بیوی کے ساتھ جماع حرام ہو جاتا ہے یہاں تک کہ کفارہ ادا کرے دواعی جماع مس اور تقبیل وغیرہ بھی حرام ہوتے ہیں یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے حنفیہ کے یہاں وہ بھی حرام ہو جاتے ہیں یہی مذہب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، اور شافعیہ اور حنابلہ کی اس میں دونوں روایتیں ہیں، حرمت و عدم حرمت۔ (من الاوجز)

بحث ثالث

یہ ہے کہ اگر مظاہر قبل التکفیر جماع کر لے تو اس میں اختلاف ہے، حنفیہ کے نزدیک اس پر توبہ و استغفار ہے اور یہ کہ آئندہ قبل التکفیر جماع نہ کرے، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ پر مستقل باب باندھا ہے، "باب ما جاء فی المظاہر یواقع قبل ان یکفر" اس میں انہوں نے اکثر علماء کا یہی مسلک نقل

فرمایا ہے، ائمہ ثلاث کا مسلک بھی یہی لکھا ہے، اور عبد الرحمن بن مہدی کا قول یہ لکھا ہے کہ اس صورت میں ان کے نزدیک اس پر دو کفارے واجب ہیں، اوجز میں حسن بصری اور نخعی سے یہ نقل کیا ہے کہ ان کے نزدیک تین کفارات واجب ہیں اور مغنی سے نقل کیا ہے، کہ بعض علماء سے منقول ہے کہ اس صورت میں کفارہ مطلقاً ساقط ہو جائے گا۔ لانہ فات وقتہا۔

بحث رابع

یعنی ظہار موقت جیسا کہ حدیث الباب یعنی سلمہ بن صخر کے قصہ میں واقع ہے، یہ مسئلہ بھی مختلف فیہ ہے حنفیہ کے نزدیک ظہار موقت صحیح ہے اور یہی امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے، اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اس میں دو قول ہیں، "الاول یکون ظهارا والآخر لایکون ظهارا" اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک توقیت کا اعتبار نہیں ہوگا، بلکہ ظہار مطلق ہو جائے گا۔ (کما فی ہامش البذل عن الاوجز)

مضمون حدیث

مضمون حدیث یہ ہے کہ سلمہ بن صخر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ چونکہ مجھ کو جماع کی زیادہ نوبت آتی تھی اتنی کہ شاید کسی کو اتنی نہ آتی ہو، (وفور قوت اور شدۃ شہوت کی وجہ سے) تو جب رمضان کا مہینہ شروع ہوا تو مجھے اپنے سے یہ اندیشہ ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ میں رمضان کی رات میں اپنی بیوی کے ساتھ ایسا مشغول ہوں کہ اس سے جدا نہ ہوسکوں یہاں تک کہ صبح ہو جائے۔ لہٰذا میں نے اس سے آخر رمضان تک کے لئے ظہار کرلیا، آگے مضمون حدیث واضح ہے۔

یہ ظہار ظہار موقت ہوا، اسکا حکم ابتدائی مباحث میں گذر چکا۔

آگے یہاں حدیث الباب میں کفارہ ظہار کی تفصیل مذکور ہے یعنی "الاعتاق یا صوم ستین یوما یا اطعام ستین مسکینا۔ اعتاق رقبہ" حنفیہ کے یہاں مطلق ہے اور عند الجمہور اس میں مومنہ کی قید ہے، پھر اطعام ستین کی مقدار میں اختلاف ہے، حنفیہ کے نزدیک مقدار طعام ہر مسکین کے لئے صدقۃ الفطر کے برابر ہے، "من التمر صاع لکل مسکین ومن البر نصف صاع، وعند

005

الشافعی رحمۃ اللہ علیہ لکل مسکین ربع صاع من کل شئی فالمجموع خمسۃ عشر صاعا، وعند مالك رحمة الله عليه نصف صاع من کل شئی، فالمجموع ثلاثون صاعا، وعند الامام احمد من البر ربع صاع ومن غیرہ نصف صاع"۔ اس اختلاف کا منشا اختلاف روایات ہے۔ (الدر المنضود: ۱۰۵/ ۴)

مسئلہ: اگر ہمیشہ کے لئے ظہار نہیں کیا کچھ مدت مقرر کر دی ہے، جیسے یوں کہا: سال بھر کے لئے یا چار مہینے کے لئے تو میرے لئے میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے تو جتنی مدت مقرر کی ہے، اتنی مدت تک ظہار رہیگا، اگر اس مدت کے اندر صحبت کرنا چاہے تو کفارہ دیوے، اور اگر اس مدت کے بعد صحبت کرے تو کچھ نہ دینا پڑے گا، عورت حلال ہو جاے گی۔ (بہشتی زیور: ۵۹/ ۴)

کچھ احکام ظہار، سوال وجواب کے آئینہ میں

ظہار کی تعریف: اپنی منکوحہ یا اس کے کسی ایسے جز شائع کو جس سے سارے جسم اور ذات کو مراد لیا جا سکتا ہو محرمات ابدیہ میں سے کسی عورت سے تشبیہ دینا یا اس کے مستور عضو کے ساتھ تشبیہ دینا ظہار ہے۔

سوال: ظہار میں عموماً لفظ "ظہر" یعنی پیٹھ کیوں استعمال کیا جاتا ہے؟

جواب: لفظ ظہر کی تخصیص کی حکمت یہ ہے کہ سواری کی پشت ہی بیٹھنے کی جگہ ہوتی ہے اور جماع کے وقت عورت بھی درحقیقت "رکوب دابہ" ہی ہوتی ہے، تو رکوب ام مستعار ہے رکوب دابہ سے، پھر رکوبہ زوجہ کو رکوب ام سے تشبیہ دے کر، گویا یہ کہا ہے کہ صحبت کے لئے تمہاری سواری کرنا میرے اوپر حرام ہے۔

سوال: ظہار کا کیا حکم ہے؟

جواب: ظہار کرنے سے بیوی نکاح میں رہتی ہے لیکن وقتی طور پر حرام ہو جاتی ہے۔

سوال: حدیث میں جن صحابی کا واقعہ ہے، انہوں نے اپنی بیوی سے کیوں ظہار کیا تھا؟

جواب: اصل بات یہ ہے کہ یہ صحابی بیوی سے کثرت سے صحبت کرتے تھے، رمضان آیا تو ان کو خطرہ ہوا کہ کہیں رمضان کے دنوں میں گناہ میں نہ پڑ جائیں، لہٰذا انہوں نے رمضان بھر کے لئے بیوی سے

ظہار کرلیا تھا، کیوں کہ حرمت سے رغبت کم ہوتی ہے، اور یہ ان کے تقویٰ کی دلیل بھی ہے۔

سوال: جب رمضان بھر کے لئے ظہار کیا تھا تو پھر صحبت کیسے کر بیٹھے؟

جواب: نصف رمضان میں چاندنی رات کی روشنی میں بیوی کی پازیب پر نظر پڑ گئی، اور بے اختیار ہو کر بیوی سے صحبت کرلی، پھر جب غلطی کا احساس ہوا تو بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور تلافی کی صورت دریافت کی۔

سوال: کفارہ ظہار کیا ہے؟

جواب: کفارہ ظہار ترتیب وار غلام آزاد کرنا، یا دو مہینے مسلسل روزہ رکھنا، یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔

سوال: جو شخص غلام آزاد کرنے پر قادر ہو وہ روزوں یا مسکینوں کو کھانا کھلا کر کفارہ ادا کرسکتا ہے؟

جواب: جو شخص غلام آزاد کرنے پر قادر ہو اس کیلئے غلام آزاد کرنا ضروری ہے اس کے بغیر کفارہ ادا نہیں ہوگا۔

سوال: کفارہ ظہار میں کافر غلام آزاد کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے، کیوں کہ آیت میں "فتحریر رقبة" مطلق ہے، جو کہ مؤمن و کافر سب کو شامل ہے اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک کافر غلام آزاد کرنا جائز نہیں ہے، کیوں کہ حق اللہ کو عدو اللہ کے ذریعہ ادا کرنا درست نہیں ہے، امام صاحب فرماتے ہیں کہ آیت کے مقابلہ میں قیاس معتبر نہیں ہے۔

سوال: کوئی شخص روزوں کے ذریعہ کفارہ ظہار ادا کررہا ہے کہ درمیان میں رمضان یا ایام تشریق آگئے، تو ظاہر بات ہے کہ ان میں کفارہ ظہار کے روزے غیر ممکن ہیں تو کیا ان ایام کے درمیان میں آنے سے تسلسل فوت ہو جاتا ہے؟

جواب: احناف و شوافع کے نزدیک تسلسل فوت ہو جائے گا، لہذا از سر نو روزے رکھنا ہوں گے، حنابلہ اور موالک کے نزدیک ان اعذار کی وجہ سے تسلسل فوت نہ ہوگا، دلائل فقہ کی کتابوں میں دیکھیں۔

سوال: کیا کفارہ اطعام میں بھی کھانا کھلانے سے پہلی وطی حرام ہے؟

جواب: اگر چہ قرآن مجید کی آیت مین کفارہ اطعام کے تعلق سے "من قبل ان یتماسا" کی قید صراحتاً مذکور نہیں ہے، لیکن مقتضیٰ کلام تو بہر حال یہی ہے کہ یہ بھی جماع سے پہلے ہو۔

سوال: اگر کوئی شخص کفارہ اطعام کے دوران جماع کر بیٹھا تو کیا وہ ازسرنو کھانا کھلائے گا؟

جواب: احناف کے نزدیک ازسرنو کھانا کھلانے کی ضرورت نہیں ہے، کیوں کہ "من قبل ان یتماسا" کی قید صراحتاً مذکور نہیں ہے۔

سوال: کفارہ اطعام میں اگر کوئی کھانا دینا چاہئے تو کس مقدار میں دے؟

جواب: حنفیہ کے نزدیک ہر مسکین کو نصف صاع گیہوں یا ایک صاع کھجور یا، جو، دینا لازم ہے۔

اشکال: حدیث باب میں تو پندرہ یا سولہ کا ذکر ہے یہ تو اصل مقدار سے بہت کم ہے؟

جواب: آپ ﷺ کے فرمان کا مقصد یہ تھا، کہ پندرہ یا سولہ صاع کھجور جو یہاں موجود ہے وہ لے لو، پھر اس میں اپنے پاس سے مزید شامل کر کے ایک وسق یعنی ساٹھ صاع کی مقدار پوری کر کے ہر مسکین کو ایک ایک صاع کھجور دے دو۔ (فیض المشکوۃ، مرقاۃ: ۶/۴۰۱)

کفارہ ظہار سے پہلے صحبت کا حکم

{۳۱۵۸} **وَعَنْ** سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ عَنْ سَلْمَةَ بْنِ صَخْرٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمُظَاهِرِ يُوَاقِعُ قَبْلَ اَنْ يُكَفِّرَ قَالَ كَفَّارَةٌ وَاحِدَةٌ۔ (رواہ الترمذی وابن ماجۃ)

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۲۲۷، باب ماجاء فی المظاہر، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۱۱۹۸، ابن ماجۃ ۱۴۹، باب المظاہر یجامع، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۲۰۶۴۔

ترجمہ: حضرت سلیمان بن سار رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سلمہ بن صخر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ سے اس ظہار کرنے والے کے بارے میں جو کفارہ دینے سے پہلے صحبت کر لے روایت

کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ اس پر ایک ہی کفارہ ہے۔(ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ شریعت کا حکم تو یہی ہے کہ ظہار کرنے والا پہلے کفارہ ادا کرے پھر اپنی بیوی سے صحبت کرے، لیکن اگر کسی نے ادائیگی کفارہ سے پہلے صحبت کرلی تو اس نے گناہ تو کیا لیکن اس جرم کی وجہ سے اس پر ڈبل کفارہ واجب نہ ہوگا، بلکہ ایک ہی کفارہ ادا کرے گا، اور اپنے گناہ پر ندامت کے ساتھ توبہ واستغفار کرے۔

فی المظاہر یواقع قبل ان یکفر: کفارہ ظہار ادا کرنے سے پہلے جماع کرلیا تو فقط ایک کفارہ ہے حدیث کے الفاظ سے یہی معلوم ہوتا ہے، لیکن بعض لوگوں کا اس سلسلہ میں اختلاف ہے۔

جمہور کا مذہب: جمہور فقہاء کے نزدیک ایک ہی کفارہ ہے ارتکاب گناہ کی وجہ سے استغفار کرے گا۔

دلیل: حدیث باب اس مسئلہ پر صریح نص ہے، اس کے علاوہ ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ: "استغفر اللہ ولا تعد حتی تکفر" اس میں آنحضرت ﷺ نے استغفار کا حکم ہی کیا ہے، ایک کفارہ کے علاوہ مزید کچھ واجب ہوتا تو اس کو آنحضرت ﷺ ضرور بیان فرماتے۔

بعض فقہا کا مذہب: بعض لوگوں کے نزدیک دو کفارے واجب ہوں گے، (۱) ظہار کا کفارہ (۲) ادائیگی کفارہ سے قبل وطی کرنے کا کفارہ۔

جواب: ادائیگی کفارہ سے قبل صحبت کرنا گناہ ہے، لیکن ہر گناہ پر کفارہ واجب نہیں ہوتا ہے، کفارہ کے وجوب کے لئے نص ضروری ہے، اور نص اس کے خلاف ہے یعنی نص سے معلوم ہوتا ہے کہ کفارہ ایک ہی ہے۔

سوال: مذکورہ صورت میں تمام بیویوں کی طرف سے الگ الگ کفارہ ظہار کرنا ہوگا، یا ایک کفارہ سب کی طرف سے کافی ہوگا؟

جواب: الگ الگ کفارہ دینا ہوگا، جس سے بھی صحبت کا ارادہ ہو پہلے اس کی جانب سے کفارہ ادا کرے تب صحبت کرے، یہی جمہور کا مذہب ہے، بعض لوگ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں بھی ایک ہی کفارہ واجب ہوگا۔(مرقاۃ: ۴۱۱، ۴۱۲/ ۶)

{الفصل الثالث}

کفارہ ظہار کی ادائیگی سے قبل جماع

{۳۱۵۹} **عَنْ** عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رُجَلاً ظَاهَرَ مِنْ اِمْرَأَتِهٖ فَغَشِيَهَا قَبْلَ اَنْ يُكَفِّرَ فَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذَالِكَ لَهٗ فَقَالَ مَا حَمَلَكَ عَلٰى ذَالِكَ قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ رَأَيْتُ بِيَاضَ حَجْلَيْهَا فِي الْقَمَرِ فَلَمْ اَمْلِكْ نَفْسِي اَنْ وَقَعْتُ عَلَيْهَا فَضَحِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَمَرَهٗ اَنْ لَا يَقْرَبَهَا حَتّٰى يُكَفِّرَ۔ (رواه ابن ماجة) وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ نَحْوَهٗ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ وَرَوَى اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ نَحْوَهٗ مُسْنَداً وَمُرْسَلاً وَقَالَ النَّسَائِيُّ الْمُرْسَلُ اَوْلٰى بِالصَّوَابِ مِنَ الْمُسْنَدِ۔

حوالہ: ابن ماجہ: ۱۴۹، باب المظاہر یجامع قبل ان یکفر، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۲۰۶۵، ترمذی شریف: ۱/۲۲۷، باب المظاھر یواقع الخ، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۱۱۹۹، ابوداؤد شریف: ۱/۳۰۲، باب فی الظھار، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۲۲۲۱، نسائی شریف: ۲/۰۹، باب الظھار، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۵۷۔

ترجمہ: حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے ظہار کیا، پھر کفارہ ادا کرنے سے پہلے اس سے صحبت کرلی، اس کے بعد وہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کا تذکرہ کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دریافت کیا اس عمل پر کس چیز نے تمہیں ابھارا؟ انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول! میں نے چاندنی میں اسکے پازیبوں کی سفیدی کو دیکھا تو اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکا، اور میں نے اس سے صحبت کرلی، یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے، اور انکو حکم دیا کہ اب کفارہ ادا کرنے سے پہلے اپنی بیوی کے قریب

مت جانا۔ (ابن ماجہ) ترمذی نے بھی اس کے مانند روایت نقل کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے اور ابوداؤد اور نسائی نے بھی اس طرح کی روایت مسنداً اور مرسلاً روایت کی ہے اور نسائی نے کہا کہ مرسل مسند کے بنسبت زیادہ صحیح ہے۔

تشریح: اس میں سلمہ بن صخر بیاضی رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے، مضمون حدیث یہ ہے کہ وفورقوت اور شدت شہوت کی وجہ سے سلمہ بن صخر کو جماع کی بہت حاجت رہتی تھی، رمضان کے مہینہ میں اپنی بیوی سے موقت طور پر ظہار کیا کہ جب بیوی حرام رہے گی، تو ان سے دور رہنا آسان رہے گا، ورنہ تو صحبت میں پڑ کر کہیں گنہگار نہ ہو جاؤں، لیکن یہ اپنے عہد پر برقرار نہ رہ سکے، اور اپنی بیوی سے جماع کر بیٹھے اور جماع بھی کفارہ کی ادائیگی سے پہلے ہی کر لیا، آنحضرت ﷺ نے ان کو تاکید کی، جو ہو گیا اس پر اللہ سے مغفرت طلب کرو، لیکن اب بغیر کفارہ کی ادائیگی کے بیوی کے قریب مت جانا، یعنی نہ اس سے وطی کرنا اور نہ دواعی وطی کرنا۔

فقشیہا: آنحضرت ﷺ اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کرام شرم وحیا کی وجہ سے وطی کرنا اور جماع کو عموماً صراحت سے نہیں بیان کرتے تھے، بلکہ ان کیلئے ایسے الفاظ استعمال کرتے تھے جن سے کنایۃً یہ معنی ادا ہوتے تھے، مثلاً کبھی "اصاب"، کبھی "واقع" اور کبھی "غشی" وغیرہ کے الفاظ استعمال کئے، ان کے لغوی معنی تو جماع کے نہیں ہیں، لیکن کنایۃً یہ معنی مراد ہو سکتے ہیں "فضحك"، آنحضرت ﷺ کو ان کی سادگی اور سادہ لوحی پر ہنسی آ گئی، "وامرہ"، آنحضرت ﷺ نے کفارہ ظہار ادا کرنے کا حکم کیا، معلوم ہوا کہ اگر کسی نے کفارہ ادا کرنے سے پہلے اپنی بیوی سے صحبت کر لی تو اس پر ڈبل کفارہ نہیں ہے۔

005+5

تین طلاق سے متعلق

تین فتاویٰ

از

فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی قدس سرہٗ
مفتی اعظم ہند و دار العلوم دیوبند

ترتیب

محمد فاروق غفرلہٗ
خادم جامعہ محمودیہ علی پور ہاپوڑ روڈ میرٹھ

ناشر
مکتبہ محمودیہ
جامعہ محمودیہ علی پور ہاپوڑ روڈ میرٹھ (یوپی) ۲۴۵۲۰۶

عرض مرتب

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد!

طلاق: ابغض المباحات ہے مجبوری کے درجہ میں طلاق کی اجازت دی گئی ہے، ایک اور دو طلاق، دینے کی صورت میں رجعت کرکے بلا نکاح جدید بیوی کو رکھنے کی اجازت دی گئی ہے، مگر مدخولہ بیوی کو تین طلاق دینے کی صورت میں خواہ تین طلاق مجلس میں دی جائیں خواہ الگ الگ متفرق طور پر دی جائیں تینوں طلاق واقع ہو کر حرمت مغلظہ ثابت ہو جاتی ہے اور بلا حلالہ شرعیہ نکاح ثانی کی بھی گنجائش نہیں رہتی یہی حکم قرآن کریم سے ثابت ہے یہی احادیث مبارکہ بالخصوص بخاری شریف سے ثابت ہے، اس پر پوری امت کا اجماع ہے اور اسی پر حضرات ائمہ اربعہ امام ابوحنیفہ، امام مالک امام احمد امام شافعی رحمہم اللہ کا اتفاق ہے مگر بہت سے لوگ جلد بازی میں تین طلاق دیدیتے ہیں اور پھر جب گھر برباد ہوتا ہوا دیکھتے ہیں تو پشیمان ہوتے ہیں اور بیوی کو حلال کرنے کیلئے حیلے بہانے کرتے ہیں اور کذب بیانی کرکے کسی مفتی سے فتویٰ طلب کرتے ہیں۔ حالانکہ کذب بیانی کرکے فتویٰ حاصل کرنے سے بیوی حلال نہیں ہوتی بلکہ بدستور حرام ہی رہتی ہے، جیسے اگر کوئی شخص شراب کی بوتل لیکر مفتی صاحب سے معلوم کرے کہ اس بوتل میں روح افزاء ہے یہ حلال ہے یا حرام، ظاہر ہے کہ مفتی اس کو جلال بتائے گا لیکن وہ شخص جانتا ہے کہ یہ شراب ہے مفتی کے حلال بتانے کے باوجود حرام ہی رہے گی۔

یا جیسے کوئی شخص خنزیر کا گوشت لیکر کسی مفتی کے پاس جائے اور جاکر معلوم کرے کہ یہ بکرے کا گوشت ہے اور بکرے کو باقاعدہ بسم اللہ پڑھ کر ذبح کیا گیا ہے یہ حلال ہے یا حرام، ظاہر ہے کہ مفتی حلال بتائے گا مگر اس کے باوجود وہ گوشت حرام ہی رہے گا۔ پس اسی طرح تین طلاق دینے کے بعد کوئی شخص کیسے ہی حیلے بہانے اور کذب بیانی کرکے مسئلہ معلوم کرے اور مفتی اس کے جائز اور حلال ہونے کا فتویٰ بھی دیدے مگر وہ عورت بدستور حرام ہی رہے گی، کذب بیانی کرکے فتویٰ حاصل کرلینے سے حلال نہیں ہوگی۔

اس طرح بعض لوگ جب حیلوں، بہانوں اور کذب بیانی سے کام نہیں چلتا تو اہل حدیث علماء کے پاس پہنچ جاتے ہیں اور وہ قرآن وحدیث، واجماع، ائمہ اربعہ رحمہم اللہ سب کے برخلاف اس کو فتویٰ

دیدیتے ہیں کہ ایک مجلس کی تین طلاق ایک ہوتی ہے لہٰذا تم رجوع کر کے بلا حلالہ اسی طرح بیوی کو رکھ سکتے ہو اور وہ اسی طرح بیوی کو رکھ لیتا ہے۔

ظاہر ہے کہ وہ عورت حرمت مغلظہ کے بعد اہل حدیث علماء کے فتویٰ کے باوجود حلال نہیں ہوگی بلکہ بدستور حرام ہی رہے گی اور مرد و عورت زندگی بھر حرام کاری کے گناہ اور وبال میں مبتلا رہیں گے۔

اور اولاد بھی ظاہر ہے کہ کیسی ہوگی اور اہل خاندان اور اہل قرابت جو ان کے ایک ساتھ رہنے سے خوش ہوں گے وہ بھی اس حرامکاری کے گناہ اور وبال میں گرفتار ہوں گے۔

اور بعض لوگ اہل حدیث مسلک اختیار کر لیتے ہیں تا کہ بیوی حلال ہو جائے حالانکہ جو بیوی حرام ہو چکی وہ اہل حدیث مسلک اختیار کر لینے سے بھی حلال نہیں ہوتی وہ بدستور حرام ہی رہتی ہے اور وہ بھی زندگی بھر حرامکاری کے وبال میں گرفتار رہیں گے۔

اور جس حق مذہب کو حق سمجھ کر اب تک اختیار کیئے رہے محض ایک عورت کی وجہ سے اس حق مذہب کو چھوڑ دینا کتنا خطرناک ہے اس کا اندازہ لگانا ہی مشکل ہے اس حرکت کیوجہ سے ایمان کا سلامت رہنا بھی انتہائی دشوار ہے۔

چونکہ اس زمانہ میں اس مسئلہ میں ابتلائے عام ہو رہا ہے اس لئے اس موضوع سے متعلق فقیہ الامت حضرت اقدس مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ کے تین فتاوی شائع کیئے جارہے ہیں ساتھ میں علمائے اہل حدیث کے دو فتوے بھی شامل ہیں جن میں ان کے دلائل نقل کیئے گئے ہیں اور وہ حضرت فقیہ الامت نور اللہ مرقدہ نے ان کے مدلل جوابات دیئے ہیں اور اصل مسئلہ کو قرآن کریم و حدیث مبارکہ کی روشنی میں مفصل بیان فرمایا ہے۔ اس طرح یہ مجموعہ طالبین حق کے لئے ان شاء اللہ بیحد مفید ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے قبول فرمائے اور مفید و نافع بنائے۔ آمین۔

اللھم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابہ
وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ اصحابہ
وبارك وسلم تسليما كثيرا

فقط
محمد فاروق غفرلہ
خادم جامعہ محمودیہ علی پور ہاپوڑ روڈ میرٹھ یوپی
۷/ذی قعدہ بروز شنبہ ۱۴۳۶ھ

تین طلاق ایک مجلس میں

سوال:- زید نے اپنی زوجہ کو ایک مجلس میں تین طلاق دیدی طلاق دیئے ہوئے ابھی تقریباً ڈیڑھ ماہ گذرے ہیں کیاوہ اپنی بیوی کو پھر رجوع کرسکتا ہے۔

جواب منجانب غیر مقلدین از مدرسہ جامعہ اسلامیہ عربیہ رحیمیہ بنارس

الجواب:- قال اللہ تعالیٰ الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوفٍ أَوۡ تَسۡرِيحٌۢ بِإِحۡسَانٍ۔ (الیٰ ان قال) حَتّٰى تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهٗ۔ (سورہ بقرہ پ:۲) وقال تعالیٰ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ إِذَا طَلَّقۡتُمُ ٱلنِّسَآءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ۔ (سورہ طلاق پ:۲۸)

ان آیات کریمہ سے صاف طور پر ثابت ہے کہ طلاق بدفعات دی جائے تاکہ رجعت کا اختیار باقی رہے، ایک جلسہ کی تین طلاق چونکہ ایک رجعی ہوتی ہے، اس لئے صورت مسئولہ میں زید اپنی بیوی سے رجوع کرسکتا ہے، صحیح مسلم شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: کانت الطلاق علیٰ عهد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر رضی اللہ عنہ وصدرا من خلافہ عمر رضی اللہ عنہ طلاق الثلاث واحدۃ ص:۴۷۷، ج:۱، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اور شروع زمانہ خلافت عمر رضی اللہ عنہ میں تین طلاق ایک ہوا کرتی تھی، یہی مذہب ہزارہا صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کا تھا، جیسا کہ التعلیق المغنی شرح دارقطنی میں ہے: سنن رجال کل صحابی من عهد الصدیق الی ثلاث سنین من خلافۃ عمر رضی اللہ عنہ وهم یزیدون علی الالف ص:۴۴۴، یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے تین سال تک ہزارہا صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کا یہی فتویٰ رہا کہ ایک جلسہ کی تین طلاق ایک ہوتی ہے، جب کثرت سے لوگوں نے طلاق دینی شروع کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سیاسۃً تین کو تین کردیا جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود ہی فرماتے ہیں: ان الناس قد استعجلوا الی امرٍ قد کانت لهم فیہ اناۃ فلو امضیناہ علیهم الخ یعنی لوگوں نے ایسے کام میں جلدی کرنا شروع کردیا، جسمیں انکو دیر کرنا چاہئے تھا،

پس ہم تینوں ان پر جاری کر دیں گے، چنانچہ جاری کر دیا لیکن جب اس ترکیب سے طلاق میں کمی نہیں ہوئی تو حضرت عمرؓ بہت پچھتائے، اور اس سے رجوع فرمایا، جیسا کہ حدیث کی بہت بڑی کتاب (مسند اسمٰعیل) میں ہے: قال عمر رضی اللہ عنہ ما ندمت علی شیئ ندامتی علی ثلاث ان لا اکون حرمت الطلاق الخ۔ دیکھو اغاثۃ اللھفان مصری ص: ۸۲، ۱۸۱۔ یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے تین مسئلوں میں بڑی ندامت ہوئی ان میں سے ایک یہ مسئلہ ہے، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ وابن مسعود رضی اللہ عنہ وعبد الرحمن ابن عوف رضی اللہ عنہ وابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ وزبیر رضی اللہ عنہ ودیگر بڑے بڑے صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین بھی یہی فرماتے ہیں کہ ایک مجلس کی تین طلاق ایک رجعی ہوتی ہے، جیسا کہ تعلیق المغنی وفتح الباری شرح بخاری پارہ: ۱۶۳، ج: ۲۲، ونیل الاوطار ص: ۱۵۴و۱۵۵، میں صاف صاف مذکور ہے، خود حضرت طاؤس رحمہ اللہ سے مروی ہے: قال ابن عباس رضی اللہ عنہ اذا طلق الرجل امرأتہ ثلاثاً قال طاؤس رحمۃ اللہ علیہ اشھد ما کان ابن عباس رضی اللہ عنہ یراھن الا واحدۃ تعلیق المغنی ص: ۴۴۵، یعنی جب کوئی مرد اپنی بیوی کو تین طلاق دے تو طاؤس رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اسکو ایک طلاق کہتے ہیں تابعین میں یہی مذہب ہے، جابر ابن زید رحمۃ اللہ علیہ وعطاء رحمۃ اللہ علیہ وعمرو بن دینا رحمۃ اللہ علیہ واحمد ابن منیع رحمۃ اللہ علیہ وعبد اللہ بن موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ وعکرمہ رحمۃ اللہ علیہ ومحمد ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا اور یہی مذہب اہل بیت کا ہے، بڑے بڑے علمائے محدثین جیسے محمد ابن تقی، احمد ابن عبد السلام خطی رحمۃ اللہ علیہ وامام رازی رحمۃ اللہ علیہ دیکھو تفسیر نیشاپوری برحاشیہ ابن جریر نیز یہی مذہب ہے، امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ وابن قیم رحمۃ اللہ علیہ وقاضی شوکانی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس مسئلہ میں دو روایتیں منقول ہیں ایک وہی ہے جو مشہور ہے دوسری یہ کہ جلسۂ واحدہ کی تین طلاق ایک رجعی ہوتی ہے، جیسا کہ محمد ابن حسن رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے، دیکھو اغاثہ مصری ص: ۱۵۷، وکتاب المعلم شرح مسلم۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے دو قولوں میں سے ایک قول یہی ہے بعض اصحاب احمد رحمۃ اللہ علیہ وداؤد ظاہری کا بھی یہی مذہب ہے دیکھو عمدۃ الرعایۃ ص ۷۹ ج ۲، دوسری حدیث: عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال طلق رکانۃ بن عبد یزید اخو المطلب امرأتہ ثلاثاً فحزن علیھا حزناً شدیداً قال فسألہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیف طلقتھا قال طلقتھا ثلاثاً فقال فی مجلس

005+5

واحد قال نعم قال انّما تلك واحدة فارجعها ان شئت قال فراجعها۔ (مسند احمد) جلد اول مطبوعہ مصر ص: ۲۶۵، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رکانہ رضی اللہ عنہ صحابی نے تین طلاق دیدی پھر بہت پچھتائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تو نے کیسے طلاق دیدی، انہوں نے کہا کہ تین طلاق دی آپ نے پوچھا کیا ایک مجلس میں، انہوں نے کہا ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ ایک مجلس کی تین طلاق ایک ہوتی ہے، لہٰذا اگر تمہارا دل چاہے تو رجوع کرلو تو رکانہ رضی اللہ عنہا نے رجوع کرلیا، یہ حدیث صحیح اور حسن دونوں طریقوں سے مروی ہے، اعلام الموقعین ج: ۲، ص: ۲۵،

ابو یعلیٰ نے بھی اس کو نقل کیا ہے، فتح الباری پارہ ۲۲ ص: ۱۶۳۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم

ہذا جواب صحیح کتبہ:- حبیب اللہ انصاری، امان اللہ محمد اسحاق بناری

ہذا الجواب صحیح والمجیب مصیب:۔ نذیر احمد رحمانی عبد الآخر مدرس اول

مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامعہ رحیمیہ بنارس

مطابق ۱۶ / مارچ ۱۹۵۴ء ۱۰ / رجب ۱۳۷۳ھ

جواب از حضرت فقیہ الامّت قدس سرہٗ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ...امابعد!

جب ایک شخص نے اپنی مدخولہ بیوی کو ایک دفعہ کہا کہ میں نے تجھے طلاق دی تو اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی، جب دوسری دفعہ عدت ختم ہونے سے پہلے اس مجلس میں یا دوسری مجلس میں کہا کہ میں نے تجھے طلاق دی تو دوسری طلاق رجعی ہوگئی، ان دو طلاق کا حکم یہ ہے کہ اندرونِ عدت اس کو رجعت کا حق حاصل ہے،[1] اگر اس نے ایک دفعہ یا دو دفعہ طلاق دے کر رجعت نہیں کی اور عدت گذر گئی تو حق رجعت ختم ہوگیا، طرفین کی رضامندی سے تجدید نکاح کی اجازت ہے،[2] حلالہ کی ضرورت نہیں یہ حکم اس وقت ہے جب کہ اس

[1] وطلاق البدعة أن يطلقها ثلاثاً بكلمة واحدة أو ثلثا في طهر واحد فاذا فعل ذلك وقع الطلاق وكان عاصياً. هداية ص۳۵۵ ج۲ كتاب الطلاق باب طلاق السنة مطبوعہ تھانوی دیوبند، عالمگیری کوئٹہ ص۳۴۹ ج۱ کتاب الطلاق، بدائع کراچی ص۹۶ ج۳ کتاب الطلاق وأما حكم طلاق البدعة۔

[2] سورہ بقرہ آیت: ۲۳۰ تا ۲۲۹،

ترجمہ: - وہ طلاق دو مرتبہ ہے، پھر اگر کوئی طلاق دیدے عورت کو تو پھر وہ اس کیلئے حلال نہ رہے گی، اس کے بعد یہاں تک کہ وہ اس کے سوا ایک اور خاوند کے ساتھ نکاح کرے۔ (از بیان القرآن)

طرح کہا ہو کہ میں نے تجھے دو طلاق دی، دو طلاق الگ الگ دینے اور یک لفظ دینے سے کوئی فرق نہیں پڑتا، اگر تیسری مرتبہ اسی مجلس میں یا بعد میں عدت ختم ہونے سے پہلے کہا کہ میں نے تجھے طلاق دی، تو اب طلاق مغلظہ ہوگئی اب بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح میں کوئی گنجائش نہیں رہی، یہ حکم اس وقت ہے، جب اس طرح کہا ہو کہ میں نے تجھے طلاق دی تین طلاق، طلاق الگ الگ دینے اور بیک لفظ دینے سے وقوع طلاق میں کوئی فرق نہیں پڑتا[1] گرچہ ایک مجلس میں تین طلاق دینا شرعاً بہت مذموم ہے، اور قبیح ہے، جیسے کہ حالت حیض میں طلاق دینا مذموم وقبیح ہے، اس سے اجتناب لازم ہے، لیکن اگر اسطرح طلاق دیگا، تب بھی بلا شبہ واقع ہو جائیگی[2] یہ مسئلہ قرآن کی آیت: الطلاق مرتان الیٰ قوله فلا تحل له من بعد حتٰی تنکح زوجاً غیره۔ [3] سے ماخوذ ہے، جس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ دو دفعہ طلاق کے بعد رجعت کا حق حاصل ہے، تیسری طلاق کے بعد حق نہیں رہتا نکاح بالکل ختم ہو کر حرمت مغلظہ ہو جاتی ہے، ایک مجلس یا دو تین مجلس کی کوئی قید نہیں بلکہ مطلق ہے، جب مسئلہ کی دلیل قرآن حکیم میں موجود ہے، تو پھر کسی اور دلیل پر اس کا ثبوت موقوف نہیں رہتا، حدیث بھی چوں کہ قرآن کریم کے لئے شرح اور تفسیر کے درجہ میں ہے اسلئے اس سے بھی مسئلہ کی تائید وتقویت پیش کرنا ضروری ہے: اصح الکتب بعد کتاب الله صحیح البخاری [4]

[1] وأما الطلاقات الثلاث فحكمها الاصلى هو زوال الملك وزوال حل المحلية ايضاً حتى لا يجوز له نكاحها قبل التزوج بزوج آخر لقوله عز وجل فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره وسواء طلقها ثلاثاً متفرقاً أو جملةً واحدةً، بدائع کراچی ص ۱۸۷ ج ۳ كتاب الطلاق فصل أما الطلاق البائن فنوعان الخ بحر ص ۵۶ ج ۴ فصل فيما تحل به المطلقة باب الرجعة مطبوعه الماجدیه کوئٹه، النهر الفائق ص ۴۲۱ ج ۲ دار الكتب العلمية بيروت۔

[2] وطلاق البدعة أن يطلقها ثلاثاً بكلمة واحدة أو ثلثا فى طهر واحد فاذا فعل ذلك وقع الطلاق وكان عاصياً، هداية ص۳۵۵ ج۲ كتاب الطلاق باب طلاق السنة مطبوعه تهانوى ديوبند، عالمگیری کوئٹه ص۳۴۹ ج۱ كتاب الطلاق، بدائع کراچی ص۹۶ ج۳ كتاب الطلاق وأما حكم طلاق البدعة۔

[3] سورہ بقرہ آیت: ۲۳۰تا ۲۲۹،

ترجمہ: - وہ طلاق دو مرتبہ ہے، پھر اگر کوئی طلاق دیدے عورت کو تو پھر وہ اس کیلئے حلال نہ رہے گی، اس کے بعد یہاں تک کہ وہ اس کے سوا ایک اور خاوند کے ساتھ نکاح کرے۔ (از بیان القرآن)

[4] قال سهل فتلاعنا وانا مع الناس عند رسول الله صلى الله عليه وسلم فلما فرغا قال عويمر كذبتُ عليها يا رسول الله ان امسكتها فطلقها ثلاثا قبل ان يامره رسول الله صلى الله عليه وسلم بخارى شریف ص: ۷۹۱، ج:۲، باب من اجاز طلاق الثلاث وايضا ص۸۰۰ ج۲ باب اللعان ومن طلق بعد اللعان، مطبوعه اشرفی دیوبند۔ مسلم شریف ص: ۴۸۹، ج:۱، كتاب اللعان، مطبوعه سعد دیوبند۔

ترجمہ: - حضرت سہلؓ فرماتے ہیں ان دونوں نے لعان کیا اور میں لوگوں کے ہمراہ آنحضرت ﷺ کے پاس (موجود) تھا جب وہ دونوں (لعان سے) فارغ ہو گئے عویمر بولے یا رسول اللہ اگر میں اسے روک لوں تو میں جھوٹا کہلاؤں گا پھر انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے فرمانے سے پہلے تین طلاق دی۔

(ص: ۸۰۰،) میں ہے کہ عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ نے حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی بیوی کو تین طلاق دیں، صحیح مسلم شریف ج:۱،ص:۴۸۹، میں یہ حدیث مذکور ہے، ابوداؤد شریف[۱] ج:۲،ص:۲۸۲، کے الفاظ یہ ہیں: فطلقها ثلاث تطليقات عند رسول الله صلى الله عليه وسلم فانفذه رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے نیل الاوطار[۲] ص:۲۰۱، ج:۶، میں لکھا ہے: "ورجاله رجال الصحيحين"۔ جمع الفوائد[۳] ج:۱،ص:۶۲۲، میں بخاری ومسلم وابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ کے حوالہ سے مذکور ہے، نسائی شریف[۴] ص:۹۹، ج:۲، میں عنوان قائم کیا ہے: "الثلث المجموعة ومافيه من التغليظ"۔ اس کے ذیل میں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی کہ ایک شخص نے تین طلاق ایک دم دی: ثلاث تطليقات جميعاً تو آپ غضبناک ہوئے اسلئے کہ تین تطلیقات ایک دم دینا مذموم وقبیح ہے، مگر یہ نہیں فرمایا کہ یہ واقع نہیں ہوتی، پھر امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے باب منعقد کیا ہے باب[۵] الرخصة فى ذالک اس میں عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ کا تین طلاق دینے کا واقعہ بیان کیا ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے: باب من اجاز طلاق الثلاث۔ منعقد کر کے عویمر عجلانی رحمہ اللہ کا واقعہ بیان کیا ہے، جس میں تین طلاق دینا مذکور[۶] ہے، اسی باب میں امرأة رفاعة کا[۷] واقعہ لکھا ہے،

---

[۱] ابوداؤد شریف ص:۳۰۶، ج:۱، باب فی اللعان، مطبوعہ سعد دیوبند۔

[۲] نیل الاوطار ص:۵۴، ج:۷، باب لا يجتمع المتلاعنان ابدا، مطبوعہ دار الفکر بیروت۔

[۳] لمسلم والنسائی وابی داؤد بلفظه وله ولمالك عن ابن عباس وابى هريرة رضى الله عنهم وسئلا عمّن طلّق ثلاثاً قبل ان يدخل بها فقال لا ينكحها حتى تنكح زوجاً غيره جمع الفوائد ص۳۵۱ ج۱، کتاب الطلاق۔
ترجمہ:- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ وحضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس نے بیوی کو دخول سے قبل تین طلاق دیدی تو آپ نے فرمایا اس عورت سے نکاح وہ نہیں کرسکتا جب تک (وہ عورت) کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے۔

[۴] قال اخبر رسول الله صلى الله عليه وسلم عن رجل طلق امرأته ثلث تطليقات جميعا فقام غضباناً ثم قال ايلعب بكتاب الله الحديث نسائی شریف ص:۸۲، ج:۲، باب الثلاث المجموع وما فيه من التغليظ، مطبوعہ دار الکتاب دیوبند۔
ترجمہ:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک شخص کے متعلق اطلاع دی گئی جس نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاق دیدی تو آپ غضبناک ہوکر کھڑے ہوئے اور فرمایا کیا وہ اللہ کی کتاب کیساتھ کھیل کرتا ہے۔

[۵] نسائی شریف ص:۸۲، ۲، باب الرخصة فى ذلك، مطبوعہ دار الکتاب دیوبند۔

[۶] بخاری شریف ص:۷۹۱، ج:۲، باب من اجاز طلاق الثلاث، مطبوعہ اشرفی دیوبند۔

[۷] ان امرأة رفاعة القرظى جاءت الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت يا رسول الله انّ رفاعة طلقنى فبتّ طلاقى وانى نكحت بعده عبد الرحمٰن بن الزبير القرظى وانما معه مثل الهدبة قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لعلك تريدين ان ترجعى الى رفاعة لا حتى يذوق عُسيلتكِ وتذوقى عسيلته۔ بخاری شریف ص:۷۹۱، ج:۲، باب من اجاز طلاق الثلاث، مطبوعہ اشرفی دیوبند۔
ترجمہ:- رفاعہ قرظی کی بیوی نے آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ رفاعہ نے مجھے طلاق دی پھر میری طلاق بائنہ ہوگئی اور میں نے عبدالرحمن بن الزبیر قرظی رضی اللہ عنہ سے نکاح کیا (مگر) انکے پاس جھالر کے مانند ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شاید تو رفاعہ کے پاس لوٹنا چاہتی ہے تو (نہیں لوٹ سکتی) جب تک (دوسرا) تیرا مزہ نہ چکھ لے اور تو اس کا مزہ نہ چکھ لے۔

جن کو بغیر حلالہ کے شوہر اوّل کیلئے جائز نہیں فرمایا، نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث بیان کی ہے[۱]، جس میں مذکور ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی تھی، اس کو بغیر حلالہ کے شوہر اول کیلئے جائز نہیں فرمایا، سنن دار قطنی[۲] ص: ۴۳۳، میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت مرفوعاً ہے: من طلق البتة الزمناہ ثلاثا فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجاً غیرہ جو شخص طلاق البتہ دیدے اس پر بھی تین طلاق کو لازم کر دیا گیا، حالاں کہ اس نے نہ لفظ طلاق تین مرتبہ کہا، نہ لفظ ثلاث کہا، اس سے بھی زیادہ صاف اور مفصل بطور ضابطہ کلیہ کے فرمادیا گیا: ایما رجل طلق امرأته ثلاثا مبهمة او ثلاثا عند الاقراء لم تحل له حتی تنکح زوجاً غیرہ دار قطنی[۳] ص: ۴۳۷، یعنی جو شخص بھی اپنی بیوی کو تین طلاق دیدے خواہ تینوں مبہم طور پر ہوں بیک وقت دے خواہ تین طہر میں الگ الگ دے وہ اس کیلئے جائز نہیں رہی، جب تک کہ حلالہ نہ ہو جائے، سلف کا اجماع بھی اسی پر ہے، چنانچہ حافظ ابن ابو بکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ نے احکام القرآن[۴] ج: ۱، ص: ۴۵۹، میں لکھا ہے: فالکتابُ وَالسُّنة واجماع السَّلف توجب ایقاع الثلث معًا وان کانت معصیة

بس یہ مسئلہ کتاب وسنّت واجماع سے اسی طرح ثابت ہے، ائمہ اربعہ ابوحنیفہ، مالک، شافعی، احمد رحمہم اللہ تعالیٰ۔ سب اسپر متفق ہیں، البتہ روافض اور اہل الظواہر (داؤدی تین طلاق کے منکر ہیں) دو چیزوں سے ان کو شبہ پیدا ہو گیا، ایک ابن عباس رضی اللہ عنہ کا مقولہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دور میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے شروع دو سال میں تین طلاق ایک تھی، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تین کو تین ہی قرار دیا لیکن

---

[۱] عن عائشة رضی اللہ تعالی عنها ان رجلا طلق امرأته ثلثا فتزوجت فطلّق فسئل النبی صلی اللہ علیه وسلم اَتَحِلُّ للاول قال لا حتی یذوق عُسیلتها کما ذاق الاول بخاری شریف ص: ۷۹۱، ج: ۲، باب من اجاز طلاق الثلاث، مطبوعہ اشرفی دیوبند۔

ترجمہ: - حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ایک مرد نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدیں اس نے اور سے نکاح کرلیا اور اس نے بھی طلاق دیدی کسی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا پہلے خاوند کے واسطے حلال ہوگئی آپ ؐ نے جواب دیا نہیں جب تک وہ اس کا مزہ نہ چکھ لے جیسے پہلے خاوند نے چکھا ہے۔

[۲] سنن الدار قطنی ص: ۱۳، ج: ۲، رقم الحدیث: ۳۹۰۰، مطبع دالفکر بیروت باب الطلاق۔

[۳] سنن الدار قطنی ص: ۱۸، ج: ۲، حدیث ۳۹۲۷، مطبع دار الفکر بیروت باب الطلاق۔

[۴] احکام القرآن للجصاص الرازی ص: ۳۸۸، ج: ۱، باب ذکر الحجاج لایقاع الطلاق الثلاث معاً، مطبع دار الکتب العربی بیروت۔

شروح حدیث نووی[۱]، عینی[۲]، فتح الباری[۳]، بذل المجہود[۴]، اوجز المسالک[۵] وغیرہ میں اس پر آٹھ طرح کلام کیا ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ مقولہ مسئلہ مذکورہ پر استدلال کیلئے کافی نہیں ہے، صاحب استذکار فرماتے ہیں: ان هٰذه الرواية وهم وغلط لم يعرج عليها احد من العلماء (الجوهر النقی ج: ۲، ص: ۱۳ ۱ [۶]) یعنی یہ روایت وہم وغلط ہے، علماء میں سے کسی نے بھی اس کو قابل التفات نہیں سمجھا اس سے زیادہ سخت الحسین بن علی الکرابسی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب ''ادب القضاء'' میں روایت کیا ہے:

اخبرنا علی بن عبد الله (وهو ابن المدینی) عن عبد الرزاق عن معمر عن ابن طاؤس انه قال من حدثك عن طاؤس انه كان يروی طلاق الثلاث واحدة كذبه یعنی طاؤس نے اپنے بیٹے سے کہا کہ جو شخص تم سے بیان کرے کہ طاؤس حدیث طلاق الثلاث واحدۃ کو روایت کرتے ہیں، تم اس کی تکذیب کرنا اس کو جھوٹا سمجھنا میں اس کو روایت نہیں کرتا، میری طرف اس کی نسبت کرنا غلط ہے، نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت اس مقولہ کے خلاف ہے، اور وہ روایت قرآن کریم مستند احادیث اجماع سلف کے موافق ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں: عن ابن عباس رضی اللہ عنہ والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء ولا يحل لهن ان يكتمن ما خلق الله فی ارحامهن. (الآية) ذٰلك ان الرجل كان اذا طلق امرأته فهو احق برجعتها وان طلقها ثلاثا فنسخ ذٰلك فقال الطلاق مرتان[۷] (الآية) ابوداؤد شریف باب نسخ المراجعة بعد

[۱] نووی علی المسلم ص۴۷۸ ج۱ کتاب الطلاق باب طلاق الثلاث، مطبوعہ بلال جامع مسجد دیوبند۔

[۲] عمدة القاری للعینی ص۲۳۳ ج۹ الجزء العشرون باب من أجاز طلاق الثلاث الخ مطبوعہ دار الفکر بیروت۔

[۳] فتح الباری ص۴۵۷ تا ۴۵۸ ج۱۰ کتاب الطلاق باب من أجاز طلاق الثلاث الخ رقم الحدیث ۵۲۶۱ مطبوعہ نزار مصطفٰی مکة المکرمة۔

[۴] بذل المجهود ص۲۷۰-۲۷۱ ج۳ کتاب الطلاق، بیان الاختلاف فی الطلاقات الثلث الخ، مطبوعہ یحیوی سهارنپور۔

[۵] اوجز المسالك ص۶-۷ ج۱۰ کتاب الطلاق باب ماجاء فی البتة، المکتبة الامدادیة مکة المکرمة۔

[۶] الجوهر النقی علی هامش السنن الکبری ص:۳۳۷، ج:۷، تحت حدیث باب من جعل الثلاث واحدة، مطبوعہ در المعرفة بیروت۔

[۷] ابوداؤد شریف ص۲۹۷ ج۱، باب نسخ المراجعة بعد التطلیقات الثلاث، مطبوعہ سعد بکڈپو دیوبند۔

005+5

التطلیقات الثلاث (بذل ص: ۱۶۱، ج: ۲) یعنی تین طلاق کے بعد بھی رجعت کی اجازت تھی اس کو اس آیت نے منسوخ کر دیا الطلاق مرتان (الآیۃ) ایسا نہیں تھا، کہ تین طلاق دینے پر بھی ایک ہی ہوتی تھی البتہ تین طلاق کے بعد بھی رجعت کا حق تھا، نزول آیت کے بعد وہ حق ختم ہوگیا۔

اگر بالفرض شراح کے پیش کردہ اشکالات کے باوجود ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت کردہ مقولہ کو صحیح تسلیم کرلیا جائے، تو اس کا ایک بہت ہی ظاہر اور بے غبار مطلب یہ ہے کہ تین الفاظ سے تین طلاق دے کر اگر کوئی شخص کہتا کہ میری نیت دوسرے اور تیسرے لفظ سے تاکید کی تھی، تجدید طلاق کی نہیں تھی تو غلبۂ صدق اور سلامت صدر کی بناء پر اس کا قول تسلیم کرلیا جاتا تھا، اور ایک ہی طلاق کا حکم کیا جاتا تھا، پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وقت میں طلاق ثلاث کے واقعات بکثرت پیش آنے لگے اور صدق میں کمی ہوئی، تو انہوں نے تین لفظ سے تین ہی طلاق کا حکم فرمادیا، اور نیت اور تاکید کو نہ مانا اصل یہ بھی ہے، کہ تین طلاق سے تین کا حکم ہو غلبۂ صدق کی بناء پر اصل کے خلاف ہونے کے باوجود نیت کا اعتبار کرنے کی جو وجہ تھی وہ ختم ہوگئی اور کلام کا اصل مطلب جو تھا وہی متعین کر دیا،[۲] یہ نہیں تھا، کہ تین طلاق کو ایک تسلیم کیا جاتا تھا، تین کا ایک ہونا تو کسی طرح بھی درست نہیں ابن عباس رضی اللہ عنہ کا صریح فتویٰ بھی یہی ہے کہ تین طلاق ایک مجلس میں دینے سے بھی تین ہی واقع ہوتی ہیں، جیسا کہ ابوداؤد[۳] شریف میں ہے، کہ مجاہد رضی اللہ عنہ سعید ابن جبیر رضی اللہ عنہ عطا، مالک بن الحارث رحمۃ اللہ علیہ عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ سب نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فتویٰ یہی نقل کیا ہے: عن ابن عباسؓ کلھم قالوا فی الطلاق

[۱] بذل المجھود ص۲۷۰ ج۳، کتاب الطلاق، مکتبہ رشیدیہ سہارن پور۔

[۲] الجواب الخامس دعوی أنه ورد فی صورة خاصة فقال ابن سریج وغیرہ یشبه أن یکون فی تکریر اللفظ کأن یقول: أنت طالق، أنت طالق، أنت طالق، وکانوا أولاً علی سلامة صدورھم یقبل منھم أنھم أرادوا التاکید، فلما کثر الناس فی زمن عمر رضی اللہ عنہ و کثر فیھم الخداع ونحوہ مما یمنعُ قبول من ادعی التاکید، حمل عمر رضی اللہ عنہ اللفظ علی ظاھر التکرار، فامضاہ علیھم، بذل المجھود ص۲۷۱ ج۳ کتاب الطلاق بیان الاختلاف فی الطلاقات الثلاث، مطبوعہ یحیوی سہارنپور۔

[۳] ابوداؤد شریف ص:۲۹۹، ج:۱، مطبع رشیدیہ دھلی، باب بقیة نسخ المراجعة بعد التطلیقات الثلث۔

الثلث انه اجازھا ۔ بذل[1] ج:۳،ص:۲۷۸،اسلئے بھی ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اس مقولہ کے ذریعہ تین طلاق کوایک قرار دیناصحیح نہیں ۔

شبہ کی دوسری وجہ رکانہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے اس پر محدثین نے کلام کیا ہے، واقعہ رکانہ کا ہے، یاابو رکانہ کا نیز اسکی سند میں بعض راوی ایسے ہیں جن کی روایت ضعیف اور معلول ہے،[2] خیر اس سب سے قطع نظر اس کا واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے صراحتاً تین طلاق نہیں دی بلکہ طلاق البتہ دی تھی، چونکہ طلاق البتہ بھی بعض دفعہ تین طلاق کی جگہ استعمال ہوتی تھی، اس لئے ان سے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلف دے کر پوچھا کہ تمہاری نیت ایک ہی طلاق کی تھی، انہوں نے جواب دیا کہ جی ہاں ایک ہی طلاق کی نیت تھی، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ایک قرار دیا، ترمذی شریف[3] ج:۱،ص:۱۶۰، میں ہے: عن عبد اللہ بن یزید بن رکانة عن ابیه عن جدہ قال اتیت النبی صلی اللہ علیه وسلم فقلت یارسول اللہ انی طلقت امرأتی البتة فقال ما اردت بها فقلت واحدة قال واللہ قال واللہ قال فهو ما اردت اسی کو امام ابوداؤد (نے اصح کہا ہے، بذل[4] ص:۲۷۸، ج:۳، جس روایت میں طلقہا ثلاثا ہے وہ روایت بالمعنی ہے، اس لئے کہ البتہ بھی ثلاثا کے معنی میں مستعمل ہوتا تھا، اس لئے اس البتہ میں اختلاف ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کو ایک قرار دیتے ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ

---

[1] بذل المجهود ص:۲۷۷، ج:۳، کتاب الطلاق مکتبہ رشیدیہ سہارن پور۔

[2] أخرجه ابوداؤد ورواه أحمد والحاكم وهو معلول بابن اسحاق فإنه في سنده. نيل الأوطار ص۱۲-۱ ج۴، كتاب الطلاق باب ما جاء في طلاق البتة الخ الجزء السابع، مطبوعه دار الفكر بيروت وقد اجابوا باربعة اشياء احدها ان محمد بن اسحاق وشيخه مختلف فيهما والثاني معارضته بفتوى ابن عباس بوقوع الثلاث، والثالث أن اباداؤد رجح ان ركانه انما طلق إمرأته البتة، الرابع أنه مذهب شاذ فلا يعمل به مختصراً بذل المجهور ص۲۷۱-۲۷۰ ج۳ كتاب الطلاق، باب الاختلاف في الطلاقات الثلث الخ، مطبوعه يحيوى سهارنپور، فتح البارى ص۳۵۶ ج۱۰ كتاب الطلاق باب من أجاز طلاق الثلاث الخ، مطبوعه نزار مصطفى مكة المكرمة۔

[3] ترمذی شریف ص:۱۴۰، ج:۱، باب ما جاء فی الرجل طلق امرأته البتة، مطبوعه رشیدیه دهلی ومطبوعه بلال دیوبند ص۲۲۲ ج۱۔

[4] ابوداؤد شریف ص۲۹۸ ج۱، مطبوعه سعد بکڈپو دیوبند، بذل المجهود ص:۲۷۸، ج:۳، مطبع رشیدیه سهارن پور، باب بقية نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث۔

تین قرار دیتے ہیں، امام ثوری رحمۃ اللہ علیہ اور اہل کوفہ نیت پر مدار رکھتے ہیں، ایک کی نیت ہو تو ایک ہے تین کی ہے تو تین، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی نیت پر مدار رکھتے ہیں، بلکہ وہ فرماتے ہیں کہ دو کی نیت ہو تو دو کا حکم ہوگا، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سب اقوال نقل کئے ہیں۔

وقد اختلف اهل العلم من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم وغیرهم فی طلاق البتة فروی عن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ انه جعل البتة واحدة وروی عن علی انه جعلها ثلاثاً وقال بعض اهل العلم فیه نیة الرجل ان نوی واحدة فواحدة ان نویٰ ثلاثاً فثلاث وان نوی ثنتین لم تکن الا واحدة وهو قول الثوری رحمۃ اللہ علیہ واهل الکوفة وقال مالك بن انس رضی اللہ عنہ فی البتة ان کان قد دخل بها فهی ثلاث تطلیقات وقال الشافعی رحمۃ اللہ علیہ ان نویٰ واحدة فواحدة یملك الرجعة وان نویٰ ثنتین فثنتین وان نویٰ ثلاثاً فثلاث۔

ترمذی شریف[1] ج: ۱، ص: ۱۴۰۔

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہ سے جداگانہ ہے، وہ ان سب سے منفرد ہیں، وہ تین صریح طلاق کو ایک ہی مانتے ہیں،[2] ان کے تلمیذ علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اغاثة اللهفان[3] میں اس پر بڑی طویل بحث فرمائی ہے، مگر ان کے تلامذہ اور ان کے اقران اہل علم ان کے ساتھ نہیں سب مخالف ہیں حتیٰ کے علامہ ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ نے مستقل کتاب اس پر تصنیف کی ہے، جس میں اغاثة اللهفان کے پیش کردہ دلائل کو پوری طرح رد کر دیا ہے اور ہر چیز کا جواب شافی دیا ہے، اس کا نام "بیان مشکل الاحادیث الواردة فی ان الطلاق الثلث طلاق واحدة"

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہٗ العبد محمود غفرلہٗ دارالعلوم دیوبند ۱۴/۱/۹۰ھ

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند

---

[1] واعلم أنه قد وقع الخلاف فی الطلاق الثلاث، إذا وقعت فی وقت واحد هل یقع جمیعها ویتبع الطلاق الطلاق أم لا ؟ فذهب جمهور التابعین و کثیر من الصحابة وأئمة المذاهب الاربعة وطائفة من أهل البیت منهم أمیر المؤمنین علی رضی الله عنه إلی قوله، أن الطلاق یتبع الطلاق وذهبت طائفة من أهل العلم إلی أن الطلاق لا یتبع الطلاق بل یقع واحدة فقط إلی قوله وإلیه ذهب جماعة من المتأخرین منهم ابن تیمیة وابن القیم وجماعة من المحققین، نیل الأوطار ص۱۶-۱۵ ج۴ الجزء السابع، کتاب الطلاق باب ما جاء فی طلاق البتة وجمع الثلاث مطبوعه دار الفکر بیروت۔

[2] ملاحظہ ہو اغاثة اللهفان ص۳۲۵ تا ۲۸۴ کتاب الطلاق مطبوعہ حلبی مصری۔

[3] ترمذی شریف ص: ۱۴۰، باب ما جاء فی الرجل طلق امرأته البتة، مطبوعہ رشیدیہ دهلی۔

کیا تین طلاق ایک ہیں؟

اور

ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف منتقل ہونا

سوال: - ایک شخص امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کرنے والا ہے اور اس نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاق دیدی اور اپنی بیوی کو اپنے سے علیحدہ کر دیا، مگر پھر وہ کہتا ہے، کہ میں اہلِ حدیث ہو جاؤں گا، اور اپنی بیوی کو رکھوں گا، تو اس شخص کا از روئے، شریعت کیا حکم ہے؟ اور اپنی بیوی کو رکھ سکتا ہے، یا نہیں؟ بینوا وتوجروا

(جواب از مولانا حبیب الرحمٰن الفیضی الاعظمی)

الجواب حامداً ومصلیاً

صورتِ مسئولہ میں ایک مجلس میں تین طلاقیں ایک شمار ہوں گی، جیسا کہ رکانہ بن عبد یزید رضی اللہ عنہ اپنی عورت کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دے کر غمگین ہوئے، جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے استفسار کے بعد فرمایا: فانما تلك واحدة فارجعها ان شئت فراجعها اخرجه احمد ابویعلیٰ من طریق محمد ابن اسحاق (فتح الباری ص: ۳۶۳، ج: ۲۲) اور اس کی تائید حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کانت الطلاق علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم وغیرہ طلاق الثلاث واحدة رواہ مسلم سے ہوتی ہے جس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک مجلس میں تین طلاقیں ایک ہی شمار کی جاتی رہی ہیں، حنفیہ نے بھی اس قسم کے مسائل میں دیگر علماء کے مذہب پر عمل کرنے کا فتویٰ دیا ہے، چنانچہ مولانا عبدالحیٔ صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے مجموعہ فتاویٰ

ص: ۵۴، ج: ۲، میں زوجۂ مفقود الخبر اور عدۃ ممتدۃ الطہر پر قیاس کرتے ہوئے طلاقِ ثلاثہ میں بھی دیگر علماء کے مذہب پر عمل کرنے کا فتویٰ دیا ہے، نیز مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے الحیلۃ الناجزہ ص: ۶۴، میں دوسرے ائمہ کے مذہب کو اختیار کرکے اس پر فتویٰ دینا جائز بتلایا ہے، نیز محمد ابن مقاتل رحمۃ اللہ علیہ جو ائمہ حنفیہ میں سے ہیں بھی تین طلاق کے ایک ہی ہونے کے قائل ہیں فتاویٰ ابن تیمیہ ص: ۱۷، ج: ۳، اور مولانا عبد الحیٰ صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے حاشیہ عمدۃ الرعایۃ ص: ۶۷ پر لکھا ہے: ھٰذا ھو المنقول عن بعض الصحابۃ وبہ قال داؤد الظاھری واتباعہ وھٰذا احد القولین لمالك ولبعض اصحاب احمد۔ حاصل یہ کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک ہی طلاقِ رجعی واقع ہوتی ہیں، جس کے قائل صحابہ کے علاوہ ائمہ میں سے داؤد ظاہری اور ان کے اتباع اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے دو قولوں میں سے ایک قول اور بعض اصحابِ احمد رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے، اور اسکے علاوہ بہت سے مسائل ہیں جس کے اندر حنفیہ نے دوسرے علماء کے مذہب پر فتویٰ دیا ہے للتفصیل مقام آخر۔

نیز یہ کہ حدیث کے صحیح ثابت ہوجانے کے بعد اگر کوئی مقلد اپنے امام کے مذہب کو چھوڑ کر حدیث پر عمل کرلے تو وہ امام کی تقلید سے باہر نہیں ہوتا، ائمہ اربعہ کی یہی نصیحت ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کی ہے، چنانچہ شامی ص: ۴۶، میں ہے: اذا صح الحدیث وکان علیٰ خلاف المذھب عمل بالحدیث ویکون ذٰلك مذھبہ ولا یخرج مقلدہ عن کونہ حنفیاً بالعمل بہ وقد صح عنہ انہ قال اذا صَحَّ الحدیث فھو مذھبی وقد حکی ذٰلك ابن عبد الرحمن عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ وغیرہ من الائمۃ۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ حبیب الرحمن الفیضی الاعظمی

(جواب از فقیہ الامت قدس سرہ)

الجواب حامداً ومصلیاً

جب کوئی شخص اپنی مدخولہ بیوی کو تین طلاق دیدے تو حرمتِ مغلظہ ثابت ہوجاتی ہے، اور دوبارہ نکاح کی بھی گنجائش نہیں رہتی، جب تک حلالہ نہ ہوجائے، اس مسئلہ پر ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کا اتفاق ہے، اس پر

سلف صالحین رحمہم اللہ کا اجماع ہے، یہی حدیث شریف سے ثابت ہے، یہی قرآن کریم میں مذکور ہے، یہ الگ بات ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاق دینا شرعاً نہایت مذموم اور قبیح ہے، اس پر جناب سرورکائنات حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عتاب اور غصہ کا اظہار بھی فرمایا ہے، مگر یہ نہیں فرمایا کہ طلاقِ مغلظہ واقع نہیں ہوتی، ایسی صورت میں رجعت کی بھی اجازت نہیں دی، جیسے کہ حالتِ حیض میں طلاق نہایت مذموم ہے، اس پر ناگواری کا اظہار فرمایا ہے، مگر یہ نہیں فرمایا کہ یہ طلاق واقع نہیں ہوئی، بلکہ واقع ہوجانے کے بعد (چونکہ طلاقِ بائن یا مغلظہ نہیں تھی) رجعت کا حکم فرمایا، اور بائنہ اور مغلظہ میں رجعت کا اختیار ہی باقی نہیں رہتا، جڑ کٹ جاتی ہے۔

دلائل از قرآن کریم

الطلاق مرتان (الیٰ قولہٖ تعالیٰ) فان طلقها فلا تحل لهٗ من بعد حتّٰی تنکح زوجاً غیرہ۔ الاٰیۃ [۱] اس کا حاصل یہ ہے کہ دو طلاق کے بعد رجعت کا حق رہتا ہے، تیسری طلاق کے بعد حقِ رجعت ختم ہو کر حرمتِ مغلظہ ہوجاتی ہے، بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح نہیں ہوسکتا، اس میں ایک مجلس دو مجلس تین مجلس کی کوئی قید نہیں بلکہ سب کو شامل ہے۔

دلائل از حدیث شریف

عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ نے جناب سرورکائنات حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین طلاق دیں اور اُن تین طلاق کو جناب سرورکائنات حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے نافذ فرمادیا غیر معتبر نہیں قرار دیا، یہ واقعہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح بخاری شریف

[۱] سورہ بقرہ آیت: ۲۲۹، ۲۳۰۔

ترجمہ: - وہ طلاق دومرتبہ ہے، پھر اگر کوئی طلاق دیدے عورت کو تو پھر وہ اس کے لئے حلال نہ رہے گی، اس کے بعد یہاں تک کہ وہ اس کے سوا ایک اور خاوند کے ساتھ نکاح کرے۔ (از بیان القرآن)

میں[۱] ص:۸۰۰، پر ہے، صحیح مسلم[۲] کتاب اللعان ص:۴۸۹، ج:۱، میں ہے، ابوداؤد شریف[۳] ص:۲۸۲، ج:۲، میں ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں: فطلقها ثلاث تطلیقات عند رسول الله صلی الله علیه وسلم فانفذہ رسول الله صلی الله علیه وسلم اھ ترجمہ:- تو اس نے اپنی بیوی کو آپ ﷺ کے سامنے تین طلاق دیں اور آپ ﷺ نے ان کو نافرمایا، علامہ شوکانی (نے نیل[۴] الاوطار ص:۲۰۱، ج:۲، میں لکھا ہے، "رجالہ رجال الصحیحین" جمع الفوائد[۵] ص:۶۲۲، ج:۲" میں اس حدیث کو بخاری مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ کے حوالہ سے ذکر کیا ہے، امام نسائی (نے اپنی سنن ص:۹۹، ج:۲،[۶] میں عنوان الثلاثة المجوعة ومافیه من التغلیظ کے تحت بیان کیا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

[۱] قال سهل فتلاعنا وانا مع الناس عند رسول الله صلی الله علیه وسلم فلمّا فرغا قال عویمر کذبتُ علیها یا رسول الله ان امسکتها فطلقها ثلاثا قبل ان یأمره رسول الله صلی الله علیه وسلم بخاری شریف ص:۷۹۱، ج:۲، باب من اجاز طلاق الثلاث، مطبوعه اشرفی دیوبند۔

ترجمہ:- حضرت سہل فرماتے ہیں ان دونوں نے لعان کیا اور میں لوگوں کے ہمراہ آنحضرت ﷺ کے پاس (موجود) تھا جب وہ دونوں (لعان) سے فارغ ہو گئے عویمرؓ بولے یارسول اللہ اگر میں اسے روکوں تو میں جھوٹا کہلاؤں گا پھر انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے فرمانے سے پہلے تین طلاق دیدی۔

[۲] مسلم شریف ص۴۸۹ ج۱ کتاب اللعان مطبوعه رشیدیه دهلی۔

[۳] ابوداؤد شریف ص:۳۰۶، ج:۱، باب اللعان، مطبوعه سعد دیوبند۔

[۴] نیل الاوطار ص:۲۴، ج:۷، باب لا یجتمع المتلاعنان ابداً، مطبوعه دار الفکر بیروت۔

[۵] **لمسلم والنسائی وابی داؤد بلفظ وله ولمالک عن ابن عباس رضی الله عنه وابی هریرة رضی الله عنه وسئلا عمن طلّق ثلاثا قبل ان یدخل بها فقال لا ینکحها حتی تنکح زوجاً غیره۔ جمع الفوائد ص: ۳۵۱، ج: ۱، مطبوعه مکه مکرمه، کتاب الطلاق۔**

ترجمہ:- ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے سوال کیا اس شخص کے بارے میں جس نے تین طلاق دی دخول سے پہلے تو آپ ﷺ نے فرمایا نہ نکاح کرے وہ اس سے جب تک کہ وہ دوسرے سے نکاح نہ کر لے۔

[۶] قال اخبر رسول الله صلی الله علیه وسلم عن رجل طلق امرأته ثلث تطلیقات جمیعاً فقام غضباناً ثم قال ایلعب بکتاب الله وانا بین اظهر کم حتی قام رجل وقال یا رسول الله الا اقتله۔ نسائی شریف ص:۸۲، ج:۲، باب الثلاث المجموع وما فیه من التغلیظ، مطبوعه دار الکتاب دیوبند۔

ترجمہ:- رسول ﷺ کو اس شخص کے متعلق خبر دی گئی جس نے اپنی بیوی کو اکٹھے تین طلاق دیدی تھی تو آپ ﷺ غصہ میں کھڑے ہوئے پھر کہنے لگے کیا تم کتاب اللہ کے ساتھ کھیل کرتے ہو باوجودیکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں، اتنے میں ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا یارسول اللہ کیا میں قتل کردوں اسے۔

کو خبر دی گئی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق یکدم دیدیں، ثلٰث تطلیقات جمیعاً۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم غضبناک ہو گئے، (کیونکہ تین طلاق یکدم دینا بہت قبیح ومذموم ہے) مگر یہ نہیں فرمایا کہ یہ واقع نہیں ہوئی، اور نہ یہ فرمایا کہ تم کو رجعت کا حق حاصل ہے، رجعت کرلو، پھر امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ[1] نے باب منعقد کیا ہے: باب الرخصة فی ذٰلك۔ اس میں عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ کا ایک مجلس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تین طلاق دینا بیان کیا ہے، امام بخاری[2] نے باب منعقد کیا ہے: باب من اجاز الطلاق الثلاث۔ اس کے ذیل میں عویمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ نقل کیا ہے، نیز امرأۃ رفاعۃ کا واقعہ بیان کیا ہے، جن کو بغیر حلالہ کے شوہر اوّل کی طرف عود کرنے کی اجازت نہیں دی گئی[3]، نیز حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث بیان کی ہے، جس میں مذکور ہے، کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی تھی، اس کو بغیر حلالہ کے شوہر اوّل کیلئے جائز نہیں فرمایا[4]: سنن دارقطنی ص: ۴۳۳[5] میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت مرفوعاً

---

[1] نسائی شریف ص ۸۲، ج ۲، باب الثلاث المجموع ومافیہ من التغلیظ مطبوعہ دار الکتاب دیوبند۔

[2] بخاری شریف ص:۷۹۱، ج:۲، باب من اجاز طلاق الثلاث، مطبوعہ اشرفی دیوبند۔

[3] ان امرأة رفاعة القرظی جائت الی رسول صلی الله علیه وسلم فقالت یا رسول الله ان رفاعة طلقنی فبت طلاقی وانّی نکحتُ بعده عبد الرحمن بن الزبیر القرظی وانّما معه مثل الهدبة قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لعلك تریدین ان ترجعی الی رفاعة لا حتی یذوق عسیلتَكِ وتذوقی عُسیلته۔ بخاری شریف ص:۷۹۱، ج:۲، باب من اجاز طلاق الثلاث مطبوعه اشرفی دیوبند۔

ترجمہ: - رفاعہ کی بیوی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہنے لگی یا رسول اللہ رفاعہ نے مجھے طلاق بتہ دیدی اور اسکے بعد میں نے نکاح عبد الرحمن ابن زبیر سے کیا اس کے پاس جھالر کے مثل ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شاید کہ تو رفاعہ کے پاس جانا چاہتی ہے، نہیں لوٹ سکتی جب تک کہ وہ تمہارے شہد کو اور تو اس کے شہد کو نہ چکھ لے۔

[4] عن عائشة ان رجلا طلق امرأته ثلثا فتزوجت فطلّق فسئل النبی صلی الله علیه وسلم أتحِلُّ للاول قال لا حتی یذوق عُسیلتَها کما ذاق الاول۔ بخاری شریف ص:۷۹۱، ج:۲، مطبوعه رشیدیه دهلی، باب من اجاز طلاق الثلاث۔

ترجمہ: - حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی پس اسکی شادی ہوگئی، اور شوہر نے طلاق دیدیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کیا وہ پہلے شوہر کیلئے حلال ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں جب تک کہ وہ اسکے شہد کو چکھ نہ لے جیسا کہ پہلے نے چکھ لیا۔

[5] سنن الدارقطنی ص: ۲، ۱۳، حدیث: ۳۹۰۰، مطبوعه دار الفکر بیروت، کتاب الطلاق۔

من طلق البتة الزمناہ ثلاثًا فلا تحل لہٗ من بعد حتّٰی تنکح زوجاً غیرہٗ۔ جو شخص طلاقِ البتہ دیدے اس پر بھی تین طلاق کولازم کر دیا گیا، حالانکہ اس نے لفظ طلاق تین دفعہ نہیں کہا، نہ لفظ ثلاث کہا، اس سے بھی زیادہ واضح اور مفصل بطور قاعدہ کلیہ کے فرمادیا گیا: ایما رجل طلّق امرأتہٗ ثلاثًا مبھمۃ او ثلاثًا عند الاقراء لم تحل لہٗ حَتّٰی تنکح زوجاً غیرہ۔ دارقطنی[1] ص:۴۳۷۔ یعنی جو شخص بھی اپنی بیوی کو تین طلاق دیدے خواہ تینوں مبہم طور پر بیک وقت دے، خواہ تین طہر میں الگ الگ دے، اب وہ بغیر حلالہ کے شوہر اول کیلئے حلال نہیں، یہاں صاف صاف بتادیا گیا ہے، کہ تین طلاق سے بہرحال حرمت مغلظہ ثابت ہوجائے گی، ایک مجلس اور تین مجلس یا ایک طہر یا تین طہر کو اسمیں کوئی دخل نہیں ہے، دونوں کا حکم حرمتِ مغلظہ ثابت ہونے کیلئے یکساں ہے۔

اجماع

حافظ الکتاب والسنۃ شیخ الحاکم ابوبکر جصاص رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: فالکتاب والسنۃ وَاجماع الامۃ توجب ایقاع الثلاث معاً وان کانت معصیۃ اھ احکام[2] القرآن ص:۴۵۹، ج:۱، ائمہ اربعہ بھی اس پر متفق ہیں، [3] البتہ روافض اور داؤد ظاہری تین طلاق کے منکر ہیں، ان کا کہنا ہے، کہ تین طلاق ایک مجلس میں دینے سے ایک ہی طلاق واقع ہوتی ہے، اور وہ اپنے اس دعویٰ پر دو دلیلیں پیش کرتے ہیں، پہلی دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا مقولہ ہے، کہ جناب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور میں تین طلاق ایک تھی، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی دو

[1] سنن الدار قطنی ص:۱۸، ج:۲، حدیث:۳۹۲۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت، کتاب الطلاق۔

[2] احکام القرآن ص:۳۸۸، ج:۱، باب ذکرا لحجاج لایقاع الطلاق الثلاث معاً، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت۔

[3] وذھب جمھور الصحابۃ والتابعین ومن بعدھم من ائمۃ المسلمین إلٰی انہ یقع الثلاث شامی زکریا ص۴۳۳ ج۴ کتاب الطلاق۔

سال تک یہی حال رہا، یہ مقولہ مسلم شریف میں ہے۔

شراح حدیث نے اس پر آٹھ طرح کلام کیا ہے، (ملاحظہ ہو فتح الباری[1]، عمدۃ القاری[2]، اوجز المسالک[3]، بذل المجہود[4]، نووی[5]) جس سے ثابت ہوتا ہے کہ تین طلاق کو ایک طلاق قرار دینے کیلئے یہ مقولہ کافی نہیں، مؤطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے شارح الاستذکار میں فرماتے ہیں: **ان ھذہ الروایۃ وھم وغلط لم یعرج علیھا احد من العلماء** اھـ الجوہر النقی[6] ص: ۳۱۳، ج: ۲، میں اس کو نقل کیا ہے، یعنی یہ روایت وہم اور غلط ہے، علماء میں سے کسی نے بھی اس کو قابل التفات نہیں سمجھا، اس کو طاؤس کے حوالہ سے نقل کیا جاتا ہے، لیکن طاؤس خود ہی اس کی تردید کرتے ہیں، چنانچہ کتاب ادب القضاء میں ہے **اخبرنا علی ابن عبد اللہ وھو ابن المدینی عن عبد الرزاق عن معمر عن ابن طاؤس عن طاؤس انّہٗ قال من حدّثك عن طاؤس انہٗ کان یروی طلاق الثلاث واحدۃ کذبہ** اھ یعنی طاؤس نے اپنے بیٹے سے کہا کہ جو شخص تم سے بیان کرے کہ طاؤس حدیث طلاق ثلاث واحدۃ کو روایت کرتے ہیں، تو تم اس کی تکذیب کرنا، اس کو جھوٹا سمجھنا میں اس کو روایت نہیں کرتا، میری طرف اس کی نسبت غلط ہے، نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فتویٰ بھی اس مقولہ کے خلاف ہے، ان کا فتویٰ یہ ہے کہ جو شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دیدے تو تینوں واقع ہوجاتی ہیں، جیسا کہ ابوداؤد شریف[7] میں ہے: **عن ابن عباس رضی اللہ عنہ کلھم قالوا فی الطلاق الثلاث انہ**

---

[1] فتح الباری ص: ۳۵۵، ج: ۱۰، مطبوعہ نزار مصطفی الباز مکہ مکرمہ، باب من اجاز طلاق الثلاث۔

[2] عمدۃ القاری ص: ۲۳۳، ج: ۱۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت، باب من اجاز طلاق الثلاث۔

[3] اوجز المسالك ص: ۷، ج: ۱۰، مکتبہ امدادیہ مکرمہ، باب فی طلاق البتۃ۔

[4] بذل المجھود ص: ۲۸۰، ج: ۳، کتاب الطلاق باب بقیۃ نسخ المراجعۃ الخ کتاب الطلاق مکتبہ رشیدیہ سہارن پور۔

[5] نووی علی مسلم ص: ۴۷۸، ج: ۱، باب طلاق الثلاث، مطبوعہ دار الکتاب دیوبند۔

[6] الجوھر النقی علی ھامش السنن الکبری ص: ۳۳۷، ج: ۷، باب من جعل الثلاث واحدۃ۔ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت۔

[7] ابوداؤد شریف ص: ۲۹۸، ج: ۱، باب بقیۃ نسخ المراجعۃ بعد التطلیقات الثلاث، مطبوعہ سعد بکڈپو دیو بند۔

005+5

اجازھا اھ بذل المجهود[۱] ص:۰۷، ج:۳، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ گمان قائم نہیں کیا جاسکتا، کہ وہ اپنے نقل کردہ مقولہ کے خلاف فتویٰ دیں گے۔

امام ابوداؤد اپنی سنن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ پہلے یہ طریقہ تھا کہ تین طلاق کے بعد رجعت کی جاتی تھی، پھر آیت الطلاق مرّتان الخ کے ذریعہ حق رجعت کو دو طلاق تک محدود کر کے تیسری طلاق کے بعد حق رجعت کو منسوخ کر دیا گیا، اس کو بیان کرنے کیلئے باب منعقد کیا ہے: باب نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث[۲] اس کے ذیل میں نقل کیا ہے: عن ابن عباس رضی اللہ عنہ وَالمطلقات يتربصن بانفسهن ثلاثة قروء وَلا يحل لهن ان يكتمن مَا خلق الله في ارحامهن. (الآية) وذٰلك ان الرجل كان اذا طلق امرأته فهو احق برجعتها وان طلقها ثلاثاً فنسخ ذٰلك فقال الطلاق مرتان الآية اھ بذل المجهود[۳] ص:۱۱، ج:۳، یعنی تین طلاق کے بعد بھی رجعت کی اجازت تھی، جس کو آیت "الطلاق مَرَّتَان" نے منسوخ کر دیا، ایسا نہیں تھا کہ تین طلاق دینے پر ایک ہی ہوتی ہو، ہاں یہ بات تھی کہ تین طلاق کے بعد حق رجعت تھا، نزولِ آیت کے بعد وہ حق ختم ہوگیا، ابن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ روایت قرآن کریم کے موافق ہے، احادیث کے موافق ہے، اجماعِ سلف کے موافق ہے، خود ابن عباس رضی اللہ عنہ کے فتویٰ کے موافق ہے، اس کے برعکس ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت کردہ مقولہ (کہ تین طلاق ایک تھی) ان سب کے خلاف ہے، اگر شراح کے پیش کردہ اشکالات کے باوجود اس مقولہ کو صحیح تسلیم کرلیا جائے، تو اسکا ایک بہت ہی ظاہر اور بے غبار مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دیتا تھا، اور کہتا تھا کہ میں نے پہلا لفظ طلاق کیلئے کہا ہے، دوسرا اور تیسرا لفظ محض تاکید کیلئے کہا ہے، طلاق کیلئے نہیں کہا، تو زمانہ خیر القرون میں سلامتِ صدر اور غلبہ صدق کی بناء پر اسکا قول قبول کرلیا جاتا، اور اس کو حق رجعت دیدیا جاتا تھا،

---

[۱] بذل المجهود ص:۲۷۸، ج:۳، مطبوعہ رشیدیہ سہارنپور، باب بقية نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث۔

[۲] ابوداؤد شریف ص:۲۹۸ ج:۱، باب نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث، سعد بکڈپو دیوبند۔

[۳] بذل المجهود ص:۲۷۰، ج:۳، كتاب الطلاق بيان الاختلاف في الطلاقات الثلاث الخ مطبوعہ رشیدیہ سہارن پور۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دَور میں طلاق کے واقعات بکثرت پیش آنے لگے، نیز صدق میں بھی کمی محسوس کی گئی تو انہوں نے اعلان فرمادیا کہ آئندہ کوئی شخص اس طرح طلاق دے گا، یعنی تین لفظوں سے طلاق دے تو وہ تین ہی شمار ہوں گی، نیت تاکید کا (قضاءً) اعتبار نہ ہوگا، اصل یہی ہے کہ تین لفظ سے تین ہی طلاق کا حکم ہو، تین کا ایک ہونا تو خلافِ اصل ہے، اصل سے عدول کر کے تاکید کی نیت کا اعتبار کرنے کی جو وجہ تھی، (سلامتِ صدر اور غلبہ صدق) وہ موجود نہیں رہی، اس لئے ان الفاظ کا جو اصل موضوع لہٗ ہے، وہی متعین کر دیا گیا۔[1]

دوسری دلیل، حدیث رکانہ ہے کہ ان کو تین طلاق کے بعد حق رجعت دیا گیا اس پر محدثین نے کلام کیا ہے، کہ یہ واقعہ رکانہ کا ہے، یا ابو رکانہ کا۔ نیز اس کی سند میں بعض راوی ایسے ہیں، جن کی روایت ضعیف ومعلول ہے۔[2] سب سے قطع نظر اصل واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے صراحۃً تین طلاق نہیں دی تھی، بلکہ طلاقِ البتۃ دی تھی، اور اس وقت طلاقِ البتہ بھی تین طلاق کے موقع پر استعمال ہوتی تھی، جیسا کہ سنن دارقطنی[3] ص: ۴۳۳ کے مرفوع حدیث اوپر گذر چکی ہے اسلئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے حلف دے کر پوچھا کہ تم نے ایک کا ارادہ کیا تھا، جب انہوں نے حلف سے بیان کیا کہ میرا

---

[1] قال ابن سریج وغیرہ یشبه أن یکون فی تکریر اللفظ کأن یقول، أنت طالق، أنت طالق، أنت طالق، وکانوا اوّلاً علی سلامة صدورهم یقبل منهم أنهم ارادوا التاکید فلما کثر الناس فی زمن عمر رضی اللہ عنہ وکثر فیهم الخداع ونحوہ مما یمنع قبول من ادعی التأکید حمل عمر رضی اللہ عنہ اللفظ علی ظاهر التکرار فامضاہ علیهم. بذل المجهود ص۲۷۱ ج۳ کتاب الطلاق بیان الاختلاف فی الطلاقات الثلاث مطبوعه یحیوی سهارنپور۔

[2] أخرجه ابوداؤد ورواہ أحمد والحاکم وهو معلول بابن اسحاق فإنه فی سنده. نیل الأوطار ص۱۲-۱۱ ج۴ کتاب الطلاق باب ما جاء فی طلاق البتة الجزء السابع مطبوعه دار الفکر بیروت. وقد اجابوا باربعة اشیاء احدها أن محمد بن اسحاق وشیخه مختلف فیهما الخ بذل المجهود ص۲۷۰ ج۳ کتاب الطلاق باب الاختلاف فی الطلاقات الثلاث الخ مطبوعه یحیوی سهارنپور فتح الباری ص۴۵۶ ج۱۰ باب من أجاز طلاق الثلاث مطبوعه نزار مصطفی مکه مکرمه۔

[3] سنن الدار قطنی ص:۱۳، ج:۲، حدیث:۳۹۰۰، کتاب الطلاق، مطبوعه دار الفکر بیروت۔

005+5

ارادہ ایک ہی طلاق کا تھا، تب ان کو رجعت کا اختیار دیا گیا، ترمذی شریف[1] ص: ۱۴۰، ج: ۱، میں ہے، عن عبد اللہ ابن یزید ابن رکانہ عن ابیہ عن جدّہٖ قال اتیتُ النبی صَلَّی اللہ علیہ وَسَلَّمَ فقلت یا رسول اللہ اِنّی طَلَّقْتُ امرأتی البتۃ فقال مَا اردت بہا فقلت واحدۃً قال وَاللہ قلتُ واللہ قال فھو ما اردت اھ۔ اسی کو امام ابوداؤد[2] نے اصح کہا ہے، ص: ۷۰، ج: ۳،[3] جس روایت میں "طلقھا ثلاث" ہے، وہ روایت بالمعنیٰ ہے، اس لئے کہ البتہ بھی ثلاثاً کے معنیٰ میں مستعمل ہوتا تھا، اس البتہ میں اختلاف ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کو ایک قرار دیتے ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ تین قرار دیتے ہیں، امام ثوری رحمۃ اللہ علیہ اور اہلِ کوفہ نیت پر مدار رکھتے ہیں، ایک کی نیت کی ہو تو ایک، تین کی نیت کی ہو تو تین، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ دو کی نیت بھی معتبر مانتے ہیں، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سب اقوال نقل کئے ہیں: وقد اختلف اھل العلم من اصحابِ النبی صَلَّی اللہ علیہ وسلم وغیرھم فی طلاق البتۃ فروی عن عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ انہٗ جعل البتۃ واحدۃً وروی عن علی رضی اللہ عنہ انہٗ جعلھا ثلاثاً وقال بعض اھل العلم فیہ نیۃ الرجل ان نویٰ واحدۃ فواحدۃ وان نویٰ ثلاثاً فثلاث وان ثنتین لم یکن الاّ واحدۃً وھو قول الثوری رحمہ اللہ واھل الکوفۃ وقال مالک ابن انس رضی اللہ عنہ فی البتۃ ان کان قد دخل بہا فھی ثلاث تطلیقات وقال الشافعی رحمہ اللہ ان نویٰ واحدۃً فواحدۃ یملک الرجعۃ وان نویٰ ثنتین فثنتین وان نویٰ ثلاثاً فثلاثاً اھ (ترمذی[4] شریف ص: ۱۴۰، ج: ۱) الحاصل نہ حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ مفیدِ مطلب ہے،

---

[1] ترمذی شریف ص:۱۴۰، ج:۱، باب ماجاء فی الرجل طلق امرأته البته، مطبوعه دیوبند۔

ترجمہ: -عبد اللہ ابن یزید ابن رکانہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں وہ اپنے دادا سے کہ مجھے نبی علیہ السلام کے پاس لایا گیا میں نے کہا اے اللہ کے رسول میں نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دی ہے تو آپ نے فرمایا تو نے کتنی طلاق کا ارادہ کیا ہے میں نے کہا ایک کا آپؐ نے فرمایا بخدا میں نے کہا بخدا تو آپ علیہ السلام فرمایا اتنی ہی طلاق ہوئی جتنا تو نے ارادہ کیا۔

[2] ابوداؤد شریف ص:۲۹۸، ج:۱، باب بقیة نسخ المراجعة بعد التطلیقات الثلاث، مطبوعه سعد بکڈپو دیوبند۔

[3] بذل المجهود ص:۲۷۸، ج:۳، کتاب الطلاق بیان الاختلاف فی الطلاقات الثلاث مطبوعه رشیدیه سهارن پور۔

[4] ترمذی شریف ص:۱۴۰، ج:۱، باب ماجاء فی الرجل طلق امرأته البته، مطبوعه دیوبند۔

نہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا نقل کردہ مقولہ تین کو ایک بنانے کیلئے کافی ہے۔

تین کا تین ہونا اصل کے بھی مطابق ہے، ائمہ اربعہ کا یہی متفقہ مسلک مختار ہے،[1] ائمہ اربعہ کا مذہب عین حدیث کے موافق ہونے کی وجہ سے "اذا صح الحدیث فهو مذهبی" پورے طور پر صادق ہے، پھر بوقتِ ضرورت دوسرے امام کے مذہب پر فتویٰ کی بحث اس جگہ بے محل ہے، علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلہ میں سب ائمہ سے الگ اور منفرد ہیں، ان کے اقران اہل علم ان کے مخالف ہیں، سب نے ہی ان پر رد کیا ہے، ملاحظہ کیجئے، السنن الکبریٰ[2]، فتح الباری[3]، عینی[4] وغیرہ۔ علامہ ابن القیم نے اغاثۃ اللھفان میں اس پر تفصیلی بحث کی ہے، اور اپنے استاذ کی جانب سے دفاع کی کوشش کی ہے، مگر وہ کوشش میں ناکام رہے، حتی کہ خود ان کے تلمیذ علامہ ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے استاذ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے، ان کے مزعومہ دلائل کو توڑ دیا اور مستقل کتاب تصنیف کی ہے، جس کا نام ہے "بیان مشکل الاحادیث الواردۃ فی ان الطلاق الثلاث طلقۃ واحدۃ" تین طلاق کو ایک قرار دے کر بہر صورت حق رجعت دینا کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اجماع سلف صالحین فتاویٰ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین، ائمہ اربعہ سب کے خلاف ہے، کوئی گنجائش نہیں، اس طرح بغیر حلالہ کے اگر کوئی شخص نکاح کرے گا تو وہ نکاح نہیں ہوگا، بلکہ نکاح کے نام پر نہایت غلط اور شرمناک فحش کام ہوگا، اللہ پاک اس سے محفوظ رکھے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہٗ العبد محمود غفرلہٗ دارالعلوم دیوبند ۱۹/ ۳/ ۹۰ھ

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہٗ دارالعلوم دیوبند ۱۹/ ۳/ ۹۰ھ

---

[1] وذهب جمهور الصحابة رضی اللہ عنہ والتابعين ومن بعدهم من ائمة المسلمين إلى أنه يقع ثلاث، شامی زکریا ص۴۳۳ ج۴ کتاب الطلاق۔

[2] السنن الکبری ص:۳۳۳، ج:۷، باب ماجاء فی امضاء الطلاق الثلاث وان کن مجموعات۔

[3] فتح الباری ص:۴۵۵، ج:۱۰، مطبوعہ نزار مکہ مکرمہ، باب من اجاز طلاق الثلاث۔

[4] عمدۃ القاری ص۲۳۳ ج۹، باب من اجاز طلاق الثلاث الخ الجزء العشرون مطبوعہ دار الفکر بیروت۔

005+5

ضمیمہ

سائل نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مقلد ہونے کے باوجود تین طلاق سے بیوی پر حرمتِ مغلظہ ہونے کی تقدیر پر اہلِ حدیث ہونے کا ارادہ ظاہر کیا ہے، اور فاضل مجیب نے دیگر ائمہ کے مذہب پر فتویٰ دینے کی رہنمائی بھی کی ہے، یہ بحث یہاں بے محل ہے، اس لئے کہ حرمتِ مغلظہ ہوجانا صرف امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اجتہادی واستنباطی مسئلہ نہیں ہے بلکہ قرآن کریم سے ثابت ہے، حدیث شریف سے ثابت ہے، اجماع سے ثابت ہے، تاہم مسئلہ انتقالِ مذہب پر بھی روشنی ڈالنا ضروری ہے، کیونکہ سائل صرف اس مسئلہ میں اہلِ حدیث کی رائے پر عمل کی اجازت کا خواہشمند نہیں، بلکہ مستقلاً تبدیل مذہب کیلئے آمادہ ہے، جو شخص مجتہد نہ ہو، اسمیں صفات وشرائط اجتہاد موجود نہ ہوں اسکے ذمہ تقلید ضروری ہے۔[1] (یہ مسئلہ اپنی جگہ پر مدلل ومبرہن ہے) ایسا شخص اگر ایک مجتہد کی تقلید اختیار کرنے کے بعد اپنی وسعتِ نظر اور تحقیق کی بناء پر کسی دوسرے امام مجتہد کے مذہب کو اقرب الی الکتاب اور اوفق بالسنۃ پاتا ہو اور دلائل کی قوت وضعف اور احادیث کے محامل کو پورے طور پر پہچانتا ہو اور ناسخ ومنسوخ کو جانتا ہو، جرح وتعدیل، شرح غریب، رفع تعارض، جمع روایات وترجیح راجح سے بخوبی واقف ہو، اسانید پر گہری نظر رکھتا ہو، اجماعی مسائل اسکو محفوظ ہوں تو اس کیلئے جذبۂ دیانت کے تحت جائز ہے کہ وہ امامِ سابق کے مسلک سے دوسرے امام کے مسلک کی طرف رجوع کرسکتا ہے اور مسلک قدیم پر جو عمل کرچکا ہے، اسکا وہ عمل ضائع نہیں ہوگا، اور مسلکِ جدید کے تحت اگر وہ صحیح نہیں تھا تو اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں اسی طرح اگر مسلک قدیم کے تحت کوئی حرمت متحقق ہوچکی ہے، تو مسلکِ جدید اختیار کرنے سے وہ حرمت مرتفع نہیں ہوگی، غرض گذشتہ کسی عمل پر اسکا اثر نہیں ہوگا، شرح تحریر[2] وفواتح الرحموت[3] وغیرہ میں اس کی بحث موجود ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہٗ العبد محمود غفرلہٗ

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیوبند ۱۹/ ۳/ ۹۰ھ

---

[1] غیر المجتهد المطلق ولو کان عالماً یلزمه التقلید لمجتهد ما فیها لا یقدر علیه من الاجتهادیات فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت ص۴۳۴ ج۲، طبع دار الکتب العلمیة بیروت۔

[2] التحریر علی هامش التحریر والتبحر ص:۳۵۰، ج:۳، غیر المجتهد یلزم التقلید۔ مطبوعہ مصر۔

[3] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت ص:۴۳۷، ج:۲، دار الکتب العلمیہ بیروت۔

تین طلاق کے بعد رکھنے والے کے احکام

(امامت جنازہ معاشرہ وغیرہ)

سوال:-(۱) زید نے بقائم ہوش وحواس معزز ین شہر کے سامنے بجبر واکراہ تین طلاق دیدی، آیا وہ دوبارہ اس مطلقہ کو رکھ سکتا ہے، یا نہیں، نکاح کرسکتا ہے، اگر کرسکتا ہے، تو کن شرائط کے ساتھ؟

(۲) اگر زید مذکور تین طلاق کے بعد تجدید نکاح کرے اور دلیل میں یہ کہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ایسا کرنا جائز ہے، اس لئے میں نے ایسا کیا، کیا یہ قول اس کا معتبر ہے؟

(الف) کیا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ یا کسی اور امام کا یہ مسلک ہے، کہ تین طلاق کے بعد تجدید نکاح کر کے مطلقہ کو رکھے؟

(ب) مقلد امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہو کر ایسا کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

(ج) ایسے شخص کے ساتھ معاشرت خورد ونوش مصاحبت وغیرہ کرنا کیسا ہے۔

(د) اگر یہ شخص مرجائے تو اس کی نماز جنازہ پڑھنا چاہئے یا نہیں؟

(ہ) ایسے شخص کی امامت کیسی ہے؟

(و) کیا اس کا کوئی کفارہ ہوسکتا ہے؟

(ز) اگر وہ لوگوں کے بتلانے کے بعد بھی اس بیوی کو مثل منکوحہ سمجھے تو عام مسلمانوں کو اس کے ساتھ کیا معاملہ رکھنا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً

(۱) اس پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی[۱] اب اس سے نکاح حرام ہے، "حَتّٰی تَنۡکِحَ زَوۡجًا غَیۡرَهٗ" (الآیۃ[۲])

---

[۱] ویقع طلاق کل زوج بالغ عاقل ولو عبداً أو مکرهاً فإن طلاقه صحیح أی طلاق المکره. الدر المختار علی الشامی زکریا ص۴۳۸ ج۴ کتاب الطلاق، مطلب فی الإکراه علی التوکیل بالطلاق والنکاح والعتاق، بحر ص۲۴۵ ج۳ کتاب الطلاق، مطبوعه الماجدیه کوئٹه. هدایه مع فتح القدیر ص۴۸۸ ج۳ کتاب الطلاق فصل ویقع طلاق کل زوج مطبوعه دار الفکر بیروت۔

[۲] سورہ بقرہ آیت:۲۳۰،

ترجمہ:- یہاں تک کہ وہ اس کے سوا ایک اور خاوند کے ساتھ نکاح کرے۔

(۲) اگر کوئی شخص بیک لفظ تین طلاق دے مثلاً کہے: "اَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا" تو یہ طلاق مغلظہ باتفاق ائمہ اربعہ واقع ہو جاتی ہے[۱]، امام شافعی کا اس میں اختلاف نہیں انکے نزدیک بھی تجدید نکاح (بغیر حلالہ) کافی نہیں لہٰذا زید کا قول غلط ہے، ایسا شخص ائمہ اربعہؒ اور اجماع اور نص قطعی کے خلاف کرتا ہے، جب تک کہ شخص مذکور عورت مذکورہ سے قطع تعلق نہ کرے اور اپنی اس حرکت سے سچی توبہ نہ کرے اس سے معاشرت ومجالست ترک کردی جائے، تاکہ وہ تنگ آکر اپنی حالت شریعت کے مطابق بنائے، اسکے جنازہ کی نماز ضرور پڑھی جائے[۲] البتہ اگر کوئی مقتدا شخص اس غرض سے اس کے جنازہ کی نماز میں شریک نہ ہو، کہ لوگوں کو عبرت ہو اور وہ ایسے کام نہ کریں، تو گنجائش ہے۔

زید مذکور کی امامت بھی مکروہ تحریمی ہے[۳]، یہی کفارہ بھی ہے کہ عورت مذکورہ کو علیحدہ کردے اور خدا کے سامنے رو کر سچی توبہ کرے، اس نکاح کے دوام پر اصرار سخت خطرناک ہے، اس مسئلہ پر مستقل رسائل الاعلام المرفوعۃ فی حکم الطلقات المجموعۃ اور الازہار المربوعہ وغیرہ بھی تصنیف ہوئے ہیں جن میں استدلال بالحدیث کی حیثیت سے کافی بحث کی گئی ہے: وذهب جمهو الصحابة والتابعين ومن بعدهم من ائمة المسلمين الى انه يقع ثلاث قال فى الفتح بعد سوق الاحاديث الدالة عليه وهذا يعارض ما تقدم واما امضاء عمر الثلاث عليهم مع عدم مخالفة الصّحابة له

[۱] وذهب جمهور الصحابة والتابعين ومن بعدهم من ائمة المسلمين الى انّه يقع ثلاث شامی زکریا ص:۴۳۳، ج:۴، مطبوعه کراچی ص:۲۳۳، ج:۳، کتاب الطلاق، فتح القدير ص۴۶۹ ج۳ باب طلاق السنة، مطبوعه دار الفكر بيروت۔

[۲] وهى فرض على كل مسلم مات خلا اربعة بغاة وقطاع وكذا مكابر فى مصر ليلاً بسلاح وخناق لا يصلى على قاتل احد ابويه۔ الدر المختار على الشامى زکریا ص:۱۰۷، ج:۳، مطبوعه کراچی ص:۲۱۰، ج:۲، مطلب فی صلاة الجنازة.

[۳] ويكره امامة عبد وفاسق ومبتدع اى صاحب بدعة وفى الشامية بل مشى فى شرح المنية على ان كراهة تقديمه كراهة تحريم۔ شامی زکریا ص:۲۹۹، ج:۲، مطبوعه کراچی ص:۵۶۰، ج:۱، باب الامة قبيل، مطلب البدعة خمسه اقسام۔

وعلمه بأنها كانت واحدة فلا يمكن الا وقد اطلعوا فى الزمان المتأخر على وجود ناسخ أولعلمهم بانتهاء الحكم لذلك لعلمهم بأناطته بمعان علموا انتفاؤها فى الزمن المتاخر وقول بعض الحنابلة توفى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن مائة الف عين رأته فهل صح لكم عنهم او عن عشر عشر عشرهم القول بوقوع الثلاث باطل؟ أما اولا فإجماعهم ظاهر لأنه لم ينقل عن أحد منهم أنه خالف عمر رضی اللہ عنہ حين امضى الثلاث ويلزم فى نقل الحكم الاجماعى عن مائة الف تسمية كل فى مجلد كبير لحكم واحد على أنه إجماع سكوتى واما ثانيا فالعبرة فى نقل الإجماع نقل ما عن المجتهدين والمائة الف لا يبلغ عدة المجتهدين الفقهاء منهم اكثر من عشرين كالخلفاء والعبادلة وزيد بن ثابت ومعاذ بن جبل وانس وابى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه والباقون يرجعون اليهم ويستفتون منهم وقد ثبت النقل عن اكثرهم صريحاً بايقاع الثلاث ولم يظهر لهم مخالف فما ذا بعد الحق الا الضلال وعن هذا قلنا لو حكم حاكم بأنها واحدة لم ينفذ حكمه (لانه) لايسوغ الاجتهاد فيه فهو خلاف اھ شامی[1] ص: ۵۵۶، ج: ۲۔

اعلاء السنن جلد ۱۱ر کے اخیر میں اس مسئلہ پر نہایت مبسوط و مدلل کلام کیا ہے: من شاء البسط فليراجع اليه۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہٗ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ

معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور ۱۸ر شوال ۶۶ھ

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہٗ

صحیح: عبد اللطیف مظاہر علوم سہارن پور ۱۹ر شوال ۶۶ھ

[1] شامی کراچی ص ۲۳۳ ج ۳، مطبوعہ زکریا ص ۴۳۳ ج ۴، کتاب الطلاق۔ مطلب طلاق الدور۔

قابل ذکر شہادت

مولانا مفتی سید محمد سلمان منصور پوری زید مجدہم تحریر فرماتے ہیں!

اخیر میں ہم اس بحث سے متعلق مشہور غیر مقلد عالم مولانا ابوسعید شرف الدین دہلوی کی منصفانہ شہادت نقل کرتے ہیں جس سے مسئلہ کی حقیقت پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ملاحظہ کریں:

یہ (تین طلاق کو ایک ماننے کا) مسلک صحابہ، تابعین وتبع تابعین وغیرہ ائمہ محدثین ومتقدمین کا نہیں ہے، یہ مسلک سات سوسال بعد کے محدثین کا ہے، جو شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ کے پابند اوران کے معتقد ہیں۔ یہ فتویٰ شیخ الاسلام نے ساتویں صدی کے آخر یا وائل آٹھویں میں دیا تھا تو اس وقت کے علماء نے ان کی سخت مخالفت کی تھی۔نواب صدیق حسن خاں صاحب نے "اتحاف النبلاء" میں جہاں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے تفردات لکھتے ہیں۔اس فہرست میں طلاق ثلاثہ کا مسئلہ بھی لکھا ہے کہ جب شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے تین طلاق کے ایک مجلس میں ایک طلاق ہونے کا فتویٰ دیا تو بہت شور ہوا۔شیخ الاسلام اوران کے شاگرد ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ پر مصائب برپا ہوئے۔ان کو اونٹ پر سوار کرکے درے مار مار کر شہر میں پھرا کر توہین کی گئی۔قید کئے گئے اس لئے کہ اس وقت یہ مسئلہ علامت روافض کی تھی۔(اتحاف،ص:۳۱۸،بحوالہ عمدۃ الاثاث:۱۰۳)

سعودی عرب کے اکابر علماء کا فیصلہ

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ سعودی عرب کی اعلیٰ ترین فقہی مجلس ہیئتہ کبار العلماء نے ۱۳۹۳ھ میں پوری بحث وتمحیص کے بعد بالا تفاق یہ فیصلہ کیا ہے کہ ایک وقت میں دی گئی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوں گی، یہ پوری بحث اور مفصل تجویز مجلۃ البحوث الاسلامیہ ۱۳۹۷ھ میں ۱۵۰/ صفحات میں شائع ہوئی ہے جو اس موضوع پر ایک وقیع علمی دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔اس فیصلہ میں سعودی عرب کے جو اکابر علماء شریک رہے ہیں ان کے اسماء گرامی ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:(۱) شیخ عبدالعزیز بن باز رحمۃ اللہ علیہ (۲) شیخ عبداللہ بن حمید رحمۃ اللہ علیہ (۳) شیخ محمد امین الشنقیطی () شیخ سلیمان

بن عبید (۵) شیخ عبداللہ خیاط (۶) شیخ محمد حرکان (۷) شیخ ابراہیم بن محمد آل الشیخ (۸) شیخ عبدالرزاق عفیفی (۹) شیخ عبدالعزیز بن صالح (۱۰) شیخ صالح بن عضوان (۱۱) شیخ محمد بن جبیر (۱۲) شیخ عبدالمجید حسن (۱۳) شیخ راشد بن حنین (۱۴) شیخ صالح بن لحیدان (۱۵) شیخ محضار عقیل (۱۶) شیخ عبداللہ ابن عذیان (۱۷) شیخ عبداللہ ابن منیع۔ (مجلة البحوث الاسلامیة ریاض جلد:۱، عدد۳، سن ۱۳۹۷ھ، بحوالہ احسن الفتاوی: ۵/۲۲۴، ۳/۲)

تعجب ہے کہ غیر مقلد حضرات جو ہر معاملہ میں حرمین کے علماء کا حوالہ دیتے ہیں اس مسئلہ میں علماء سعودی عرب کی رائے اور موقف کو بالکل نظرانداز کردیتے ہیں حالانکہ علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سے حد درجہ متاثر ہونے کے باوجود علماء سعودی عرب کا اس مسئلہ میں ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے موقف سے عدول کرنا خود اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک میں کوئی قوت نہیں ہے ورنہ سعودی علماء اس سے ہرگز صرف نظر نہ کرتے۔(انتہی)

خلاصۂ کلام

تین طلاق خواہ ایک مجلس میں دی جائیں یا متعدد اوقات میں وہ تین ہی واقع ہوتی ہیں، اور تین طلاق واقع ہوکر حرمت مغلظہ ثابت ہوجاتی ہے۔ بلا حلالہ شرعیہ رجعت یا نکاح کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

یہ حکم قرآن کریم میں صراحۃً موجود ہے، اور یہی حکم بخاری شریف میں بصراحت موجود ہے۔ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حضرات تابعین حضرات فقہاء ائمہ مجتہدین حضرات ائمہ اربعہ حضرات امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد ابن حنبل، امام شافعی رحمہم اللہ سب کا یہی مسلک ہے اسی پر پوری امت کا اجماع ہے۔

سعودی عرب کے تمام اکابر علماء اور مفتیان کرام کا بھی اسی پر اتفاق ہے مگر فرقہ غیر مقلدین عمل بالحدیث کا دعویدار ہوکر قرآن واحادیث پاک وحضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین وحضرات ائمہ اربعہ رحمہم اللہ اور اجماع امت اور تمام سعودی علماء کرام کے برخلاف ایک مجلس کی دی گئیں تین طلاق کو ایک طلاق رجعی قرار دیکر بلا نکاح و بلا حلالہ رجعت کی اجازت دیتا ہے، جس کی گمراہی وضلالت کسی حق

وانصاف پسند پر مخفی نہیں اور جو مسئلہ پوری امت کا اجماعی اور متفق علیہ ہے اس کو عمر کی بدعت قرار دیتا ہے اور اس فرقہ کو یہ بھی احساس نہیں کہ اس اجماعی اور متفق علیہ مسئلہ کو بدعت قرار دینے کی ضد کہاں کہاں پڑے گی۔کیا اس سے پوری امت کا بدعتی ہونا لازم نہیں آتا۔

کیا اس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بدعتی ہونا لازم نہیں آتا پورا دین امت کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے واسطے سے پہنچا ہے، کیا پورے دین سے ہی اعتماد نہیں اٹھ جاتا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنے جامع صحیح بخاری شریف میں سب سے پہلی حدیث حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہی لائے ہیں۔

کیا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ایک بدعتی کی حدیث سے اپنی صحیح بخاری شریف کا آغاز فرمارہے ہیں۔

پھر پوری صحیح بخاری شریف کا ہی کیا اعتماد رہ جاتا ہے اتباع حدیث کا دعویدار یہ فرقہ یہ بھی نہیں سوچتا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقام کیا ہے، اور ہم کس عظیم شخصیت کے بارے میں اپنی زبانیں کھول رہے ہیں۔

آج اس بے لگام فرقہ کا بددین اور جاہل شخص جسے استنجاء تک کرنا نہیں جس نے کسی مکتب یا مدرسہ میں ایک حرف تک نہیں پڑھا اور وہ بے دھڑک امیر المؤمنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ شان میں گستاخی کرتا ہے۔اسے نہیں معلوم امیر المؤمنین خلفۃ المسلمین سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور امیر المؤمنین سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد تمام انسانوں میں سب سے افضل ہیں۔(شرح الفقہ الاکبر:۹۸)

امیر المؤمنین سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:"ماطلعت الشمس علی رجل خیر من عمر" (مستدرك حاكم:۹۶/۳)

[آفتاب نے عمر سے بہتر کسی شخص پر طلوع نہیں کیا]

☆......امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مراد نبی ہیں، کہ ان کے ایمان وہدایت کے لئے سید المرسلین حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی اور اللہ تعالیٰ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول فرمائی اور ان کو ایمان کی دولت سے مشرف فرمایا۔

☆......سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک اس امت میں سب سے محبوب ترین شخصیت امیر المؤمنین

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ہے۔

☆......سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ دوستانہ طریقہ پر ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر چلتے تھے۔

☆......سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے پر آسمان والوں نے خوشی کا اظہار کیا۔

☆......امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے وزیر ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

☆......امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے خسر ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ان کے داماد بنے۔

☆......امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی رائے کے موافق متعدد قرآنی آیات نازل ہوئیں۔

☆......امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ میں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت مبارکہ کی برکت سے صفات نبوت موجود تھیں کہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اگر کوئی نبی ہوتا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہوتے۔

☆......امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایمان لانے کے بعد ہمیشہ سفر وحضر میں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق وساتھی رہے۔

☆......امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تمام غزوات میں شرکت فرمائی۔

☆......کسی موقع پر جانی ومالی قربانی سے دریغ نہیں فرمایا۔

☆......سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہ کو شہادت کی خوشخبری سنائی۔

☆......سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہ کو جنت کی بشارت دی۔

☆......امام الانبیاء سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت میں آپ رضی اللہ عنہ کے محل کو دیکھنے کی بشارت سنائی۔

☆......امام الانبیاء سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہ کے کمال علم اور کمال دین وایمان کی گواہی دی۔

☆......سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے گواہی دی کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی زبان پر حق بولتا ہے۔ ان کی زبان سے خلاف حق کوئی بات نہیں نکلتی۔

☆......سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے گواہی دی کہ حق حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہتا ہے۔

005+5

☆......سید المرسلین ﷺ نے گواہی دی کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جس راستہ کو چلتے ہیں شیطان اس راستہ پر بھی نہیں چلتا سکتا۔(اسی طرح شیطانی خصلت لوگ بھی اس راستہ پر نہیں چل سکتے)

☆......سید المرسلین ﷺ نے آپ رضی اللہ عنہ کے ملہم ہونے کی گواہی دی کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہوتا تھا۔

☆......سید المرسلین ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے اتباع کا حکم فرمایا۔

☆......سید المرسلین ﷺ نے آپ رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ اپنے برابر اور اپنے پہلو میں دفن ہونے کی بشارت دی۔

☆...... امام الانبیائسید المرسلین ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو قیامت میں اپنے ساتھ اٹھنے کی بشارت دی۔

☆......امام الانبیاءسید المرسلین ﷺ کی وفات کے بعد امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کی تحریک سب سے اول آپ رضی اللہ عنہ نے ہی کی، اور سب سے اول آپ رضی اللہ عنہ نے ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بیعت فرمائی۔

☆......تاحیات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ سفر وحضر میں رفیق ومشیر خاص بلکہ وزیر اعظم کی حیثیت سے رہے۔

☆......امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ان کے زمانۂ خلافت میں ہر موقع پر ہر موڑ پر بھرپور مدد کی۔

☆......امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو اپنے بعد کے لئے خلیفہ نامزد فرمایا اور فرمایا:''کہ میں اللہ تعالیٰ سے کہہ دوں گا کہ میں نے تمام لوگوں میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہر لحاظ سے بہتر اور افضل پایا، اس لئے میں نے ان کو اپنا جانشین بنایا ہے۔

☆......آپ رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں اللہ تعالیٰ نے اسلام کو بڑی عزت وعظمت عطا فرمائی۔

☆......آپ نے ہزار سے زائد علاقوں میں اسلام کے جھنڈے گاڑے، اور اس زمین کو اللہ تعالیٰ کی

005+5

توحید وکبریائی اور سید المرسلین ﷺ کی نبوت ورسالت کے نام سے آشنا کیا۔

☆......آپ رضی اللہ عنہ نے عراق، شام، مصر اور ایران کی بڑی بڑی سلطنتوں کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا، اور کوئی طاقت ایسی باقی نہ رہی جو امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قدم مبارک روک سکے۔

☆......بیت المقدس کے عیسائیوں نے آپ رضی اللہ عنہ کا حلیہ مبارکہ دیکھ کر بلا جنگ وجدال پورا شہر آپ رضی اللہ عنہ کے حوالہ کر دیا، اور آپ رضی اللہ عنہ فاتح بیت المقدس کہلائے۔

☆......امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی روحانیت، بہت صاف اور روشن تھی۔

☆......امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ زہد وتقویٰ کے پیکر تھے۔ فکر آخرت اور خشیت الٰہی سے آپ کا قلب بھرا ہوا تھا۔

☆......آپ رضی اللہ عنہ روحانیت کے اس اونچے اور اعلیٰ مقام پر تھے کہ اللہ تعالیٰ آپ رضی اللہ عنہ کے لئے درمیان کے زمینی حجاب تک اٹھا دیتا تھا، اور آپ رضی اللہ عنہ ہزاروں میل دور حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کو آواز دیکر کوئی ہدایت فرماتے اور وہ آواز سن کر اس ہدایت پر عمل پیرا ہوتے تھے۔

☆......آپ رضی اللہ عنہ روحانیت کے اعلیٰ مقام پر تھے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے دریائے نیل کے نام خط لکھا جو خشک ہو چکا تھا، اور بلا بھینٹ کے نہیں چلتا تھا تو وہ ایسی تیزی کے ساتھ چلا کہ اب تک خشک نہیں ہوا۔

☆......ان سب رفعتوں اور بلندیوں کے باوجود آپ رضی اللہ عنہ حد درجہ متواضع تھے، عبدیت اور بندگی آپ رضی اللہ عنہ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، آپ رضی اللہ عنہ خوف وخشیت والی آیات سنتے تو لرز کر رہ جاتے، اور کئی کئی دنوں تک بیمار رہتے تھے۔

☆......ہزارہا میل کے علاقوں پر سلطنت کرنے کے باوجود آپ رضی اللہ عنہ کے بدن پر پیوند لگا کرتا ہوتا تھا، اور لوگ آپ رضی اللہ عنہ کو دن رات رعایا کی خدمت اور ان کی مدد کرتے دیکھتے تھے، راتوں کو پہرا دیتے تھے، مسافروں، بے کسوں، بے بسوں غریبوں، بیواؤں کی مدد کرنا آپ رضی اللہ عنہ کی عام عادت تھی۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو عجیب وغریب کمالات سے نوازہ تھا۔

مگر افسوس صد افسوس کہ غیر مقلدین کا یہ فرقہ بڑی ڈھٹائی سے سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے

005+5

ایمان واخلاق پر نہایت ہی لچر اور بے ہودہ اعتراضات کر کے اپنے ہی ایمان واخلاق کو داؤ پر لگاتا ہے۔

یہ لوگ سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو قرآن کریم وحدیث پاک کی نگاہ سے دیکھنے کے بجائے ان مؤرخین اور طاعنین کی نظر سے دیکھتے ہیں جن کا کام حقائق کو مسخ کرنا اور مسلمانوں میں تفرقہ بازی پیدا کرنا ہے۔ یہ گروہ اپنے مذموم مقاصد کے لئے غلط اور جھوٹے واقعات اور بیانات سے سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بدنام کرتا ہے، اور جب تک ان کی زبان اور ان کا قلم سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو ایمان سے تہی دامن نہ کہہ لے وہاں تک ان کو چین نہیں ملتا۔

یقیناً یہ دشمنان اسلام یہود اور ان کی ذہنیت کی سازشوں کا نتیجہ ہے جس کو خدمت اسلام اور اتباع حدیث کے نام پر انجام دیا جا رہا ہے۔

پس ہر صاحب ایمان کے لئے ضروری ہے کہ اس فرقہ کے مکر وفریب سے اپنے دین واسلام کی حفاظت کریں۔

مراد ما نصیحت بود و کردیم
حوالت باخدا کردیم و رفتیم

وفقنا اللہ و ایاکم لما یحبہ و یرضاہ
صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد
و آلہ وصحبہ و بارك و سلم

محمد فاروق غفرلہ
خادم جامعہ محمودیہ علی پور، ہاپوڑ روڈ، میرٹھ
۱۸؍شوال المکرم ۱۴۳۶ھ

{باب}

(گذشتہ باب کے متعلقات کا بیان)

مشکوۃ شریف میں یہ باب بلا عنوان ہی ہے، البتہ صاحب مرقات ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے عنوان لکھا ہے، "باب فی کون الرقبۃ فی الکفارۃ مؤمنۃ" مقصد یہ ہے کہ اس باب میں وہ حدیث ذکر کی گئی ہے جس میں اس بات کا ذکر ہے کہ کفارہ ظہار میں جو غلام آزاد کیا جائے وہ مسلمان ہو، یہ مسئلہ اگرچہ مختلف فیہ ہے تفصیل احادیث کے ذیل میں ذکر کی جائے گی۔

{الفصل الاول}

کفارہ میں غلام آزاد کرنے کا ذکر

{۳۱۶۰} **عَنْ** مُعَاوِيَةَ بْنِ الْحَكَمِ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ اَتَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ اِنَّ لِيْ جَارِيَةً كَانَتْ تَرْعٰى غَنَمًا لِيْ فَجِئْتُهَا وَقَدْ فَقَدْتُ شَاةً مِنَ الْغَنَمِ فَسَاَلْتُهَا عَنْهَا فَقَالَتْ اَكَلَهَا الذِّئْبُ فَاَسِفْتُ عَلَيْهَا وَ كُنْتُ مِنْ بَنِيْ آدَمَ فَلَطَمْتُ وَجْهَهَا وَعَلَيَّ رَقَبَةٌ اَفَاُعْتِقُهَا فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيْنَ اللهُ فَقَالَتْ فِي السَّمَاءِ فَقَالَ مَنْ اَنَا فَقَالَتْ اَنْتَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْتِقْهَا۔ (رواہ مالك) وَفِيْ رِوَايَةِ مُسْلِمٍ قَالَ كَانَتْ لِيْ جَارِيَةٌ تَرْعٰى غَنَمًا لِيْ قِبَلَ اُحُدٍ وَالْجَوَّانِيَّةِ فَاَطَّلَعْتُ ذَاتَ يَوْمٍ فَاِذَا الذِّئْبُ قَدْ ذَهَبَ

بِشَاةٍ مِنْ غَنَمِنَا وَأَنَا رَجُلٌ مِنْ بَنِي آدَمَ آسَفُ كَمَا يَأْسِفُوْنَ لٰكِنْ صَكَكْتُهَا صَكَّةً فَأَتَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَظَّمَ ذَالِكَ عَلَيَّ قُلْتَ يَا رَسُوْلَ اللهِ اَفَلاَ اُعْتِقُهَا قَالَ أَئْتِنِيْ بِهَا فَاَتَيْتُهٗ بِهَا فَقَالَ لَهَا اَيْنَ اللهُ قَالَتْ فِي السَّمَاءِ قَالَ مَنْ اَنَا قَالَتْ اَنْتَ رَسُوْلُ اللهِ قَالَ اَعْتِقْهَا فَاِنَّهَا مُؤْمِنَةٌ۔

حوالہ: مؤطا امام مالک: ۲۲۶، باب مایجوز من العتق، کتاب العتق، م سلم شریف: ۱/۲۰۳، باب تحریم الکلام فی الصلاۃ، کتاب المساجد، حدیث نمبر: ۵۳۷۔

ترجمہ: حضرت معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میری ایک باندی تھی جو میری بکریاں چراتی تھی، میں اس کے پاس گیا تو میں نے ریوڑ سے ایک بکری گم پائی، میں نے اس کے بارے میں اس سے دریافت کیا تو اس نے کہا کہ اس بکری کو بھیڑیے نے کھالیا ہے، اس پر افسوس ہوا، کیونکہ میں بھی بہر حال انسان ہی ہوں اور میں نے اس کے چہرے پر تھپڑ مار دیا، میرے ذمہ ایک غلام آزاد کرنا ہے، کیا میں اس کو آزاد کردوں، یہ سن کر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باندی سے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟ اس نے کہا کہ آسمان میں، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ میں کون ہوں؟ اس باندی نے کہا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، یہ سنکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو آزاد کردو۔ (مالک) مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ ایک صاحب نے کہا کہ میری باندی تھی جو کہ احد اور جوانیہ کی جانب میری بکریاں چراتی تھی، ایک دن مجھے یہ خبر ملی کہ ریوڑ سے بھیڑیا ایک بکری کو لے گیا ہے، چونکہ میں بھی آدمی ہی ہوں، لہٰذا مجھے بھی ویسا ہی افسوس ہوا جیسا کہ دیگر لوگوں کو ہوتا ہے لیکن میں نے باندی کو ایک زوردار تھپڑ رسید کردیا، پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملہ کو میرے حق میں بڑا اہم سمجھا تو میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا میں اس باندی کو آزاد کردوں؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو میرے پاس لے آؤ، تو میں اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ کہاں ہے، اس نے کہا کہ آسمان میں، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ میں کون ہوں؟ اس نے کہا کہ آپ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، یہ سنکر آپ

نے فرمایا: کہ اس کو آزاد کردو یہ بلاشبہ مؤمنہ ہے۔

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ کفارہ ظہار میں جو غلام آزاد کیا جائے اس کا مسلمان ہونا بہتر ہے، اس باندی کے اسلام کو جانچنے کے لئے ہی آنحضرت ﷺ نے سوالات فرمائے تھے، جب اس نے جوابات دے دیئے تو آنحضرت ﷺ نے اس کے مسلمان ہونے کے لئے اعلان کے ساتھ اس کو آزاد کرنے کی تاکید فرمائی۔

وکنت من بنی آدم: باندی کو تھپڑ مارنے پر اظہار معذرت کرتے ہوئے کہا کہ بشری تقاضہ کیوجہ سے میں نے مارادیا "علی رقبۃ" اس کا حاصل یہ ہے کہ میرے اوپر کسی دوسری وجہ سے غلام آزاد کرنا پہلے سے واجب ہے، "افاعتقھا" یعنی کیا میں اس باندی کو آزاد کردوں تاکہ پہلے سے جو میرے اوپر کفارہ ہے وہ بھی ادا ہو جائے، اور باندی کو جو تھپڑ مارا ہے اس کی تلافی بھی ہو جائے، "فقال لھا این اللہ" آنحضرت ﷺ نے اس باندی کے دین کے بارے میں معلومات کیلئے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کہاں ہیں، مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی تجلیات اور اسکی قدرت کے ظاہر ہونیکی اہم جگہ کہاں ہے، "فقالت فی السماء" جواب کا حاصل یہ ہے کہ میں آسمان والے کی عبادت کرتی ہوں، یعنی میں مسلمان ہوں بعض شارحین نے نقل کیا ہے کہ وہ باندی گونگی تھی اور "فقالت فی السماء" سے مراد "اشارت الی السماء" ہے، یہی وجہ ہے کہ امام شافعی کے نزدیک کفارہ میں گونگے غلام کو آزاد کرنا درست ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی ذات مکان اور جہت وغیرہ سے پاک ہے، اور وہ ہر جگہ ہے ارشاد باری ہے "وھو معکم اینما کنتم" (سورۃ الحدید، آیت:۵۷) وہ تمہارے ساتھ ہے، چاہے تم جہاں ہو، ایک دوسری جگہ ہے "ونحن اقرب الیہ من حبل الورید" (سورۃ ق، آیت:۵۰) ہم انسان کے شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں، "فقال من انا" آنحضرت ﷺ نے اپنے بارے میں دریافت کیا: تو اس نے بتایا کہ آنحضرت ﷺ اللہ کے رسول ہیں گویا اس نے کلمہ طیب کے دونوں جزوں کا اقرار کیا، "اعتقھا" آنحضرت ﷺ نے اسکو آزاد کرنے کی اجازت دے دی۔ (مرقاۃ:۶/۴۱۴)

سوال: کیا کفارہ میں غلام کی آزادی کیلئے مسلمان ہونا ضروری ہے؟

جواب: حنفیہ کے نزدیک مسلمان ہونا بہتر ہے، البتہ بعض ائمہ کے نزدیک ضروری ہے۔ (مرقاۃ:۶/۴۱۴)

{باب اللعان}

لعان کا بیان

اس باب کے تحت بیس روایتیں درج کی گئی ہیں جو حکم لعان، شرائط لعان، طریقہ لعان اور ثبوت نسب وغیرہ احکام پر مشتمل ہیں۔

عام قاعدہ تو یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی پر زنا کی تہمت لگائے تو وہ تہمت لگانا والا شہود کے ذریعہ اپنے دعوی کو ثابت کرے اور اگر ثابت نہ کر سکے تو پھر اس پر حد قذف جاری ہوتی ہے، لیکن زوجین کا حکم یہ نہیں ہے، مرد اگر اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے اور چار گواہ نہ پیش کر سکے تو پھر حد قذف کے بجائے شوہر پر لعان واجب ہے، اور اگر وہ لعان کے لئے تیار نہ ہو تو اس کو قید کیا جائے گا، یہاں تک کہ لعان کرے یا پھر اپنے نفس کی تکذیب کرے، اور تکذیب نفس کی صورت میں عورت کے مطالبہ پر اس پر حد قذف جاری ہوگی، تو یہاں حد قذف تکذیب کی صورت میں ہے کہ زوج خود اپنی تکذیب کردے بہرحال لعان مرد کے حق میں گویا حد قذف کے قائم مقام ہے، اور عورت کے حق میں حد زنا کے قائم مقام ہے۔

لعان کے لغوی معنی: لعان باب مفاعلۃ کا مصدر ہے جس کے معنی ایک دوسرے پر لعنت کرنا، دھتکارنا، دور کرنا ہیں۔

لعان کی حقیقت

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ حقیقت لعان کے بارے میں حنفیہ اور جمہور کا اختلاف ہے، حنفیہ کے نزدیک لعان کی حقیقت شہادات مؤکدات بالایمان ہے اور عند الجمہور اس کی حقیقت ایمان مؤکدات بلفظ الشہادت ہے یعنی ہمارے نزدیک تو شہادت کے قبیل سے ہے اور جمہور کے نزدیک ایمان کی قبیل سے ہے، اسی لئے ہمارے نزدیک زوجین میں اہلیت شہادت کا ہونا ضروری ہے "فیجری اللعان عندنا

بین المسلمین العاقلین البالغین، وعند الجمهور یجری بین السلم وامرأته الکافرة ای الکتابیة، وبین العبد وامرأته وبالعکس" حنفیہ کی تائید ظاہر قرآن سے ہوتی ہے "لقوله تعالیٰ والذین یرمون ازواجهم... فشهادة احدهم اربع شهادات بالله الخ"

(الدر المنضود:۱۲۵/۴، عمدۃ القاری:۲۹۰/۲۰)

وجہ تسمیہ

چونکہ میاں بیوی ہر ایک رحمت سے دور ہو جاتے ہیں یا ہر ایک دوسرے سے ہمیشہ کے لئے دور ہو جاتے ہیں بناء بریں اس کو لعان کہا گیا ہے، یا اس وجہ سے کہ اسکے اندر لفظ لعنت کا استعمال من جانب الزوج ہوتا ہے۔۔

اشکال مع جواب

اب سوال یہ ہے کہ اس کے اندر غضب کا بھی تو استعمال ہوتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ لفظ لعنت مقدم ہوتا ہے اور مقدم اشرف ہوتا ہے اس لئے اس کے ساتھ نام رکھا گیا اب دوسرا سوال یہ ہے کہ عورت کے لئے لفظ غضب وارد ہوا اور مرد کے لئے لفظ لعنت کیوں خاص کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عورت چونکہ زیادہ گڑبڑ کرتی ہے اور لفظ غضب زیادہ اشد ہے اسلئے اس کے لئے یہی مناسب ہے۔

لعان میں حکمت

لعان کے نازل ہونے سے پہلے حد زنا اور حد قذف کے احکام نازل ہو چکے تھے، جن کا تقاضا یہ تھا کہ اگر کوئی شخص کسی پر زنا کا الزام لگائے تو دو باتوں میں سے ایک بات اس پر لازم ہو جاتی، یا تو چار گواہوں سے زنا ثابت کرے اگر ثابت کر دے تو جس پر الزام لگایا تھا اس پر حد زنا جاری ہوتی ہے یا چار گواہ پیش نہ کر سکنے کی صورت میں خود الزام لگانے والے پر حد قذف جاری ہوتی، ان احکام کی رو سے اگر کسی کو اپنی بیوی پر زنا کا شبہ ہو، مگر اس کے پاس چار گواہ نہ ہوں تو ایسی صورت میں اگر وہ اپنے اس شبہ کا اظہار

کریگا تو اس پر حد قذف جاری ہونا چاہیئے اس لئے ایسے شخص کو بہت مشکل کا سامنا ہے، اظہار کرے تو مشکل کہ حد قذف لگے گی، اور اظہار نہ کرے تو مشکل ہے اس کا خاموش رہنا غیرت اور فطرت کے خلاف ہے، ایسی صورت میں قرآن کریم میں لعان کی آیات نازل ہوئیں کہ اگر کسی کو اپنی بیوی پر شبہ ہو تو لعان سے اس سے چھٹکارا ہوسکتا ہے۔

شرط صحت: لعان کے درست ہونے کی شرط نکاح صحیح کا ہونا اور زوجیت کا قائم اور باقی رہنا ہے۔

سبب لعان: لعان کا سبب مرد کا اپنی بیوی پر ایسا الزام لگانا ہے کہ وہ الزام اگر وہ کسی اجنبیہ پر لگاتا اور چار گواہوں سے اسے ثابت نہ کر پاتا تو حد قذف واجب ہو جاتی۔

رکن لعان: رکن لعان ایسی چار شہادت ہے جو یمین (قسم) کے ساتھ مؤکد ہو اور "مقرون باللعن و الغضب" ہو یعنی مرد کی جانب سے "مقرون باللعن" ہو اور عورت کی جانب سے مقرون بالغضب ہو۔

اہلیت لعان: جو شخص معاملات میں گواہی دینے کا اہل ہوتا ہے وہی لعان کا بھی اہل ہوتا ہے، اور جو معاملات میں گواہی دینے کا اہل نہیں ہے وہ لعان کا بھی اہل نہیں ہے۔

مشروعیت کا ثبوت: لعان کی مشروعیت قرآن وحدیث سے ثابت ہے، اور اس کی مشروعیت پر پوری امت اسلامیہ کے علماء ربانین کا اتفاق ہے۔

ارشاد باری ہے "والذین یرمون ازواجھم ولم یکن لھم شھداء الا انفسھم فشھادۃ احدھم اربع شھادات باللہ انہ لمن الصادقین، والخامسۃ ان لعنت اللہ علیہ ان کان من الکاذبین" (النور:۶،۷)

جو لوگ اپنی بیویوں پر عیب لگاتے ہیں اور ان کے پاس گواہ نہیں ہیں سوائے ان کی اپنی ذات کے تو ان کو گواہی دینا ہے چار بار اللہ کی قسم کھا کر کہ وہ سچے ہیں اور پانچویں بار یہ کہ ان پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹے ہوں۔

اور حضرت رسول اللہ ﷺ نے حضرت عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ کے اس سوال پر کہ اللہ کے رسول!

007

یہ بتائے کہ ایک شخص اپنی بیوی کے ساتھ ایک آدمی کو مشغول پاتا ہے تو کیا اسے قتل کر دے، اور پھر لوگ اسے (قصاصاً) قتل کر دیں، یا پھر وہ کیا کرے؟ تو حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ تم دونوں میاں بیوی کے حکم کو نازل فرما دیا گیا ہے، جاؤ اور اسے لے کر آؤ، راوی حدیث حضرت سہل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر دونوں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے لوگوں کے مجمع میں لعان کیا، میں بھی وہاں موجود تھا۔

"فقال یارسول اللہ! ارایت رجلا وجد مع امرأته ایقتله فتقتلونه ام کیف یفعل؟ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قد انزل فیك وفی صاحبتك فاذھب فأت بها، قال سھل: فتلاعنا وانا مع الناس عند رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم"

(بخاری ۷۹۹ / ۲، باب اللعان ومن طلق بعد اللعان)

طریقہ لعان

لعان کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ زوج شروع میں قسم کھا کر اس طرح گواہی دیتا ہے "انه لمن الصادقین" [یقیناً وہ سچا ہے] (سورہ النور) چار مرتبہ "والخامسة ان لعنة اللہ علیه ان کان من الکاذبین" اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ اگر میں (اپنے الزام میں) جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو، (سورۃ النور) اس کے بعد عورت کا نمبر آتا ہے وہ کہتی ہے اپنے زوج کے بارے میں "انه لمن الکاذبین" یقیناً وہ جھوٹا ہے، اور پانچویں مرتبہ کہے گی، "ان غضب اللہ علیها ان کان من الصادقین" اگر وہ سچا ہو تو مجھ پر اللہ کا غضب نازل ہو۔ (سورہ النور)

حکم لعان میں علماء کا اختلاف

نیز جاننا چاہئے کہ لعان کے بعد امام زفر اور جمہور کے نزدیک نفس لعان ہی سے ہی فرقت واقع ہو جاتی ہے، اور حنفیہ کے نزدیک نفس لعان سے فرقت واقع نہیں ہوتی بلکہ لعان کے بعد تطلیق زوج سے یا تفریق قاضی سے، اور پھر دوسرا اختلاف یہاں پر یہ ہے کہ طرفین (ابوحنیفہ اور محمد) کے نزدیک یہ فرقت طلاق بائن کے حکم میں ہوتی ہے، اور جمہور علماء اور ائمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسف و زفر کے نزدیک لعان سے

فرقت مؤبدہ پیدا ہو جاتی ہے، ان کے نزدیک یہ طلاق نہیں بلکہ فسخ ہے، جمہور نے استدلال کیا اس لفظ سے جو حدیث لعان میں آتا ہے، "ثم لا یجتمعان ابداً" پھر وہ دونوں کبھی بھی جمع نہیں ہو سکتے۔ اور حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ جب تک وہ دونوں اپنے لعان پر قائم رہیں تو جمع نہیں ہوسکیں گے، ان میں سے کوئی سا ایک اپنی تکذیب کر دے تو یہ حکم نہیں۔

حنفیہ کے دلائل

(۱)......حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث جو مشکوۃ ۲۸۶ر پر آرہی ہے اس کے علاوہ اور بھی یہ حدیث مختلف الفاظ سے، مختلف طرق سے مروی ہے اس کے آخر میں ہے "ثم فرق بینهما" پھر دونوں کے درمیان تفریق فرمادی۔ اگر نفس لعان سے فرقت واقع ہو جاتی تو لعن کے بعد تفریق کی کیا ضرورت تھی؟ صحیحین میں یہ روایت ہے کہ سعید بن جبیر نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ کیا متلاعنین کے درمیان تفریق کی ضرورت ہے، آپ نے ارشاد فرمایا: "سبحان الله نعم" اس کے بعد لعان کا پورا واقعہ ذکر کر کے فرمایا: "ثم فرق بینهما" (نیل الاوطار:۱۹۶/۶)

(۲)......سنن ابی داؤد: ۳۰۶ر میں عویمر العجلانی کا واقعہ حضرت سہیل بن سعد سے نقل کیا گیا ہے اس میں یہ الفاظ ہیں "فطلقها ثلاث تطلیقات عند رسول الله صلی الله علیه وسلم فانفذه رسول الله صلی الله علیه وسلم" پس اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کو تین طلاق دیدیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نافذ فرمایا۔ اس کے بعد ہے "فمضت السنة بعد فی المتلاعنین ان یفرق بینهما ثم لا یجتمعان ابدا" پس متلاعنین کے بارے میں یہ سنت جاری ہوگئی کہ ان دونوں کے درمیان تفریق کر دی جائے پھر کبھی بھی دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔ اس میں تصریح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لعان کے بعد اور تفریق سے پہلے طلاق کا نافذ کیا، یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ تفریق سے پہلے نکاح موجود تھا۔

(۳)... **مشکوۃ شریف:** باب لعان کی پہلی حدیث میں ہے کہ عویمر عجلانی نے لعان کر لینے کے بعد

کہا تھا: "کذبت علیھا یارسول اللہ ان امسکتھا"۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اب اگر میں اس بیوی کو رکھوں تو میں کاذب ہوں گا، یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب کہ ابھی فرقت واقع نہ ہوئی ہو، اگر فرقت واقع ہو چکی ہوتی تو یہ قول محال ہوتا اور آنحضرت ﷺ اس پر سکوت فرما کر اس کی تقریر نہ فرماتے، آنحضرت ﷺ کا تقریر فرمانا واضح دلیل سے پہلے محض لعان سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔

(۴)...... درایت کے لحاظ سے بھی حنفیہ کا موقف راجح ہے کیونکہ لعان کی حقیقت "شھادۃ" ہے ائمہ ثلاثہ کے ہاں گو لعان کی حقیقت حنفیہ کی طرح نہیں ہے، مگر اتنی بات ان کے ہاں بھی مسلم ہے کہ لعان میں شہادت کا عنصر شامل ہے اور ان کے ہاں بھی لعان قاضی کے پاس ہونا ضروری ہے، جب لعان میں زوجین کی شہادت قضاء قاضی میں ہوئی تو ان کا حکم بھی قاضی کے فیصلہ سے ہی مرتب ہونا چاہئے، یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ کس مقدمہ کی مکمل کاروائی قضا قاضی میں ہو اور فیصلہ خود بخود ہو جائے، اس لئے درایت کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ لعان کے بعد تفریق قاضی سے فرقت واقع ہو۔

ایلاء پر قیاس اور اس کا جواب

ائمہ ثلاثہ کی طرف سے ایلا کو لعان پر قیاس کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ جیسے ایلا میں بلا تفریق حاکم تفریق ہو جاتی ہے لعان میں بھی ایسا ہی ہونا چاہئے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ لعان کو ایلا پر قیاس کرنا درست نہیں ہے، لعان کے لئے شرعاً قضا قاضی شرط ہے، اس لئے اس میں تفریق بھی قضا قاضی سے ہونی چاہئے اور ایلا قاضی کی مجلس میں نہیں ہوا تھا، بلکہ اپنے گھر میں ہوا تھا، اس لئے اس کا نتیجہ شرعاً قضا پر موقوف نہیں کیا گیا بلکہ قرآن کریم نے اس کے لئے ایک مدت بیان فرمادی ہے کہ اس کے بعد طلاق واقع ہو جائے گی۔ (اشرف التوضیح: ۲/۴۹۰)

ایک تیسرا اختلاف

پھر ائمہ ثلاثہ کے اندر اس بات میں اختلاف ہے کہ نفس لعان سے جو تفریق واقع ہوتی ہے آیا

اس کے اندر زوج کا لعان معتبر ہے یا زوجہ کے لعان سے ہوگی ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں لعان زوج کے بعد تفریق ہوگی امام مالک اور امام احمد امام زفر کے نزدیک زوج اور زوجہ کے لعان کے بعد تفریق ہوگی۔ ائمہ ثلاثہ کا مستدل ابن عمر رضی اللہ عنہ کی آئندہ آنے والی حدیث ہے کہ آپ نے فرمایا: متلاعنین کو کہ "لا سبیل لك علیها"، ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ ممکن ہے یہ جملہ آپ نے تفریق کے بعد فرمایا ہو چنانچہ ایک روایت کے اندر واقع ہے کہ "ففرق بینهما"، نیز اس باب کی پہلی حدیث کے اندر خود عویمر عجلانی نے کہا کہ "کذبت علیها ان امسکتها فطلقها ثلاثاً"، یعنی انہوں نے اس خوف سے کہ لعان کے بعد کہیں میرے پاس ہی نہ آئے تین طلاقیں واقع کردیں جس سے معلوم ہوا کہ نفس لعان سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔

حالت زنا میں قتل کرنا

اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو حالت زنا میں دیکھے تو اس کو قتل کرسکتا ہے یا نہیں؟ اس میں کافی تفصیل ہے، خلاصہ یہ ہے کہ اگر عین حالت زنا میں دیکھا اور اسی وقت جوش غیرت میں آکر قتل کردیا تو عند اللہ امید ہے کہ مواخذہ نہیں ہوگا احکام دنیا میں اگر زنا گواہوں سے ثابت ہوگیا تو قصاص نہیں ہوگا، اور زنا گواہوں سے ثابت نہ ہوسکا تو قصاص ہوگا۔ (تفصیل کے لئے شامی باب التعزیر دیکھیں، اشرف التوضیح: ۲/۴۹۰)

{الفصل الاول}

لعان کا ایک واقعہ

{۳۱۶۱} عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ إِنَّ عُوَيْمِراً الْعَجْلَانِيَّ قَالَ يَارَسُوْلَ اللهِ اَرَأَيْتَ رَجُلاً وَجَدَ مَعَ اِمْرَاَتِهٖ رَجُلاً اَيَقْتُلُهٗ فَتَقْتُلُوْنَهٗ اَمْ كَيْفَ يَفْعَلُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ

007

اُنْزِلَ فِيْكَ وَفِيْ صَاحِبَتِكَ فَاذْهَبْ فَاْتِ بِهَا قَالَ سَهْلٌ فَتَلَاعَنَا فِي الْمَسْجِدِ وَاَنَا مَعَ النَّاسِ عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا فَرَغَا قَالَ عُوَيْمِرٌ كَذَبْتُ عَلَيْهَا يَا رَسُوْلَ اللهِ اِنْ اَمْسَكْتُهَا فَطَلَّقَهَا ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُنْظُرُوْا فَاِنْ جَاءَتْ بِهِ اَسْحَمَ اَدْعَجَ الْعَيْنَيْنِ عَظِيْمَ الْاَلْيَتَيْنِ خَدَلَّجَ السَّاقَيْنِ فَلَا اَحْسِبُ عُوَيْمِرًا اِلَّا قَدْ صَدَقَ عَلَيْهَا وَاِنْ جَاءَتْ بِهِ اُحَيْمِرَ كَاَنَّهٗ وَحَرَةٌ فَلَا اَحْسِبُ عُوَيْمِرًا اِلَّا قَدْ كَذَبَ عَلَيْهَا فَجَاءَتْ بِهِ عَلَى النَّعْتِ الَّذِيْ نَعَتَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ تَصْدِيْقِ عُوَيْمِرٍ فَكَانَ بَعْدُ يُنْسَبُ اِلٰى اُمِّهٖ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۶۹۵، باب والذین یرمون ازواجھم، کتاب التفسیر، حدیث نمبر: ۴۷۴۵، مسلم شریف: ۱/۴۸۸، باب اللعان ومن طلق بعد اللعان، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۵۳۰۸۔

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا فرماتے ہیں آپ اس شخص کے بارے میں جس نے اپنی بیوی کے پاس کسی آدمی کو پایا، پھر اگر وہ اس کو قتل کر دیے تو کیا آپ لوگ اس کو قتل کریں گے؟ یا پھر وہ کیا کام کرے؟ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تمہارے اور تمہاری بیوی کے بارے میں حکم نازل ہو چکا ہے، لہٰذا تم جاؤ اپنی بیوی کو لے کر آجاؤ، حضرت سہل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان دونوں لوگوں نے لعان کیا اور میں لوگوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مسجد کے اندر حاضر تھا، جب دونوں فارغ ہو گئے تو حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے کہا اے اللہ کے رسول! اگر میں اس کو روکے رکھوں تو گویا میں نے اس پر غلط الزام لگایا، چنانچہ انہوں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ دیکھتے رہنا، اگر لڑکا سیاہ رنگ کا بڑی آنکھوں والا، موٹے کولہے والا، گوشت سے بھری پنڈلیوں والا جنے تو میں نہیں گمان کرتا مگر یہی کہ عویمر نے اپنی بیوی کے بارے میں سچ کہا ہے، اور اگر لڑکا ایسا جنا جو سرخ رنگ ہو، گرگٹ کی طرح ہو تو پھر میرا یہی خیال ہے کہ عویمر نے اپنی بیوی پر غلط الزام لگایا

ہے، اس کے بعد اس عورت کے یہاں جو بچہ پیدا ہوا وہ انہی صفات کے مطابق تھا جن صفات کو رسول اللہ ﷺ نے عویمر کی تصدیق کے لئے بیان کیا تھا، چنانچہ اس لڑکے کو اس کی ماں کے جانب منسوب کیا جاتا تھا۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: مصنف نے اس باب میں لعان سے متعلق دو قصے ذکر کئے ہیں، اولاً عویمر بن اشقر العجلانی رضی اللہ عنہ کا قصہ، ثانیاً ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کا قصہ، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عویمر کو اپنی بیوی کے بارے میں پہلے ہی سے کچھ قرائن کی وجہ سے شک وشبہ تھا لیکن ابھی تک فاحشہ کا وقوع نہیں ہوا تھا، اس لئے انہوں نے اپنی بیوی کے حال کے پیش نظر ایک شخص سے جس کا نام عاصم بن عدی ہے جو قبیلہ عجلان کے سرداروں میں سے تھا، عویمر نے اس سے اپنے شک وشبہ کا اظہار کیا اور یہ کہا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی کو زنا کرتے ہوئے دیکھے تو اب وہ شخص اگر اس کو قتل کر دے تو لوگ قصاص میں اس کو قتل کریں گے، تو اب کرے تو کیا کرے۔

روایت میں یہ ہے کہ اگر وہ شخص کچھ بولے تو تم اس پر حد قذف جاری کر دو گے، اور اگر وہ قتل کر دے تو تم اس کو قتل کر دو گے، "وان سکت سکت علی غیظ"۔ یعنی اگر خاموش رہتا ہے تو اندر ہی اندر غصہ میں جلے بھنے گا۔

اس لئے اے عاصم! میرے اس مسئلہ کو حضور ﷺ سے دریافت کرو، اس پر عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے اس مسئلہ کے بارے میں دریافت کیا، روایت میں یہ ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ کو ان کا یہ سوال ناگوار گذرا، بظاہر اس لئے کہ سوال قبل از وقت حاجت پیش آنے سے پہلے تھا، اور جبکہ اس کا تعلق بھی ایک قبیح چیز سے تھا، جس میں ایک مسلمان کی ہتک حرمت اور پردہ دری ہے، روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے عاصم سے بہت زائد ناگواری کا اظہار فرمایا جس کو عاصم نے محسوس کیا، جب عاصم لوٹ کر اپنے گھر گئے تو عویمر نے ان سے جا کر دریافت کیا کہ حضور نے کیا فرمایا: عاصم نے جواب دیا کہ تم نے میرے ساتھ اچھا معاملہ نہیں کیا اور میرے ذریعہ ایسی بات آنحضرت ﷺ سے دریافت کرائی جس سے آپ کو ناگواری ہوئی، اس پر عویمر نے کہا کہ چاہے کچھ ہو مجھے اس کا حکم حضور سے دریافت کرنا ہی ہے چنانچہ آگے روایت میں ہے کہ عویمر یہی بات دریافت کرنے کے لئے حضور

اقدس ﷺ کی مجلس میں پہنچ گئے جب کہ وہاں دوسرے لوگ بھی موجود تھے، اور جا کر وہی سوال کیا جو عاصم کے ذریعہ کرایا تھا، اس کے بعد اس روایت میں ہے: "فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم قد انزل فيك وفي صاحبتك" یعنی عویمر کے سوال کرنے پر آپ نے ارشاد فرمایا: کہ تم دونوں میاں بیوی کے اس معاملہ کے بارے میں قرآن میں حکم نازل ہو چکا ہے، لہٰذا تو اپنی بیوی کو بلا کر لا۔

جاننا چاہیئے کہ آنحضرت ﷺ کو اس سے قبل عاصم کے سوال کرنے پر ناگواری ہوئی تھی، اور اس مرتبہ خود عویمر کے دریافت کرنے پر آپ کو ناگواری نہیں ہوئی، جس کی وجہ یہ ہے کہ عاصم کا سوال پیشگی، وقوع فاحشہ سے پہلے تھا، اور خود عویمر کا سوال وقوع فاحشہ کے بعد تھا۔ (الدر المنضود: ۱۲۵/۴)

آیات لعان کا نزول کس کے قصہ میں ہوا؟

پھر اس کے بعد جاننا چاہیئے کہ اس بارے میں روایات مختلف ہیں کہ آیات لعان کا نزول کس کی وجہ سے ہوا موجودہ روایت سے معلوم ہو رہا ہے کہ قصہ عویمر کی وجہ سے ہوا، اور آگے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ نزول لعان ہلال بن امیہ کے قصہ کی وجہ سے ہوا، اس اختلاف کی توجیہ حافظ ابن حجر نے اس طرح بیان کی ہے کہ صورت حال یہ ہے کہ اولاً اس کے بارے میں سوال آنحضرت ﷺ سے عاصم نے کیا تھا، جس پر حضور اکرم ﷺ کو ناگواری ہوئی تھی۔ اس کے بعد ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کی بیوی کے زنا کا قصہ پیش آیا وہ یہ ماجرا دیکھ کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، چونکہ اس وقت تک بھی نزول لعان نہیں ہوا تھا، اس لئے آپ نے ان سے فرمایا: "البينة او حد في ظهرك" کہ یا تو زنا پر شہود پیش کرو، ورنہ حد قذف جاری ہوگی، اس پر انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ کسی شخص کی بیوی زنا کر رہی ہو اور وہ شاہد تلاش کرتا پھرے عینی شہادت دینے کے لئے، حضور ﷺ نے پھر بھی ارشاد فرمایا: "البينة والا حد في ظهرك" اس پر انہوں نے عرض کیا: "والذي بعثك بالحق اني لصادق ولينزلن الله في امري ما يبرئ ظهري من الحد فنزلت والذين يرمون ازواجهم" یعنی ہلال نے آپ سے عرض کیا کہ واللہ میں صحیح کہہ رہا ہوں (بیوی

کے زنا کے بارے میں) اور مجھے اللہ کی ذات سے پوری امید ہے کہ وہ اس کے بارے میں کوئی ایسا حکم نازل فرمائیں گے، جس کی وجہ سے میں حد قذف سے بری ہو جاؤں گا، چنانچہ فوراً آیت لعان نازل ہوگئی۔

آپ نے دیکھا کہ اس روایت میں تصریح ہے کہ ہلال کا سوال فاحشہ کے پیش آنے کے بعد ہوا تھا اور اس پر نزول لعان فوراً ہوگیا، لہٰذا جو روایت ہمارے یہاں چل رہی ہے عویمر کے قصہ کی اس میں یہ کہا جائے گا، کہ عاصم جب حضور ﷺ سے سوال کر کے چلے گئے تو اب اس کے اور دوبارہ عویمر کے سوال کرنے کے درمیان ہلال کا واقعہ پیش آگیا، جس میں نزول حکم بھی ہوا، اس کے بعد عویمر جب اس قصہ میں مبتلا ہو گئے یعنی بیوی کے زنا کے اور پھر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اپنا مسئلہ لے کر تو اس پر حضور ﷺ نے ان سے فرمایا جو یہاں روایت میں ہے، "قد انزل فیك و فی صاحبتك قرآن" یعنی تم جیسے قصہ کے بارے میں حکم نازل ہو چکا ہے، حاصل یہ ہے کہ عاصم اور عویمر دونوں کے سوالوں کے درمیان ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ پیش آگیا جس میں نزول لعان ہوا اور یہ درمیان میں پیش آنے والا واقعہ یہاں موجودہ روایت میں اختصاراً ذکر سے رہ گیا۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کی بیوی کے قصہ کے بارے میں تو تصریح ہے کہ وہ شریک بن سحماء کے ساتھ پیش آیا لیکن عویمر بن اشقر کی بیوی کے زنا کے بارے میں زانی کی تصریح یہاں کسی روایت میں تو نہیں ہے، لیکن حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک تقریر میں یہ ہے کہ دونوں قصوں میں زانی شریک بن سحماء ہی ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

نیز جاننا چاہئے کہ عویمر کے سوال میں یہ ہے کہ "ایقتله فیقتلونه" اس پر بذل المجہود میں یہ لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی کو زنا کرتے ہوئے دیکھ لے اور وہ اس زانی کو قتل کر دے تو اس صورت میں جمہور کی رائے یہ ہے کہ اس قاتل کو بھی قصاصاً قتل کر دیا جائیگا کیونکہ یہ قتل بغیر شہود کے ہے، ہاں اگر بینہ قائم ہو جائے یا زانی کے ورثاء اعتراف کرلیں زنا کا تو پھر اس صورت میں قصاص نہیں، یہ حکم تو قضاءً تھا، اور دیانۃً "وفیما بینه وبین الله تعالیٰ" اس پر اس کا کوئی گناہ نہیں، اس کے صادق ہونے کی صورت میں۔ (الدر المنضود: ۴/۱۲۵)

فلما فرغا قال عویمر: کذبت علیها یارسول الله ان امسکتها فطلقها عویمر

ثلاثا الخ: یعنی لعان سے فارغ ہونے کے بعد عویمر بن اشقر نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ یہ سب کچھ زنا ولعان پیش آنے کے بعد اگر اس عورت کو میں اپنے پاس رکھتا ہوں تو اس کے معنی یہ ہوں گے، کہ میں نے اس پر زنا کا غلط الزام لگایا تھا، مطلب یہ ہے کہ اب میں اس عورت کو اپنے پاس ہرگز رکھنا نہیں چاہتا وہ اب اس قابل ہی نہیں ہے، چنانچہ یہ کہہ کر عویمر نے اس کو تین طلاقیں دیدیں، اس روایت سے طرفین کی تائید ہو رہی ہے اس مسئلہ میں جو شروع میں گذر چکا ہے کہ عند الجمہور وابو یوسف لعان ہی سے فرقت واقع ہو جاتی ہے، اور طرفین کے نزدیک قاضی تفریق کرے یا خود زوج طلاق دے۔ چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث پر ترجمہ قائم کیا ہے، "باب اللعان ومن طلق بعد اللعان" حافظ کہتے ہیں کہ ترجمہ الباب میں اشارہ ہے اس اختلاف کی طرف کہ لعان میں نفس لعان سے فرقت واقع ہو جاتی ہے یا تفریق حاکم سے یا تطلیق زوج سے؟ امام مالک وشافعی فرماتے ہیں کہ فرقت نفس لعان سے واقع ہو جاتی ہے اور سفیان ثوری اور ابو حنیفہ اور ان کے متبعین فرماتے ہیں کہ بغیر تفریق حاکم کے فرقت واقع نہیں ہوتی، وعن احمد روایتان، اور عثمان بتی کہتے ہیں کہ فرقت صرف ایقاع زوج سے واقع ہوتی ہے۔

اوجز میں بدائع سے "فکانت تلك سنة المتلاعنین" کی شرح میں لکھا ہے یعنی ہوگیا زوج کا طلاق دینا لعان کے بعد متلاعنین کا طریقہ، اس لئے عویمر نے لعان کے بعد اپنی زوجہ کو تین طلاقیں دی۔ حضور ﷺ کے سامنے پس آپ نے اس تطلیق کو نافذ فرمایا: لہٰذا ہر ملاعن پر واجب ہے یہ بات کہ وہ طلاق دے اور اگر اس نے طلاق نہیں دی تو اس صورت میں قاضی زوج کے قائم مقام ہوگا تفریق میں، اور یہ تفریق قاضی حکم میں طلاق کے ہوگی۔ حضور ﷺ نے عاصم بن عدی سے فرمایا: کہ زوجہ عویمر جس نے لعان کیا ہے اس کو اپنے پاس ٹھہراؤ یہاں تک کہ ولادت سے فارغ ہو، آپ نے عاصم کو اس بات کا حکم اس واسطے دیا کہ وہ اپنی قوم کے بڑے اور سردار تھے، نیز اس عورت کو ان سے قرابت بھی تھی۔ والحدیث اخرجه احمد مطولا۔ (تکملۃ المنہل)

قوله: انظروا فان جاءت به اسود الخ: مطلب اس کا یہ ہے کہ جب بچہ پیدا ہو تو دیکھا جائے کہ کس سے زیادہ مشابہ ہے؟ عویمر عجلانی سے زیادتی مشابہ ہے یا اس سے جس پر عویمر عجلانی نے زنا کا الزام لگایا ہے، اگر عویمر سے زیادہ مشابہ ہوا تو میرا گمان یہ ہے کہ عویمر کا الزام درست نہیں اور اگر اس شخص

سے مشابہ ہو جس پر زنا کا الزام لگایا تو میرے خیال میں عویمر کا الزام درست ہے اور اس کی بیوی کاذب ہے بچے کا کسی سے مشابہ ہونا شرعی حجت تو نہیں مگر اطمینان کا ذریعہ ضرور ہے، آنحضرت ﷺ نے کوئی حکم شرعی شباہت پر موقوف نہیں رکھا، بلکہ لعان پر سارا دارومدار رکھا، چنانچہ لعان کی وجہ سے زوج سے حد قذف اور زوجہ سے حد زنا ساقط ہوگئی، زوج سے بچہ کا نسب منقطع ہو کر ماں کی طرف منسوب ہوا تاہم محض اطمینان کیلئے فرمایا: کہ بچے کی شکل وصورت کی شباہت سے عویمر اور اس کی زوجہ کے صدق وکذب کا اندازہ ہو جائے گا، چنانچہ بعد میں بچے کی شباہت نے عویمر کی تصدیق کی۔

اسحم: سیاہ، ادعج العینین، دعج: کا معنی ہے آنکھوں کے سیاہ حصہ کا سخت سیاہ ہونا، خدلج الساقین: لام کی تشدید اور فتحہ کے ساتھ موٹی پنڈلی والا، احیمر: احمر کی تصغیر ہے، وحرۃ: چھپکلی کی طرح سرخ رنگ کا جانور ہے، بچے کی سرخ ہونے میں اسکے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ (مرقاۃ:۶/۴۱۹)

لعان سے زوجین میں تفریق

{۳۱۶۲} **وَعَنِ** ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لاَعَنَ بَيْنَ رَجُلٍ وَامْرَأَتِهِ فَانْتَفٰى مِنْ وَلَدِهَا فَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا وَاَلْحَقَ الْوَلَدَ بِالْمَرْأَةِ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) وَفِيْ حَدِيْثِهِ لَهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَظَهُ وَذَكَّرَهُ اَخْبَرَهُ اَنَّ عَذَابَ الدُّنْيَا اَهْوَنُ مِنْ عَذَابِ الْآخِرَةِ ثُمَّ دَعَاهَا فَوَعَظَهَا وَذَكَّرَهَا وَاَخْبَرَهَا اَنَّ عَذَابَ الدُّنْيَا اَهْوَنُ مِنْ عَذَابِ الْآخِرَةِ۔

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۸۰۱، باب یلحق الولد بالملاعنۃ، کتاب الطلاق، حدیث ۵۳۱۵۔ مسلم شریف: ۱/۴۹۰، کتاب اللعان، حدیث نمبر: ۱۴۹۴۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص اور ان کی بیوی کے درمیان لعان کرایا، تو وہ مرد اس عورت کے لڑکے سے دور ہوگیا، چنانچہ ان کے درمیان آنحضرت ﷺ نے تفریق کرادی، اور لڑکے کو عورت کے حوالہ کردیا۔ (بخاری ومسلم) اور ابن عمر رضی اللہ عنہ ہی کی بخاری ومسلم میں روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کو نصیحت کی اور

اس کو یہ بات یاد دلائی اور اس سے مطلع کیا کہ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے ہلکا ہے۔ پھر آنحضرت ﷺ نے عورت کو بلایا اس کو بھی نصیحت کی اور آخرت کا عذاب یاد دلایا اور آگاہ کیا کہ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب کے مقابلہ میں ہلکا ہے۔

تشریح: اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے یہاں پیدا ہونے والے بچہ کا انکار کررہا ہے تو یہ گویا کہ بیوی پر زنا کا الزام عائد کررہا ہے، ایسی صورت میں شوہر اگر گواہ نہیں پیش کرسکتا ہے، تو پھر لعان کرا کے دونوں کے درمیان تفریق کردی جائیگی، اس حدیث سے یہ اچھی طرح معلوم ہوا کہ محض لعان سے تفریق نہیں ہوتی، بلکہ لعان کے بعد قاضی تفریق کریگا،

فانتفی من ولدہا: منکوحہ سے جو بچہ پیدا ہوگا، وہ ثابت النسب ہوگا، انتفاء نسب بغیر لعان کے نہیں ہوگا، اور اگر شوہر اپنی بیوی کے ولد کی نفی کرتا ہے تو اس سے انتفاء ہونے نہ ہونے میں اختلاف ہے۔

جمہور کا مذہب: جمہور ائمہ کے نزدیک انکار ولد کی صورت میں لعان ہوگا، اور لعان کے بعد بچہ ماں کی طرف منسوب ہوگا۔

دلیل: پہلی حدیث باب ہی ہے کہ "الحق الولد بالمرأۃ" کہ آنحضرت ﷺ نے لعان کے بعد بچہ کی نسبت باپ سے ہٹا کر ماں کی طرف کردی، دوسری دلیل گذشتہ حدیث ہے جس میں صاف صراحت ہے کہ "ینسب الی امہ" بچہ ماں کی طرف منسوب کیا گیا۔

شعبی کا مذہب: بعض لوگوں کے نزدیک اگر شوہر نے اپنی بیوی کے لڑکے کی نفی کی ہے تو اس سے انتفاء نہیں ہوگا اور لعان بھی درست نہ ہوگا۔

دلیل: آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ "الولد للفراش وللعاہر الحجر" بچہ فراش کی طرف ہی منسوب ہوگا، لہٰذا لعان کے ذریعہ بچہ کی نفی کرنا صحیح نہیں ہے۔

جواب: مطلب یہ ہے کہ محض رنگ کی بنیاد پر لڑکے کی نفی کرنا جائز نہیں ہے، یا پھر حدیث کا مقصود زمانہ جاہلیت کے طرز کی نفی ہے، زمانہ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ زانی کے دعویٰ پر حرامی بچہ کا نسب اسی زانی سے ثابت ہوتا تھا، اس حدیث میں اسی دستور کی نفی کی گئی ہے، یہ مقصد نہیں ہے کہ ثبوت نسب کے لئے فراش

ہونا کافی ہے، اگر مضبوط دلائل سے زنا کا ثبوت ہے، تو نسب کی نفی بھی درست ہے اور لعان بھی ہوگا۔

سوال: کیا نفی ولد کے لئے کچھ شرائط بھی ہیں؟

جواب: نفی ولد کے لئے عندالاحناف درج ذیل شرائط ذکر کی جاتی ہیں:

(۱)......تفریق حاکم، (۲)......قرب ولادت یعنی بچہ کی پیدائش کے معاً بعد یا ایک دو روز کے اندر شوہر نے بچہ کی نفی کی ہو، (۳)......نفی سے پہلے ثبوت نسب کا اقرار نہ کیا ہو، (۴)...... بوقت تفریق بچہ زندہ ہو اگر بعد الموت نفی کی تو نسب منقطع نہ ہوگا، (۵)......تفریق کے بعد عورت اسی حمل سے دوسرا بچہ نہ جنے، (٦)......کسی وجہ سے ثبوت نسب کا شرعاً حکم نہ کیا گیا ہو۔ (فتح القدیر)

ففرق بینہما: لعان کرنے والوں کے درمیان جب حاکم تفریق کریگا، تب ہی تفریق ہوگی، گذشتہ حدیث میں اس بات کی صراحت ہے کہ لعان کے بعد عویمر عجلانی نے اپنی بیوی کو طلاق دی تھی، اور آنحضرت ﷺ نے اس کو نافذ فرمایا تھا اگر محض لعان سے تفریق ہو جاتی تو عویمر کا یہ عمل باطل ٹھہرتا اور آنحضرت ﷺ اس کی توثیق نہ کرتے، معلوم ہوا کہ جس عورت سے لعان ہوا ہے، اس عورت سے عدت گذرنے کے بعد دوسرا شخص اسی وقت شادی کرسکتا ہے جب کہ لعان کرنے والے شوہر نے لعان کے بعد اسکو طلاق دی ہو یا پھر قاضی نے دونوں کے درمیان تفریق کردی ہو، بعض ائمہ محض لعان کو زوجین کے درمیان فریق کے لئے کافی سمجھتے ہیں، "ان عذاب الدنیا اھون من الآخرۃ" یقینا دنیا کا عذاب آخرت کے مقابلہ میں بہت آسان ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی پر زنا کا جھوٹا الزام لگاتا ہے اور پھر اپنی غلطی کا اعتراف کرتا ہے تو اس کی سزا حد قذف ہے لیکن اپنے جرم کا اعتراف کرنے کے بجائے اپنی بات پر اڑا رہ کر لعان کرتا ہے تو وہ دنیا کی سزا سے تو بچ جائے گا، لیکن آخرت کی سزا جھیلنی ہوگی اسی طرح اگر کسی عورت سے زنا کا صدور ہوتا ہے اور وہ اعتراف کرتی ہے تو اس کے لئے رجم ہے انکار کرکے لعان کرتی ہے تو دنیا کی سزا سے تو بچ جائے گی لیکن آخرت کی سزا کا سامنا کرنا ہوگا آنحضرت ﷺ نے نصیحت کرکے اور اس بات کو یاد دلا کر کہ دنیا کا عذاب ہلکا ہے دونوں کو اس بات پر آمادہ کیا کہ جو سچ بات ہے اس کا اعتراف کرلو۔

لعان میں مہر کی واپسی

{۳۱۶۳} **وَعَنْهُ** اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لِلْمُتَلَاعِنَیْنِ حِسَابُکُمَا عَلَی اللّٰہِ اَحَدُکُمَا کَاذِبٌ لَا سَبِیْلَ لَکَ عَلَیْھَا قَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ مَالِی قَالَ لَا مَالَ لَکَ اِنْ کُنْتَ صَدَقْتَ عَلَیْھَا فَھُوَ بِمَا اسْتَحْلَلْتَ مِنْ فَرْجِھَا وَاِنْ کُنْتَ کَذَبْتَ عَلَیْھَا فَذَاکَ اَبْعَدُ وَاَبْعَدُ لَکَ مِنْھَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۸۰۵/۲، باب المتعة اللتی لم یفرض لھا، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۵۳۵۰، مسلم شریف: ۴۹۰/۱، کتاب اللعان، حدیث نمبر: ۱۴۹۳۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لعان کرنے والوں کے بارے میں فرمایا کہ تم دونوں کا حساب اللہ کے ذمہ ہے، تم میں سے ایک تو بہر حال جھوٹا ہے، اب بیوی پر تمہارا کوئی حق نہیں ہے، عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میرا مال، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے لئے کوئی مال نہیں ہے، اگر تم نے عورت کے حوالہ سے سچ کہا ہے تو تم نے مال کے ذریعہ سے عورت کی شرمگاہ کو اپنے لئے حلال کیا اور اگر تم نے اس سلسلہ میں جھوٹ بولا ہے تو یہ تم سے بہت دور ہے، بہت ہی زیادہ دور ہے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: حسابکما علی اللہ: چوں کہ لعان کرنے والوں میں سے ایک جھوٹا ہے، لہٰذا اللہ کے یہاں یہ جھوٹ کھلے گا، اور اس کا صحیح فیصلہ ہوگا، "لا سبیل" یعنی لعان اور تفریق کے بعد زوجین ایک دوسرے کے لئے حرام ہو جاتے ہیں "مالی" مقصد یہ تھا کہ مہر کی صورت میں جو مال میں نے اپنی بیوی کو دیا ہے اس کو واپس لے سکتا ہوں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لا مال لك" یعنی تمہارا کوئی مال اس کے پاس نہیں ہے، اور اس کی علت یہ بیان کی کہ اگر جو الزام تم نے لگایا ہے وہ درست ہے تو چوں کہ تم نے اس سے وطی کی ہے لہٰذا تمہارا مال اس کا بدل ہو گیا، اور اگر تم نے جھوٹا الزام لگایا ہے تو اس صورت میں تو بدرجہ اولی تم کو مہر واپس نہیں ملے گا، علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا مقصد

یہ تھا کہ اگر تم سچے ہو تو عورت کی شرمگاہ مال کے عوض تمہارے لئے حلال ہو چکی ہے، لہٰذا تمہارا مطالبہ بعید ہے اور اگر تم جھوٹے ہو تو تمہارا مطالبہ بہت ہی بعید ہے۔ (طیبی: ۳۸۴/۶)

تکذیب کے بعد اقرار کا حکم

لا سبیل لک علیہا: اس مسئلہ کے اندر اختلاف ہے کہ لعان کے بعد اگر ایک نے تکذیب کا اقرار کر لیا تو آیا دونوں جمع رہ سکتے ہیں یا تفریق ابدی ہو جائے گی، ائمہ ثلثہ کے یہاں اجتماع نہیں ہوگا، امام صاحب اور امام احمد کی ایک روایت ہے کہ جمع ہو سکتے ہیں ائمہ ثلاثہ کا استدلال اسی حدیث سے ہے ایسے ہی "المتلاعنین لا یجتمعان" سے ہے ہماری طرف سے جواب ہے کہ یہ لعان کرنے کے وقت پر محمول ہے، دوسرا جملہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے، کہ "لا مال لك" وہ عورت دو حال سے خالی نہیں یا تو مدخول بہا ہے یا مدخول بہا نہیں ہے، اول صورت کے اندر اس سے مال نہیں لیا جائے گا، اور ثانی صورت کے اندر نصف مہر اس کو دیکر باقی واپس لیا جائے گا، یہی ائمہ اربعہ کا مذہب ہے۔

(تقریر حضرت شیخ زکریا قدس سرہ)

آیات لعان کا شان نزول

{۳۱۶۴} **وَعَنِ** ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّ هِلَالَ بْنَ اُمَيَّةَ قَذَفَ اِمْرَاَتَهٗ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَرِيْكِ بْنِ سَحْمَاءَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْبَيِّنَةُ اَوْحَدٌّ فِيْ ظَهْرِكَ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللهِ اِذَا رَأٰى اَحَدُنَا عَلٰى اِمْرَاَتِهٖ رَجُلًا يَنْطَلِقُ يَلْتَمِسُ الْبَيِّنَةَ فَجَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْبَيِّنَةَ وَاِلَّا حَدٌّ فِيْ ظَهْرِكَ فَقَالَ هِلَالٌ وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ اِنِّيْ لَصَادِقٌ فَلَيُنْزِلَنَّ اللهُ مَايُبَرِّئُ ظَهْرِيْ مِنَ الْحَدِّ فَنَزَلَ جِبْرِيْلُ وَاَنْزَلَ عَلَيْهِ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ فَقَرَأَ حَتّٰى بَلَغَ اِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِيْنَ فَجَاءَ هِلَالٌ فَشَهِدَ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اللهَ يَعْلَمُ اَنَّ اَحَدَكُمَا كَاذِبٌ

فَهَلْ مِنْكُمَا تَائِبٌ ثُمَّ قَامَتْ فَشَهِدَتْ فَلَمَّا كَانَتْ عِنْدَ الْخَامِسَةِ وَقَفُوْهَا وَقَالُوْا إِنَّهَا مُوْجِبَةٌ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَتَلَكَّأَتْ وَنَكَصَتْ حَتّٰى ظَنَنَّا أَنَّهَا تَرْجِعُ ثُمَّ قَالَتْ لَا أَفْضَحُ قَوْمِيْ سَائِرَ الْيَوْمِ فَمَضَتْ وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبْصِرُوْهَا فَإِنْ جَاءَتْ بِهٖ أَكْحَلَ الْعَيْنَيْنِ سَابِغَ الْأَلْيَتَيْنِ خَدَلَّجَ السَّاقَيْنِ فَهُوَ لِشَرِيْكِ ابْنِ سَحْمَاءَ فَجَاءَتْ بِهٖ كَذٰلِكَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ لَا مَا مَضٰى مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ لَكَانَ لِيْ وَلَهَا شَأْنٌ۔ (رواہ البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۶۹۵/۲، باب ویدرأ عنہا العذاب، سورۃ النور، کتاب التفسیر، حدیث نمبر: ۴۷۴۷۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنی بیوی پر شریک بن سحماء کے ساتھ زنا کاری کا الزام لگایا، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا کہ گواہ پیش کرو، ورنہ تمہارے اوپر حد قذف جاری کی جائے گی، تو انہوں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! جب ہم میں سے کوئی اپنی بیوی کو کسی کے ساتھ بدکاری کرتے دیکھے تو کیا وہ گواہ تلاش کرنے جائے؟ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہی فرماتے رہے کہ گواہ پیش کرو ورنہ تمہاری پیٹھ پر حد جاری کی جائے گی۔ ہلال نے عرض کیا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے بلا شبہ میں سچا ہوں، لہٰذا اللہ تبارک وتعالیٰ ضرور ایسا حکم نازل فرمائیں گے، جو میری پیٹھ کو حد سے بری کر دے گا، چنانچہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ حکم نازل کیا، "الذین یرمون الخ" جو لوگ اپنی بیویوں پر تہمت لگاتے ہیں، انہوں نے پڑھا، یہاں تک پہنچ گئے، "ان کان من الصادقین" اگر وہ سچے ہیں، حضرت ہلال آئے اور انہوں نے گواہی دی اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ جانتے ہیں کہ تم میں سے ایک جھوٹا ہے، پس کیا تم میں سے کوئی توبہ کرتا ہے؟ پھر عورت کھڑی ہوئی اور اس نے گواہی دی، پھر جب وہ پانچویں گواہی پر پہنچی تو لوگوں نے اس کو روکا اور کہا کہ یہ واجب کرنے والی ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ ہچکچائی اور رکی، یہاں تک ہم نے سمجھا کہ وہ رجوع

کرلے گی، پھر وہ بولی کہ میں ہمیشہ کے لئے اپنی قوم کو رسوا نہیں کروں گی، اور کہہ گذری، اس کے بعد حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ اس کو دیکھتے رہنا، اگر وہ اس حمل سے سرمگیں آنکھوں والا، بھاری سرینوں والا، اور گوشت سے بھری پنڈلیوں والا بچہ جنے تو وہ شریک بن سمحاء کا ہے، چنانچہ اس عورت نے ایسا ہی لڑکا جنا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ اگر اللہ کی کتاب کا حکم نہ گذر چکا ہوتا تو میرا اس عورت کے سلسلہ میں کچھ اور ہی فیصلہ ہوتا۔ (بخاری)

تشریح: اس حدیث میں آیات لعان کا شان نزول مذکور ہے اصل میں جب آیات قذف نازل ہوئیں، جس میں کسی عورت پر زنا کی تہمت لگانے والے مرد پر لازم کیا گیا کہ یا تو اپنے دعویٰ پر چار گواہ پیش کرے ورنہ اسی (۸۰) کوڑے کی حد اور ہمیشہ کے لئے مردود شہادات ہونے کے لئے تیار ہو جائے تو بعض صحابہ کو یہ حکم سن کر تعجب ہوا، اور انہوں نے جناب نبی کریم ﷺ سے عرض بھی کیا کہ میں اپنی بے حیا بیوی کو کسی کے ساتھ بدکاری کرتے ہوئے دیکھ کر اس کے روک تھام کے لئے اقدامات کے بجائے چار گواہوں کی تلاش میں لگ جاؤں اور جب تک میں گواہوں کو جمع کروں، زانی اپنا کام کر چکے؟ اس میں تو شوہر کے لئے بڑی رسوائی ہے اور پھر ہلال بن امیہ کو یہ واقعہ پیش آ گیا، کہ ایک روز وہ عشاء کے وقت اپنی زمین سے واپس ہوئے تو اپنی بیوی کے ساتھ ایک مرد کو اپنی آنکھوں سے بدکاری کرتے ہوئے دیکھ لیا، صبح حضرت رسول اللہ ﷺ سے واقعہ بتایا، آنحضرت ﷺ نے اس وقت کے شرعی ضابطہ کے تحت گواہ پیش کرنے ورنہ حد قذف کی سزا بھگتنے کے لئے کہا، حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ نے پورے اعتماد سے کہا کہ اے اللہ کے نبی میں اپنی بات میں سچا ہوں لہٰذا اللہ تعالیٰ مجھے اس مصیبت سے نکالنے کے لئے کوئی حکم ضرور نازل فرمائیں گے، چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے لعان کا قانون نازل فرمایا یہ قانون درحقیت شوہر کے جذبات کی رعایت میں نازل ہوا ہے، کیوں کہ آیت قذف میں کسی پر زنا کا الزام لگانے کا جو قانون بنا ہوا ہے اس کی رو سے الزام لگانے والے کے لئے لازم ہے کہ وہ چار گواہ پیش کرے، اور جو نہ کر سکے اس پر حد قذف جاری ہوگی، عام آدمی کے ئے تو یہ ممکن ہے کہ جب چار گواہ میسر نہ ہوں تو وہ الزام زنا لگانے سے خاموش رہے تا کہ تہمت زنا کی سزا سے محفوظ رہے لیکن شوہر کے لئے یہ معاملہ بہت سنگین ہے، جب اس نے اپنی آنکھوں سے بدکاری کرتے ہوئے دیکھ لیا اور گواہ موجود نہیں

007

ہیں، ایسے میں اگر وہ بولے تو تہمت لگانے کی سزا، نہ بولے تو ساری عمر خون کے گھونٹ پیتے گذرے، لہٰذا شوہر کے معاملہ کو عام قانون سے الگ کر کے اس کا مستقل قانون بنا دیا، اور یہیں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ لعان صرف زوجین کے معاملہ میں ہوسکتا ہے، دوسروں کا وہی حکم ہے جو آیت قذف میں بیان ہوا ہے۔ (معارف القرآن)

قذف امرأته: ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی، اسلام میں یہی سب سے پہلا لعان ہے اور آیات لعان کا نزول اسی واقعہ کے بارے میں ہوا ہے اس کے بعد حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کو بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تمہارے معاملہ کا فیصلہ نازل ہو چکا ہے، یہی وجہ ہے کہ ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں حدیث کے الفاظ "فنزل جبرئیل" اور عویمر کے واقعہ کے بارے میں ہے کہ: "قد انزل الله فيك" یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے جیسے واقعہ میں لعان کا حکم نازل فرمایا ہے جب کہ ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں جبرئیل امین حکم لے کر آئے ہیں، "يقول البينة" حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کے پاس گواہ تو نہ تھے، لیکن گواہ نہ ہونے کا جو عذر انہوں نے بیان کیا وہ کافی مضبوط بھی تھا اور عقل میں آنے والا بھی تھا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بات پر توجہ نہ دے کر گواہ لانے کے لئے اصرار کیا، اس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ شرعی دستور کے مطابق ہوتا، اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے طور پر ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کی بات تسلیم کر کے انکی بیوی کو زانیہ قرار دیتے اور گواہ طلب نہ کرتے تو بعد میں جو کوئی بھی اپنی بیوی سے خفا ہوتا بغیر ثبوت کے الزام لگا کر اس کو زانیہ ٹھہرا کر اس کو رسوا کر دیتا۔

ان الله يعلم: یہ بات ظاہر ہے کہ جہاں لعان کا قصہ پیش آتا ہے وہاں مرد اور عورت دونوں میں ایک صادق ہوتا ہے اور دوسرا کاذب ہوتا ہے، یہ تو ممکن ہی نہیں کہ دونوں صادق ہوں یا دونوں کاذب ہوں، اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم درمیان لعان کے از راہ شفقت تنبیہ فرماتے رہے کہ دیکھو تم دونوں میں سے یقیناً ایک کاذب ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اور تم میں سے جس نے جھوٹ بولا ہو وہ اپنی بات سے رجوع اور توبہ کر لے آگے اسی روایت میں آرہا ہے کہ جب عورت لعان کر رہی تھی تو جب اس کو تنبیہ کی گئی تو "فتلكأت" وہ ذرا ٹھٹکی اور متذبذب سی ہوئی، یہاں تک کہ ہم سمجھے کہ شاید وہ رجوع کر لے گی۔

لیکن پھر بجائے رجوع کرنے کے کہنے لگی، "لا افضح قومی سائر الیوم" (کہ خدانخواستہ) میں رجوع کرکے اپنی قوم اور خاندان کو ساری عمر کے لئے رسوا تھوڑا ہی کروں گی، اور یہ کہہ کر اپنا لعان پورا کرلیا۔

فقال النبی صلی اللّٰہ علیہ و سلم لولا ما مضی من کتاب اللّٰہ لکان لی ولہا شان: یعنی جب پیدا ہونے والا بچہ زانی کے ہم شکل نکلا تب حضور ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ اگر لعان کا حکم نازل نہ ہوا ہوتا تو پھر میں اس عورت کو اچھی طرح مزا چکھاتا، اس سے مراد حد زنا اور حد رجم ہے۔

ابصروہا: یہ عورت جو بچہ جنے اس کے بارے میں تامل کرو اور پھر لڑکے کے کچھ ایسے خدو خال ذکر کئے جو کہ شریک بن سمحاء کے مشابہ تھے، چنانچہ بچہ ویسا ہی پیدا ہوا جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے بیان کیا تھا، یہ درحقیقت آنحضرت ﷺ کا معجزہ تھا ورنہ یہ بھی ممکن ہے کہ بچہ زنا کا ہو اور زانی سے اس کی مشابہت ملتی ہوئی نہ ہو۔ (مرقاۃ: ۶/۴۲۳)

سب سے زیادہ غیرت والا کون؟

{۳۱۶۵} **وَعَنْ** اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ لَوْ وَجَدْتُ مَعَ اَهْلِیْ رَجُلاً لَمْ اَمَسُّهُ حَتّٰى آتِیَ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ قَالَ كَلاَّ وَالَّذِیْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ اِنْ كُنْتُ لَاُعَاجِلُهُ بِالسَّيْفِ قَبْلَ ذَالِكَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْمَعُوْا اِلٰى مَا يَقُوْلُ سَيِّدُ كُمْ اِنَّهُ لَغَيُوْرٌ وَاَنَا اَغْيَرُ مِنْهُ وَاللهُ اَغْيَرُ مِنِّیْ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۴۹۱، کتاب اللعان، حدیث نمبر: ۱۴۹۸۔

حل لغات: عاجلہ بذنبہ: (مفاعلۃ) اللہ کا کسی سے فوراً مواخذہ کرنا، مہلت نہ دینا، الغیرۃ: غیرت، حمیت، نخوت، رشک، اپنی محبوب یا محترم شئی پر کسی کی دست درازی کے خلاف جوش و ناگواری۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اگر میں اپنی بیوی کے پاس کسی شخص کو پاؤں تو اس کو ہاتھ نہ لگاؤں، یہاں تک کہ چار گواہ لے آؤں؟ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ ہاں ایسا ہی کرو، حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ہرگز نہیں قسم

ہے اس ذات کی جس نے حق کے ساتھ آنحضرت ﷺ کو مبعوث فرمایا ہے میں تو ایسا کرنے سے پہلے تلوار سے ماروں گا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ سنو تمہارے سردار کیا کہہ رہے ہیں؟ بلاشبہ وہ غیرت مند ہیں، اور میں ان سے زیادہ غیرت مند ہوں، اور اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ غیرت والے ہیں۔ (مسلم)

تشریح: اس حدیث میں آیات لعان سے پہلے جو حکم تھا اس کا ذکر ہے، اور یہ واقعہ آیات لعان کے نزول سے پہلے کا ہے، چونکہ حضرت سعد بن عبادۃ رضی اللہ عنہ اپنی قوم کے سردار نہایت غیرت مند انسان تھے، لہٰذا انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اس بات کی اجازت طلب کی کہ اگر میں اپنی بیوی کے پاس غیر مرد کو دیکھوں تو گواہوں کی تلاش کے بجائے زانی کو قتل کر دوں؟ آنحضرت ﷺ نے نہایت بلیغ انداز میں اس اجازت دینے سے انکار کیا لیکن حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی غیرت کو سراہا بھی، حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا منشاء شریعت کے حکم کا انکار نہ تھا بلکہ رخصت طلب کرنا تھا۔

کلا: بظاہر ایسا لگ رہا ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے آپ کے فرمان کا انکار کیا، علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا مقصد قطعاً آنحضرت ﷺ کی مخالفت نہ تھا، بلکہ انہوں نے اپنے دل کی حالت کا ذکر کیا ہے، شریعت کا حکم سر آنکھوں پر لیکن اپنی بیوی کو غیر مرد کے ساتھ دیکھوں تو میرے دل کا تقاضہ تو یہی ہوگا کہ میں اس کو فوراً قتل کر دوں، "اسمعو سید کم" جو حاضرین وہاں موجود تھے، آنحضرت ﷺ نے ان کو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے کلام کی طرف متوجہ کیا کہ دیکھو یہ کیا کہہ رہے ہیں؟

آنحضرت ﷺ کا مقصود یہ تھا کہ سعد رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کہا ہے وہ غیرت کا تقاضا ہے، لیکن شریعت کے حکم پر عمل کرنا زیادہ ضروری ہے، کیونکہ شریعت کے احکام بہت سی مصالح پر مبنی ہوتے ہیں، ہر مصلحت و حکمت کو ہر آدمی جان لے یہ ضروری نہیں آنحضرت ﷺ نے اپنی بات سے سعد رضی اللہ عنہ کے کلام کی تائید نہیں کی، بلکہ ان کے عذر کا تذکرہ کیا ہے "انہ لغیور" آنحضرت ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی تعریف کی کہ وہ بہت باغیرت آدمی ہیں اور سید کے ذکر میں اس طرف اشارہ بھی ہے کہ سرداروں کے اندر غیرت کا ہونا طبعی امر ہے، "وانا اغیر منہ" میں سعد سے زیادہ غیرت مند ہوں اس کے باوجود چار گواہ کی شرط لگا رہا ہوں، اس کا مطلب یہ ہے کہ اسی میں مصلحت ہے، "واللہ اغیر منی" اور

اللہ تعالیٰ مجھ سے بھی زیادہ غیرت مند ہے، اور اللہ نے چار گواہوں کی قید لگائی ہے معلوم ہوا کہ اس میں بہتری ہے یہ حکم اور ضابطہ آیات لعان سے پہلے کا ہے، آیات لعان کے ذریعہ سے جو ضابطہ مقرر ہوا ہے وہ یہ ہے کہ شوہر اگر اپنی بیوی پر الزام لگائے اور پھر چار گواہ پیش نہ کر سکے تو اس پر حد قذف جاری نہ ہوگی بلکہ وہ لعان کرے گا، لعان کی تفصیل ما قبل میں گذر چکی ہے۔ (التعلیق: ۴/۷۷، مرقاۃ: ۶/۴۲۵)

اللہ تعالیٰ کی غیرت

{۳۱٦٦} **وَعَنِ** الْمُغِيْرَةِ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ لَوْ رَأَيْتُ رَجُلاً مَعَ اِمْرَأَتِيْ لَضَرَبْتُهُ بِالسَّيْفِ غَيْرَ مُصْفِحٍ فَبَلَغَ ذَالِكَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَتَعْجَبُوْنَ مِنْ غَيْرَةِ سَعْدٍ وَاللهِ لَاَنَا اَغْيَرُ مِنْهُ وَاللهُ اَغْيَرُ مِنِّيْ وَمِنْ اَجَلِ غَيْرَةِ اللهِ حَرَّمَ اللهُ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ وَمَا بَطَنَ وَلَا اَحَدُ اَحَبُّ اِلَيْهِ الْعُذْرُ مِنَ اللهِ مِنْ اَجَلِ ذَالِكَ بَعَثَ الْمُنْذِرِيْنُ الْمُبَشِّرِيْنَ وَلَا اَحَدَ اَحَبُّ اِلَيْهِ الْمِدْحَةُ مِنَ اللهِ وَمِنْ اَجَلِ ذَالِكَ وَعَدَ اللهُ الْجَنَّةَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱۱۰۳/۲، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم اغیر من اللہ، کتاب التوحید، حدیث نمبر: ۷۴۱۶، مسلم شریف: ۴۹۱/۱، کتاب اللعان، حدیث نمبر: ۱۴۹۹۔

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر میں کسی شخص کو اپنی بیوی کے ساتھ دیکھوں تو اس کو تلوار سے ماروں اور وار دھار والی جانب سے کروں، جب حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی خبر ملی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ کیا تم لوگوں کو سعد رضی اللہ عنہ کی غیرت پر تعجب نہیں ہوتا؟ خدا کی قسم میں سعد سے زیادہ غیرت مند ہوں، اور اللہ تعالیٰ کی غیرت مجھ سے زیادہ ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اپنی اسی غیرت کی بنا پر بے حیائی کے تمام ظاہر و باطنی کاموں کو حرام قرار دیا ہے اور کوئی بھی شخص ایسا نہیں ہے جو اللہ سے زیادہ عذر کو پسند کرنے والا ہو اسی لئے اللہ تعالیٰ نے والوں اور بشارت دینے والوں کو بھیجا ہے۔ اور کوئی بھی شخص ایسا نہیں ہے جو اللہ سے زیادہ

تعریف کو پسند کرتا ہو، اسی کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: حضرت سعد رضی اللہ عنہ بہت زیادہ باغیرت آدمی تھے، لہٰذا ان کے دل میں یہ خواہش تھی کہ بیوی کے ساتھ بدکاری کرنے والے کو باغیرت شوہر قتل کردے، لیکن چوں کہ یہ چیز شریعت کے حکم کے خلاف ہے اس لئے ایسا کرنا درست نہیں ہے، اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ سب سے زیادہ غیور اللہ کی ذات ہے، اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کے فواحش کو حرام قرار دیا اور اس کے مرتکب کیلئے سزا مقرر فرمائی، اللہ تعالیٰ عذر کو قبول بھی کرتے ہیں اور عذر کو ختم بھی کرتے ہیں، نبیوں اور رسولوں کو اسی لئے بھیجا کہ منکرین کے پاس کوئی عذر نہ رہے، اللہ تعالیٰ کو تعریف بھی پسند ہے، اس لئے خود اپنی تعریف بھی کی ہے، اپنے نیک بندوں کی بھی تعریف کی ہے، اور جو بندے اللہ کی حمد وثنا کریں گے ان کیلئے جنت کا وعدہ بھی کیا ہے۔

لو رأیت رجلا: بیوی کے ساتھ زنا کرنے والے کو تلوار کی دھار سے قتل کردوں، اگر کسی نے بیوی کے ساتھ زنا کرنے والے کو قتل کردیا تو قاتل کو بھی قصاص میں قتل کردیا جائے گا، الا یہ کہ وہ چار گواہ پیش کردے یا مقتول کے ورثا اس کے زنا کا اقرار کریں، حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا مقصد صرف اپنے دل کی بات کا اظہار تھا مزید تفصیل کے لئے گذشتہ حدیث دیکھیں، "حرم الله الفواحش" اللہ تعالیٰ بہت غیور ہیں، غیرت کا تقاضہ یہ ہے کہ آدمی اپنے ملک میں دوسرے کا تصرف پسند نہ کرے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی غیرت کی بنا پر پوشیدہ اور کھلی ہوئی ہر طرح کی معصیت سے روکا بھی ہے اور مرتکب کو سزا دینے کا اعلان بھی کیا ہے۔ "العذر من الله" مطلب یہ ہے کہ سب سے زیادہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہی عذر کے ازالہ کو پسند کرتے ہیں۔ نبیوں اور رسولوں کی بعثت کا بھی یہی مقصد تھا کہ لوگوں کے پاس عذر نہ رہے، ارشاد ربانی ہے، "لئلا یکون علی الله حجة بعد الرسل" تاکہ پیغمبر کے بعد اللہ تعالیٰ کے سامنے لوگوں کے پاس کوئی عذر باقی نہ رہے، "المدحة من الله" اللہ تعالیٰ کو تعریف بہت پسند ہے، اسی لئے اپنی تعریف میں فرمایا کہ: الحمد لله" تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی حمد کے خوگر ہوں گے، ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ کیا ہے۔

غیرت

غیرت حالت کی اس تبدیلی کو کہتے ہیں جو کسی ناگوار چیز کو اپنے اہل وعیال میں دیکھ کر اس میں پیدا ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف اس نسبت کا ہونا تو ناممکن ومحال ہے، پس اس کے لئے غیرت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو گناہوں سے روکنے والے ہیں تاکہ گناہوں کی وجہ سے وہ اس کے قرب سے دور نہ ہوجائیں۔

حقیقت غیرت

غیرت اصل میں یہ ہے کہ جب کوئی آدمی کسی کی ملکیت میں تصرف کرے، تو اس کی وجہ سے اس کو جو غصہ اور کراہت پیدا ہو اس کا نام غیرت ہے، غیرت کا مشہور معنی یہ ہے کہ کسی شخص کو کوئی ناشائستہ حرکت کرتے ہوئے دیکھے تو اس وجہ سے اس کے دل میں جو غصہ آئے، اسی کو غیرت کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی غیرت یہ ہے کہ بندہ گناہ کرے تو وہ اس پر ناراض ہو۔

نووی رحمۃ اللہ علیہ کا قول: نووی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہاں عذر، اعذار یعنی عذر کا ازالہ کرنا، کے معنی میں ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عذر ختم کرنے کو جتنا پسند کرتے ہیں اور کوئی اتنا پسند نہیں کرتا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے انبیائے علیہم السلام کو بھیجا، تاکہ بندوں کے پاس کوئی عذر باقی نہ رہے اور انبیاء کے ذریعہ معذرت کی تمام صورتیں واضح کردیں۔

جیساکہ فرمایا: «لئلا یکون للناس علی اللہ حجۃ بعد الرسل، ولا احد احب الیہ المدحۃ» یعنی اللہ تعالیٰ کو اپنی تعریف سب سے زیادہ محبوب ہے اور کسی کو اتنی محبوب نہیں، اس لئے کہ وہ تمام محامد ومحاسن کا جامع ہے اور حقیقۃً تعریف کی مستحق ولائق اسی کی پاک ذات ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے خود اپنی ذات کی تعریف بھی فرمائی ہے، اور اپنے دوستوں کی تعریف بھی فرمائی اور اسی لئے اللہ پاک نے اپنے دوستوں کے ساتھ جنت کا وعدہ فرمایا، تاکہ بندے اسی کی تعریف اور اطاعت کریں۔ (مرقاۃ: ۶/۴۲۶)

غیرت خداوندی کا تقاضہ

{۳۱٦۷} **وَعَنْ** اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّى اللہُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللہَ تَعَالیٰ یَغَارُ وَاِنَّ الْمُؤْمِنَ یَغَارُ وَغَیْرَةُ اللہِ اَنْ لَا یَاْتِیَ الْمُؤْمِنُ مَاحَرَّمَ اللہُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۷۸٦، باب الغیرۃ، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۵۲۲۳، مسلم شریف: ۲/۳۵۸، باب غیرۃ اللہ تعالیٰ، کتاب التوبۃ، حدیث نمبر: ۲۷٦۱۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت غیرت مند ہیں، اور بندہ مؤمن بھی غیرت مند ہوتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کی غیرت کا تقاضہ یہ ہے کہ بندہ مؤمن ان امور کا ارتکاب نہ کرے جن کو خداوند قدوس نے حرام قرار دیا ہے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: اللہ کی غیرت کا عکس بندہ مؤمن میں ہوتا ہے، خداوند قدوس نے اپنی غیرت ہی کی بنا پر بہت سے امور کو حرام قرار دیا ہے، لہٰذا بندہ مؤمن کو اللہ کی غیرت کا خوب لحاظ کرنا چاہئے اور کسی بھی حرام کام کے قریب نہ جانا چاہئے۔

ان اللہ یغار: غیرت تغیر پر دلالت کرتی ہے، اس حدیث میں غیرت کو اللہ کی صفت قرار دیا گیا ہے، متقدمین کی رائے کے مطابق اس طرح کے الفاظ میں تفویض وتسلیم ہی بہتر ہے، متاخرین کے نزدیک اس طرح کے الفاظ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف غایت اور نتیجہ کے اعتبار سے ہے، غیرت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس چیز کو باقی نہیں رکھا جاتا، جس پر غیرت آتی ہے، چونکہ کہ اللہ تعالیٰ کو فواحش پر غیرت آتی ہے، اسلئے اللہ نے ان کو حرام قرار دیا ہے۔

صرف شبہ پرلڑکے کاانکارکرنا

{۳۱۶۸} **وَعَنْهُ** اَنَّ اَعْرَابِيًّا اَتٰى رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ اِمْرَأَتِيْ وَلَدَتْ غُلَاماً اَسْوَدَ وَاِنِّيْ اَنْكَرْتُهُ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ لَكَ مِنْ اِبِلٍ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَمَا اَلْوَانُهَا قَالَ حُمْرٌ قَالَ هَلْ فِيْهَا مِنْ اَوْرَقَ قَالَ اِنَّ فِيْهَا لَوُرْقاً قَالَ فَاَنّٰى تُرٰى ذٰلِكَ جَاءَهَا قَالَ عِرْقٌ نَزَعَهَا قَالَ فَلَعَلَّ هٰذَا عِرْقٌ نَزَعَهٗ وَلَمْ يُرَخِّصْ لَهٗ فِي الْاِنْتِفَاءِ مِنْهُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱۰۸۸/۲، باب من شعبة اصلا معلوما، کتاب الاعتصام، حدیث نمبر: ۷۳۱۴، مسلم شریف: ۴۹۱/۱، کتاب اللعان، حدیث نمبر: ۱۵۰۰۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ میری بیوی نے ایک کالا لڑکا جنا ہے، اور میں نے اس کا انکار کیا ہے، تو اس سے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ کیا تمہارے پاس اونٹ ہیں؟ اس نے کہا ہاں ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کے رنگ کیسے ہیں؟ اس نے عرض کیا کہ سرخ رنگ کے اونٹ بھی ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا ان میں خاکستری رنگ کا اونٹ بھی ہے؟ اس نے عرض کیا کہ ہاں ان میں خاکستری رنگ کے اونٹ بھی ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا کیا خیال ہے کہ رنگ کہاں سے آیا؟ اس نے کہا کسی رگ نے اس کو کھینچا ہوگا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ممکن ہے کہ اس بچہ کو بھی کسی رگ نے کھینچا ہو، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بچہ سے انکار کرنے کی اجازت نہیں دی۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: حاصل حدیث یہ ہے کہ اعرابی محض شبہ کی بنا پر اس بچے کے نسب کی نفی کرنا چاہتے تھے، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شبہ کی بنا پر نفی کرنے سے منع فرمایا اور ساتھ ہی اس کا شبہ بھی زائل کردیا کہ جیسے سرخ نسل کے اونٹوں میں اس کے نسلی رنگ کے برخلاف خاکستر رنگ کا اونٹ پیدا ہوسکتا ہے، ایسے ہی

ہوسکتا ہے کہ کبھی بچہ اپنے والد کے ساتھ شباہت نہ رکھتا ہو۔

ولد الزنا کا نسب

{۳۱۶۹} **وَعَنْ** عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا قَالَتْ کَانَ عُتْبَۃُ بْنُ اَبِیْ وَقَّاصٍ عَھِدَ اِلٰی اَخِیْہِ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ اَنَّ ابْنَ وَلِیْدَۃِ زَمْعَۃَ مِنِّیْ فَاَقْبِضْہُ اِلَیْکَ فَلَمَّا کَانَ عَامُ الْفَتْحِ اَخَذَہٗ سَعْدٌ فَقَالَ اِنَّہُ ابْنُ اَخِیْ وَقَالَ عَبْدُ بْنُ زَمْعَۃَ اَخِیْ فَتَسَاوَقَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ سَعْدٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ اَخِیْ کَانَ عَھِدَ اِلَیَّ فِیْہِ وَقَالَ عَبْدُ ابْنُ زَمْعَۃَ اَخِیْ وَابْنُ وَلِیْدَۃِ اَبِیْ وُلِدَ عَلٰی فِرَاشِہٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھُوَ لَکَ یَا عَبْدَ بْنَ زَمْعَۃَ اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاھِرِ الْحَجَرُ ثُمَّ قَالَ لِسَوْدَۃَ بِنْتِ زَمْعَۃَ اِحْتَجِبِیْ مِنْہُ لِمَا رَاٰی مِنْ شَبَھِہٖ بِعُتْبَۃَ فَمَا رَاٰھَا حَتّٰی لَقِیَ اللّٰہَ وَفِیْ رِوَایَۃٍ قَالَ ھُوَ اَخُوْکَ یَا عَبْدُ بْنُ زَمْعَۃَ مِنْ اَجْلِ اَنَّہٗ وُلِدَ عَلٰی فِرَاشِ اَبِیْہِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۳۸۳، باب قول الموصی لوصیۃ، کتاب الوصایا، حدیث نمبر: ۲۷۴۵، مسلم شریف: ۱/۴۸۰، باب الولد للفراش، کتاب الرضاع، حدیث نمبر: ۱۴۵۷۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت عتبہ بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ سے عہد لیا کہ زمعہ کی باندی کا لڑکا مجھ سے ہے، لہٰذا تم اس کو اپنے قبضہ میں لے لینا، فتح مکہ کے سال حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اس کو لے لیا اور کہا کہ یہ میرے بھائی کا لڑکا ہے جب کہ حضرت عبد بن زمعہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ میرا بھائی ہے، دونوں حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرے بھائی نے اس کے بارے میں مجھ کو وصیت کی تھی، حضرت عبد بن زمعہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ میرا بھائی ہے اور میرے باپ کی لونڈی کا بیٹا ہے، اس کو میرے باپ کے بستر پر ہی جنا گیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اے عبد بن زمعہ

یہ تمہارا ہے بچہ صاحب فراش کی طرف منسوب ہوتا ہے، اور زانی کے لئے پتھر ہیں، پھر حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ اس بچہ سے پردہ کرنا، کیونکہ یہ عتبہ سے مشابہ ہے، چنانچہ انہوں نے اپنی وفات تک اس لڑکے کو نہیں دیکھا، ایک دوسری روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اے عبد بن زمعہ یہ تمہارا بھائی ہے، کیوں کہ وہ پیدا ہوا تھا ان کے باپ کے بستر پر۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: اس حدیث کا مطلب سنئے: اہل عرب کا دستور تھا کہ ایک کی باندی سے دوسرا شخص زنا کرتا تھا اور پھر جب بچہ پیدا ہوتا تو اگر مالک اسکو اپنی طرف منسوب کرتا تو اسکا ہوتا اور اگر زانی اس کا دعویٰ کرتا تو اس کا ہوتا یا باندی جس کے لئے کہتی اس کا ہوتا لیکن اگر آپس میں اختلاف ہوجاتا تو ایسی صورت کے اندر قیافہ شناس بلایا جاتا وہ قیافہ سے دیکھ کر بتلا دیتا کہ فلاں کا بچہ ہے تو عتبہ بن ابی وقاص نے زمعہ نامی ایک شخص کی باندی سے زنا کیا تھا اور اسنے عہد لیا تھا اپنے بھائی سعد بن ابی وقاص سے کہ اس باندی سے جو لڑکا پیدا ہو تو وہ میرا ہوگا اس کو تم لے لینا اور اسکی حفاظت کرنا اس زمعہ کے ایک لڑکا تھا جس کا نام عبد تھا جب اس باندی کا بچہ پیدا ہوا تو سعد بن ابی وقاص نے ایفاء عہد کے لئے اس بچہ کو اپنے قبضہ میں کرنا چاہا تو اس باندی کے مالک کے لڑکے عبد نے کہا کہ یہ تو میرے والد کی باندی ہے اس کو میں لونگا، دونوں حضور ﷺ کے پاس فیصلہ لیکر گئے اور عبد بن زمعہ نے کہا کہ یہ تو میرے والد کی باندی ہے اور میرے گھر کے اندر اس سے بچہ پیدا ہوا تو آنحضرت ﷺ نے اس کے لئے فیصلہ فرمادیا اور کہا کہ "الولد للفراش" اس سے معلوم ہوا کہ باندی فراش ہے، علماء نے فراش کی تین قسمیں بیان کی ہیں (۱) فراش ادنیٰ یہ باندی کا فراش ہے کہ جب بچہ پیدا ہوگا، تو دعوی کے ذریعہ ثابت ہوگا اور اس کے بعد اگر کوئی بچہ پیدا ہوگا تو بغیر دعویٰ کے ثابت النسب ہوگا اور ہر ایک کو نفی کیا جاسکتا ہے انتفاء کے ذریعہ (۲) فراش متوسط یہ ام الولد کا فراش ہے کہ بغیر دعوی کے نسب تو ثابت ہوجاتا ہے لیکن اگر نفی کرنا چاہے تو بغیر لعان کے نفی ہوجائے گی، (۳) فراش قوی ہے یہ زوج کا فراش ہے کہ بلا دعوی نسب ثابت ہوتا ہے اور بغیر لعان کے بچہ کی نفی نہیں کرسکتا، فراش ادنی کے اندر مسئلہ معلوم ہوگیا کہ بغیر دعویٰ کے پہلی مرتبہ نسب ثابت نہیں ہوگا یہ ہمارا مذہب ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بغیر دعویٰ کے نسب ثابت ہوجائے گا، پہلی مرتبہ میں بھی اور ان کا استدلال اس حدیث سے ہے کہ انہوں نے دعویٰ وغیرہ کچھ نہیں کیا اور آنحضرت ﷺ نے

فرمایا: کہ "هو لك" ایسے ہی ایک روایت کے اندر ہے، "هو اخوك" تو اس سے آپ نے ثابت کر دیا کہ یہ تمہارے باپ کا لڑکا ہے اور تمارا بھائی ہے اور تمہارے لئے ہے اب یہ حدیث حنفیہ کے خلاف ہوگئی ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ "هو لك" اور "هو اخوك" سے حضور اکرم ﷺ کو اخوت ثابت کرنا مقصود نہیں ہے، اور دلیل اس کی یہ ہے کہ عبد بن زمعہ کی بہن حضرت سودہ ہیں جو کہ ام المؤمنین ہیں تو حضور ﷺ نے اس فیصلہ کے بعد ان سے فرمایا: کہ "احتجبی عنه فانه ليس لك باخ" اس سے پردہ کرنا پس بیشک وہ تیرا بھائی نہیں ہے۔ نسائی کے اندر یہ موجود ہے تو دیکھو اگر وہ عبد بن زمہ کا بھائی ہوتا تو حضرت سودہ کا بھائی ہی ہوتا اور آپ پردہ کے لئے نہ فرماتے لہٰذا آنحضرت ﷺ نے "هو اخوك" مجازاً فرمایا: علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حنفیہ نے جو یہ زیادتی ثابت کی ہے کہ "فانه ليس لك باخ الخ" یہ زیادتی ضعیف ہے اور ثابت نہیں بلکہ زیادتی باطلہ ہے لیکن حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال کے اندر اس حدیث کو یوسف بن زبیر کے ترجمہ میں داخل کیا ہے اور اس کی تصحیح کی اور حسن قرار دیا ہے ایسے ہی حاکم، امام احمد امام طحاوی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور حسن قرار دیا ہے اور یہ ہماری تمام گفتگو نادراً تھی یعنی جب تھی جب ہم یہ تسلیم کریں کہ زمعہ کے اس ولد سے پہلے کوئی اور ولد پیدا نہیں ہوا تھا اور اب ہم ترقی کر کے کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ اس کے کوئی اور ولد اس باندی سے پہلے پیدا ہو چکا ہو اس لئے بغیر دعوی کے ثابت ہوگیا۔ (تقریر شیخ زکریا قدس سرہ، مرقاۃ: ۶/۴۲۹)

ثبوت نسب میں قیافہ شناسی

{۳۱۷۰} **وَعَنْهَا** قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ وَهُوَ مَسْرُوْرٌ فَقَالَ اَىْ عَائِشَةُ اَلَمْ تَرَى اَنَّ مُجَزِّزاً الْمُدْلِجِيَّ دَخَلَ فَلَمَّا رَاٰى اُسَامَةَ وَزَيْداً وَعَلَيْهِمَا قَطِيْفَةٌ قَدْ غَطَّيَا رُؤُسَهُمَا وَبَدَتْ اَقْدَامُهُمَا فَقَالَ اِنَّ هٰذِهِ الْاَقْدَامَ بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حواله: بخاری شریف: ۲/۱۰۰۱، باب القائف، کتاب الفرائض، حدیث نمبر: ۶۷۷۱، مسلم شریف: ۱/۴۷۱، باب العمل بالحاق القائف الولد، کتاب الرضاع،

حدیث نمبر: ۳۲۵۹۔

حل لغات: مجزز: میم کے ضمہ اور جیم کے فتحہ اور زائے مشددہ کے ساتھ ہے اور ایک روایت میں ہے زا کا فتحہ بھی منقول ہے یعنی مجزز اور کہا گیا ہے کہ یہ لفظ محرز حاء مہملہ کے سکون اور راء کے ساتھ ہے اور "والصواب الاول" اور مدلجی نسبت ہے قبیلہ بنو مدلج کی طرف، اس قبیلہ میں اور قبیلہ بنو اسد میں علم قیافہ کا فن عربوں کے نزدیک مشہور و معروف تھا۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے پاس ایک دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش خوش تشریف لائے اور فرمایا کہ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ مجزز مدلجی آیا، تو اس نے اسامہ اور زید کو دیکھا جب کہ ان کے اوپر چادر تھی، جس سے دونوں کے سر ڈھکے ہوئے تھے، اور پیر کھلے ہوئے تھے، اس نے کہا ان میں سے ایک کے قدم دوسرے سے ہیں۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: قافہ قائف کی جمع ہے، قائف وہ شخص ہے جو آثار و علامات دیکھ کر فروع کو اصول کے ساتھ لاحق کر دے کہ فلاں فلاں کا بیٹا ہے یا اس کا بھائی ہے، ہمارے یہاں قیافہ شناس کہتے ہیں۔

اس میں اختلاف ہے کہ قائف کا قول شرعاً معتبر ہے یا نہیں جیسا کہ آگے شرح حدیث آرہا ہے۔

مضمون حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک روز میرے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، نہایت مسرور تھے، آپ کی پیشانی کے خطوط خوشی کی وجہ سے پہنچانے جارہے تھے، یعنی چمک رہے تھے، اور فرمانے لگے کہ اے عائشہ! تمہیں خبر بھی ہے کہ آج کیا واقعہ پیش آیا؟ وہ یہ کہ مجزز مدلجی نے (یہ ایک مشہور قائف تھا) اسامہ اور زید جب کہ دونوں چادر اوڑھے لیٹے تھے، سر اور چہرہ سب ڈھکا ہوا تھا، صرف ان کے اقدام کھلے ہوئے تھے تو اس نے ان کی طرف دیکھ کر کہا "ان هٰذه الاقدام بعضها من بعض" کہ بلاشک یہ قدم باپ بیٹوں کے ہیں۔

ان دونوں باپ بیٹوں کا رنگ بالکل مختلف تھا، اسامہ بالکل سیاہ فام تھے اور زید گورے چٹے، لکھا ہے کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی والدہ ام ایمن جن کا نام برکہ تھا حبشیہ سیاہ فام تھیں، چنانچہ اسی وجہ سے مشرکین نسب اسامہ میں شک کرتے تھے اور عیب لگاتے تھے۔

جمہور کا اس حدیث سے استدلال

یہاں پر حضور اقدس ﷺ کی مسرت کی وجہ ظاہر ہے وہ یہ کہ قائف کا قول اگر چہ شرعاً حجت نہیں لیکن جو لوگ نسب اسامہ میں طعن کرتے تھے یعنی مشرکین ان کے نزدیک قائف کا قول حجت ہوتا تھا، خصوصاً جب کہ وہ قائف بھی ان ہی کا آدمی تھا لیکن بہت سے شراح شافعیہ وغیرہ نے اس واقعہ سے استدلال کیا ہے اس پر کہ قائف کا قول انساب کے بارے میں معتبر ہے، اور یہ کہ اس کے قول کو اثبات نسب میں دخل ہے، ورنہ حضور ﷺ اس کے قول پر کیوں خوش ہوتے؟ لیکن اس کا جواب تقریر بالا سے ظاہر ہے، بہر حال ائمہ ثلاثہ کے نزدیک قائف کا قول معتبر ہے، اور امام مالک سے ایک روایت یہ ہے: "یعتبر فی الاماء دون الحرائر"۔ اور دوسری روایت ان سے یہ ہے "یعتبر مطلقاً"۔

ایسے ہی ان حضرات نے اس سے بھی استدلال کیا ہے جو قصہ لعان میں حضور اکرم ﷺ کا ارشاد وارد ہے کہ اگر بچہ اس رنگ اور اس شکل کا ہو تو زوج کا ہے، اور اگر ایسی صورت شکل کا ہو تو زانی کا ہے، اس کا جواب ہماری طرف سے دیا گیا ہے کہ آپ نے یہ بات علم قیافہ کی رو سے نہیں فرمائی تھی اور نہ آپ قائف تھے بلکہ یہ بات آپ نے بحکم وحی فرمائی تھی، نیز اگر قیافہ شرعاً معتبر ہوتا تو لعان کی پھر کیا ضرورت تھی بلکہ قائف کے قول کا اعتبار کیا جاتا۔ (الدر المنضود: ۳/۱۳۳۳، التعلیق: ۴/۸۰، مرقاۃ: ۶/۴۳۲)

غیر باپ کی طرف نسبت کرنیوالے پر جنت حرام ہے

{۳۱۷۱} **وَعَنْ** سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ وَاَبِیْ بَکْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنِ ادَّعٰی اِلٰی غَیْرِ اَبِیْہِ وَھُوَ یَعْلَمُ اَنَّہٗ غَیْرُ اَبِیْہِ فَالْجَنَّۃُ عَلَیْہِ حَرَامٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۱۰۰۱، باب من ادعی الی غیر ابیه، کتاب الفرائض، حدیث نمبر: ۶۷۶۶، مسلم شریف: ۱/۵۷، باب بیان حال ایمان من رغب، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۶۳۔

ترجمه: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور ابی بکرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جو شخص جان بوجھ کر اپنے آپ کو اپنے باپ کے بجائے دوسرے کی طرف منسوب کرے گا، تو جنت اس پر حرام ہے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: نسب میں خلط ملط کرنا بہت بڑا گناہ ہے، اپنی نسبت اپنے باپ کی طرف کرنا چاہئے، اگر کوئی شخص جان بوجھ کر اپنی والدیت کے خانے میں دوسرے شخص کا نام لکھتا اور دوسرے شخص کو اپنا باپ بناتا ہے، تو وہ حرام کام کا ارتکاب کرتا ہے، ایسا کام اگر اس کو حلال سمجھ کر کر رہا ہے تو وہ کفر کر رہا ہے اور اسی کی بناء پر جنت اس کے لئے حرام ہوگی۔

یعنی اگر وہ اس کو حلال یقین کرے اور اس کا اعتقاد رکھے تو اس پر جنت حرام ہے کیونکہ حرام کو حلال سمجھنے سے انسان کافر ہو جاتا ہے اور کافر پر جنت حرام ہے یا یہ مطلب ہے کہ جو شخص جان بوجھ کر باپ کے علاوہ کی طرف اپنی نسبت کرے تو اس پر جنت حرام ہے یا حرام کا مطلب یہ ہے کہ شروع میں داخل ہونے والوں میں سے نہیں ہوگا، گناہ کی مقدار سے اس کو سزا دی جائیگی، یا بطور تنبیہ اور زجر کے ایسی حرکات سے روکنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شدید لفظ سے تعبیر فرمایا۔ (التعلیق: ۴/۸۰)

غیر باپ کی طرف نسبت کفران نعمت ہے

{۳۱۷۲} **وَعَنْ** اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَرْغَبُوْا عَنْ آبَائِكُمْ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ اَبِيْهِ فَقَدْ كَفَرَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) وَقَدْ ذُكِرَ حَدِيْثُ عَائِشَةَ مَا مِنْ اَحَدٍ اَغْيَرُ مِنَ اللّٰهِ فِی (بَابِ صَلَاةِ الْخُسُوْفِ)

حواله: بخاری شریف: ۲/۱۰۰۱، باب من ادعی الی غیر ابیه، کتاب الفرائض، حدیث نمبر: ۶۷۶۸، مسلم شریف: ۱/۵۷، باب بیان حال ایمان من رغب، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۶۲۔

ترجمه: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا: کہ اپنے باپوں سے اعراض مت کرو، جو شخص اپنے باپ سے پھرا اس نے کفران نعمت کیا (بخاری ومسلم) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ غیور ہیں "باب صلاۃ الخسوف" میں گذر چکی ہے۔

تشریح: زمانہ جاہلیت میں ایک عام دستور تھا کہ اپنے مفادات ومصالح کی خاطر لوگ اپنے باپوں سے پھر جاتے تھے، اور دوسرے سے اپنا نسب جوڑ لیتے تھے، اپنے حقیقی باپ کو اپنا باپ تسلیم نہیں کرتے تھے، یہ ایک نہایت قبیح وشرمناک عمل تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سختی سے روکا اور ایسا کرنے والوں کو سخت عذاب کی دھمکی دی۔

ولا ترغبوا من ابائکم: باپ کے علاوہ دوسرے کی طرف نسبت جوڑنا حرام ہے، اس پر امت کا اجماع ہے، آج کل لوگ غلط طریقہ پر اپنے آپ کو سید، صدیقی اور فاروقی وغیرہ لکھ رہے ہیں، جان بوجھ کر غلط نسبت کرنا یہ بھی حرام ہے۔ "فقد کفر" اگر کسی شخص نے اپنے آپ کو اپنے باپ کے علاوہ کی طرف منسوب کیا اور اسکو جائز سمجھا، تو عقیدہ کے بگاڑ کی وجہ سے یہ کافر ہوگیا، اور اگر حرام سمجھ کر کیا تو مطلب یہ ہے کہ کفر کے قریب ہوگیا، یا یہ مطلب ہے کہ اس نے نعمت کی ناشکری کی۔ (مرقاۃ: ۶/۴۳۶، التعلیق: ۴/۸۰)

{الفصل الثانی}

بچہ کا بلاوجہ انکار کرنا گناہ عظیم ہے

{۳۱۷۳} **عَنْ** اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّهٗ سَمِعَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَمَّا نَزَلَتْ اٰیَةُ الْمُلَاعَنَةِ اَیُّمَا امْرَأَةٍ اَدْخَلَتْ عَلٰی قَوْمٍ مَنْ لَیْسَ مِنْهُمْ فَلَیْسَتْ مِنَ اللّٰهِ فِیْ شَیْءٍ وَلَنْ یُدْخِلَهَا اللّٰهُ جَنَّتَهٗ وَاَیُّمَا رَجُلٍ جَحَدَ وَلَدَهٗ وَهُوَ یَنْظُرُ اِلَیْهِ اِحْتَجَبَ اللّٰهُ مِنْهُ وَفَضَحَهٗ عَلٰی رُؤُسِ الْخَلَائِقِ فِی الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی والدارمی)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۳۰۸/۲، باب التغلیظ فی الانتفاء، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۲۲۶۳، نسائی شریف: ۹۴/۲، باب التغلیظ من الولد، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۳۴۸۱، دارمی: ۲۰۴/۲، باب من جحد ولده و هو یعرفه، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۲۲۳۸۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب آیت لعان نازل ہوئی تو انہوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا، کہ جو عورت کسی قوم پر اس شخص کو داخل کرے جو کہ ان میں سے نہیں ہے، تو ایسی عورت کا اللہ تعالیٰ سے کوئی واسطہ نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ اس کو ہرگز اپنی جنت میں داخل نہیں کریں گے، اور جس مرد نے انکار کیا اپنے لڑکے کا دراں حالیکہ وہ اس کی طرف دیکھ رہا ہے، تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص سے حجاب فرمائیں گے، اور اس کو تمام اگلے پچھلے لوگوں کی موجودگی میں رسواء کریں گے۔ (ابو داؤد، نسائی، دارمی)

تشریح: اس حدیث میں بدکار زانیہ عورت کی سخت مذمت ہے، زنا کے نتیجہ میں جو حمل ٹھہرتا ہے اور اس کو شوہر کی طرف منسوب کر دیتی ہے ایسی عورت سے اللہ تعالیٰ سخت ناراض ہوتے ہیں، اسی طرح جو شخص جان بوجھ کر اپنی اغراض فاسدہ کی خاطر اپنے بچے کا انکار کرتا ہے ایسا شخص بھی اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں مبغوض ہے، اس کو خداوند قدوس کا دیدار نہ ہوگا، اور میدان محشر میں اس کو سخت رسوائی اور شرمندگی کا سامنا کرنا پڑیگا، مقصد حدیث یہ ہے کہ عورت کو بدکاری نہ کرنا چاہئے، اور والدلزنا کو شوہر کی طرف منسوب کرنے سے گریز کرنا چاہئے، اسی طرح شوہر کو دیدہ و دانستہ بچہ کا انکار نہ کرنا چاہئے اور بیوی پر تہمت لگانے سے بچنا چاہئے۔

ادخلت علی قوم: عورت نے کسی سے زنا کیا اور زنا کے نتیجہ میں حمل ٹھہر گیا پھر اس عورت نے اپنے زنا کا اقرار نہیں کیا بلکہ اس ولد الزنا کو شوہر کے نطفہ سے بتایا، تو گویا اس عورت نے ولد الزنا کو شوہر کی قوم میں داخل کر دیا، جب کہ اس بچہ کا تعلق شوہر کی قوم سے نہیں تھا، "فلیست من اللہ" یہ عورت اللہ کی رحمت سے دور رہے گی، "لن یدخلھا" اگر توبہ نہ کی تو اس کو جنت میں دخول اولین نصیب نہ ہوگا، "وایما رجل" جس شخص نے بلا مضبوط دلائل کے خواہ مخواہ اپنے لڑکے کا انکار کیا اور اپنی بیوی پر تہمت

لگائی، "وھو ینظر" ضمیر کا مرجع یا تو باپ ہے تب مطلب یہ ہوگا کہ باپ اس کی طرف دیکھ رہا ہے، اور سمجھ رہا ہے کہ یہ میرا بچہ ہے لیکن ظلماً بچہ کا انکار کر رہا ہے، یا پھر ہو ضمیر کا مرجع ولد ہے، تب مطلب یہ ہوگا کہ بچہ باپ کی طرف شفقت طلب کرنے کے لئے دیکھ رہا ہے اور باپ بھی شقاوت قلبی کا مظاہرہ کرکے اس بچہ کا انکار کردے، "احتجب اللہ منہ" مطلب یہ ہے کہ ایسے شقی القلب شخص کو اللہ تعالیٰ اپنے دیدار سے محروم کردیں گے، "وفضحہ" اس کے اس قبیح فعل کو میدان حشر میں تمام لوگوں کے سامنے بیان کریں گے، جس سے اس کو سخت رسوائی کا سامنا ہوگا۔ (التعلیق: ۸۱/۴)

بدکار بیوی کو طلاق دینا

{۳۱۷۴} **وَعَنِ** ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ لِيْ إِمْرَأَةً لَا تَرُدُّ يَدَ لَامِسٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَلِّقْهَا قَالَ إِنِّيْ أُحِبُّهَا قَالَ فَأَمْسِكْهَا إِذاً۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی) وَقَالَ النَّسَائِيُّ رَفَعَهُ أَحَدُ الرُّوَاةِ إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ وَأَحَدُهُمْ لَمْ يَرْفَعْهُ قَالَ وَهٰذَا حَدِيْثٌ لَيْسَ بِثَابِتٍ۔

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱، باب النہی عن تزویج من لم یلد النساء، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۲۰۴۹، نسائی شریف: ۹۱/۲، باب ما جاء فی الخلع، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۳۴۶۵۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میری بیوی ایسی ہے کہ کسی چھونے والے کے ہاتھ کو نہیں روکتی ہے تو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ اس کو طلاق دیدو، ان صاحب نے عرض کیا کہ مجھے اس سے محبت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر تو اس کو روکے رکھو۔ (ابوداؤد، نسائی) اور نسائی نے کہا کہ بعض راویوں نے اس روایت کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ تک مرفوع کیا ہے اور بعض نے مرفوع نہیں کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔

تشریح: حضور اقدس ﷺ کے پاس ایک شخص آئے اور وہ بات عرض کی جو یہاں حدیث میں مذکور ہے، "لا تمنع ید لامس"۔ اس جملہ کی شرح میں شراح نے کئی قول نقل کئے ہیں۔

اول یہ کہ اس سے مراد فاحشہ ہے یعنی زنا یعنی جو چاہے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیتا ہے اور اس سے اپنی حاجت پوری کرلیتا ہے، وہ اس کو روکتی ہی نہیں۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد اس کی بیجا سخاوت ہے کہ مال زوج میں تصرف کر کے صدقہ وغیرہ کرتی ہے، اور ہر مانگنے والے کو دے دیتی ہے، اور انکار نہیں کرتی گویا لامس سے مراد سائل ہے، اس معنی پر یہ اشکال کیا گیا ہے کہ اگر سائل مراد ہوتا ہے اس صورت میں لامس کے بجائے ملتمس ہونا چاہئے، لہٰذا یہ مطلب صحیح نہیں ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ لمس ید سے مراد محض التذاذ کے لئے چھونا ہے، اور حافظ ابن کثیر نے پہلے معنی کو بھی بعید قرار دیا ہے لہٰذا معنی اخیر ہی راجح ہے۔

بہرحال آنحضرت ﷺ نے اس شخص کی شکایت پر اس کو طلاق کا مشورہ دیا اس پر اس شخص نے عرض کیا کہ اس کی تو میرے اندر طاقت نہیں کیونکہ مجھ کو اس سے بہت محبت ہے، اگر میں نے اس کو طلاق دی تو میرا نفس بھی اس کے ساتھ ہی چلا جائے گا، اس پر آپ نے فرمایا: کہ اگر یہ بات ہے تو اس سے اس کی موجودہ حالت کے ساتھ ہی منتفع ہوتا رہ۔

یہاں پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے شخص مذکور کو فوراً طلاق کا مشورہ کیسے دیدیا جبکہ وہ شرعاً ناپسندیدہ چیز ہے، شراح نے تو یہ لکھا ہے کہ آپ نے اس کو مشورہ احتیاطاً دیا تھا لیکن میرے ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ یہ "خذہ بالموت حتی یرضی بالحمی" کی قبیل سے ہے اور یہ کہ نعمت کی قدر اس وقت زیادہ ہوتی ہے جب وہ جانے لگتی ہے تو گویا آپ نے حکمت عملی اور حسن تدبیر سے شوہر کی شکایت اور غصہ کو ٹھنڈا کیا ورنہ آپ کا منشاء عالی بھی طلاق کا نہیں تھا۔ (الدر المنضود: ۸/ ۴، التعلیق: ۸۱/ ۴)

اشکال مع جواب

اگر یہ کنایہ ہے اس کے زانیہ اور بدکار ہونے سے اس پر اشکال ہوسکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ

نے زانیہ کے امساک کی اجازت کیسے دیدی؟ اسکا حل یہ ہے کہ زانیہ کا امساک ہر حال میں قبیح نہیں، جب خاوند سختی کرتا ہو اور سختی سے اس کو بدکاری سے باز رکھنے پر قادر ہو اور اس کو اس سے روکتا بھی ہو تو ایسی حالت میں اپنے پاس رکھنے میں حرج نہیں ہے، بلکہ بعض حالات میں رکھنا طلاق دینے سے بھی اولیٰ ہوتا ہے جبکہ طلاق کے بعد اس کے مزید آزاد ہونے کا خدشہ ہو۔ یا خود اپنے کو گناہ میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہو۔(اشرف التوضیح:۴۹۲/ ۲)

الحاق نسب کا شاندار ضابطہ

{۳۱۷۵} **وَعَنْ** عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضیٰ اَنَّ كُلَّ مُسْتَلْحَقٍ اُسْتُلْحِقَ بَعْدَ اَبِيْهِ الَّذِيْ يُدْعٰى لَهٗ اِدَّعَاهُ وَرَثَتُهٗ فَقَضیٰ اَنَّ مَنْ كَانَ مِنْ اَمَةٍ يَمْلِكُهَا يَوْمَ اَصَابَهَا فَقَدْ لَحِقَ بِمَنِ اسْتَلْحَقَهٗ وَلَيْسَ لَهٗ مِمَّا قُسِمَ قَبْلَهٗ مِنَ الْمِيْرَاثِ شَيْئٌ وَمَا اَدْرَكَ مِنْ مِيْرَاثٍ لَمْ يُقْسَمْ فَلَهٗ نَصِيْبُهٗ وَلاَ يُلْحَقُ اِذَا كَانَ اَبُوْهُ الَّذِيْ يُدْعٰى لَهٗ اَنْكَرَهٗ فَاِنْ كَانَ مِنْ اَمَةٍ لَمْ يَمْلِكْهَا اَوْمِنْ حُرَّةٍ عَاهَرَ بِهَا فَاِنَّهٗ لاَ يُلْحَقُ وِلاَيَرِثُ وَاِنْ كَانَ الَّذِيْ يُدْعىٰ لَهٗ هُوَ الَّذِيْ ادَّعَاهُ فَهُوَ وَلَدُ زِنْيَةٍ مِنْ حُرَّةٍ كَانَ اَوْ اَمَةٍ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۳۰۸/۲، باب فی ا لدعاءو لدالز ناء، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۲۲۶۵۔

حل لغات: استلحق فلانا: (استفعال) کسی کو نسباً اپنی طرف منسوب کرنا، اپنے خاندان میں شامل کرنا، لحق بہ: (س) پالینا، کسی سے جا ملنا۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ ہر ملایا ہوا شخص جس کو ملایا گیا ہو، اس کے باپ کے بعد جب کہ باپ کے وارثوں نے دعویٰ کیا ہو، تو آنحضرت ﷺ نے یہ فیصلہ دیا کہ اگر وہ ایسی لونڈی سے ہے کہ صحبت کے روز اس کے باپ کی ملکیت میں تھی، تو وہ اس شخص کیساتھ نسب میں مل جائے گا، جس سے

اس کو ملایا گیا، اور جو میراث اس کو ملانے سے پہلے تقسیم ہو چکی ہے اس میں سے اس کو حصہ نہیں ملے گا، اور اگر وہ لڑکا ایسا ہے کہ اس کی نسبت جس باپ کی طرف کی جاتی ہے اس نے انکار کر دیا تھا، تو اب اس کو اس کے نسب میں نہیں ملایا جائے گا، اسی طرح اگر وہ لڑکا ایسی لونڈی کے بطن سے ہے جو باپ کی ملکیت میں نہ تھی یا آزاد عورت سے ہے، جس کے ساتھ باپ نے زنا کیا تھا، تو بھی زانی سے نسب نہیں ملایا جائے گا، اور نہ اس کو میراث ملے گی، خواہ جس باپ کی طرف اس کی نسبت کی جاری ہے وہ خود اس کے بارے میں دعویدار ہو، اس وجہ سے کہ یہ زنا سے پیدا ہوا ہے خواہ آزاد عورت سے ہو یا باندی سے ہو۔ (ابوداؤد شریف)

تشریح: قضی ان کل مستلحق استلحق بعد ابیہ الذی یدعی لہ ادعاہ ورثتہ: اس پورے جملہ میں راوی نے صرف صورۃ مسئلہ کو اپنی جانب سے بیان کیا ہے، جیسے مستفتی لکھا کرتا ہے کہ کیا فرماتے ہیں مفتیان دین اس مسئلہ میں اور پھر مسئلہ کو لکھتا ہے اور اس کے بعد جو عبارت آرہی ہے "فقضی ان کل من کان من امۃ یملکھا یوم اصابھا الخ" یہ حضور اکرم ﷺ کی جانب سے جواب مسئلہ ہے، اس جواب مسئلہ میں صورت مسؤلہ کا تفصیلی جواب ارشاد فرمایا گیا ہے۔

حدیث کی عبارت کا حل

اس عبارت کا حل شروع سے لیجئے، "مستلحق" وہ نومولود بچہ ہے جو زنا سے پیدا ہوا ہو، اور موت زانی وموت سید کے بعد ہر ایک کے ورثا اس کے بارے میں جھگڑا کریں اور ہر فریق اس کا انتساب اپنی طرف کرنا چاہے، ترجمہ عبارت کا یہ ہے کہ ہر وہ مستلحق کہ جس کے باپ کے مرنے کے بعد باپ سے مراد بظاہر زانی استلحاق کیا جارہا ہو آگے استلحاق کی تفسیر ہے کہ جس کے بارے میں زانی کے ورثاء دعویٰ کر رہے ہوں۔

یہ تو ہوا صورت مسئلہ آگے حضور ﷺ کی جانب سے اس کا فیصلہ مذکور ہے وہ یہ کہ ہر وہ بچہ جو واطی کی "امۃ مملوکہ" سے ہوگا جس دن کہ اس نے اس سے وطی کی تھی تو اس کا "استلحاق" جس سے کیا جارہا ہے یعنی سید سے وہ ہو جائے گا، اور جو میراث اس استلحاق سے قبل تقسیم ہو چکی ہو گی اس میں اس ولد کا کوئی حصہ نہیں ہوگا اور جو میراث ایسی ہو کہ جو ابھی تک تقسیم نہیں کی گئی اور اس اثناء میں اس بچہ کا

استلحاق اس کے سید سے کر دیا گیا اس صورت میں اس میراث میں اس بچہ کا حصہ ہوگا۔

ولا یلحق اذا کان ابوہ الذی یدعی له انکرہ: یہ جملہ حکم ما قبل کی شرط ہے، یعنی امۃ موطوءۃ مملوکہ سے پیدا ہونے والے بچہ کا استلحاق مولی سے ثابت اس شرط کے ساتھ ہوگا جب کہ اس نے اپنی زندگی میں اس بچہ کا انکار نہ کیا ہو، اور اگر انکار کر چکا ہوگا تو پھر ورثۂ مولیٰ کے ادعاء سے استلحاق نہیں ہوگا۔

وان کان من امة لم یملکها: یعنی اگر وہ نومولود بچہ واطی کی غیر مملوکہ باندی سے ہوگا یعنی مزنیہ سے یا ایسی حرہ سے ہوگا جس کے ساتھ اس نے زنا کیا تھا تو ان دونوں صورتوں میں (امۃ غیر مملوکہ مزنیہ اور حرہ مزنیہ سے) اس کا استلحاق صحیح نہ ہوگا، اسلئے کہ اسلام میں زنی سے نسب ثابت نہیں ہوتا۔ "وان کان الذی یدعی له هو ادعاه" یہ ان وصلیہ ہے، یعنی اگر چہ اس شخص نے جس کے ساتھ اس بچہ کا استلحاق کیا جا رہا ہے اپنی زندگی میں اس بچہ کا دعویٰ کیا ہو۔

فهو ولد زنية من حرة کان او امة: پس یہ بچہ ولد الزنا ہوگا مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں، لہٰذا کسی سے اس کا نسب ثابت نہ ہوگا، احادیث میں ثابت النسب بچہ کو ولد رشدہ اور غیر ثابت النسب کو ولد زنیہ سے تعبیر کیا گیا ہے اس حدیث کے ذیل میں۔

اہل جاہلیت کی خراب عادت

امام خطابی "معالم السنن" میں فرماتے ہیں کہ اہل جاہلیت کے لئے ایسی باندیاں ہوتی تھیں، جو ان کے لئے ناجائز کمائی کرتی تھیں، اور وہی بغایا ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنے قول میں فرمایا: "ولا تکرهوا فتیاتکم علی البغاء ان اردن تحصنا" اور ہوتا یہ تھا کہ ان باندیوں کے مالک بھی ان سے وطی کرتے تھے اور پرہیز نہیں کرتے تھے، تو اس صورت میں جب اس باندی کے بچہ پیدا ہوتا تھا تو بسا اوقات ایسا ہوتا تھا کہ اس بچہ کا زانی بھی دعویدار ہوتا اور سید بھی، تو اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بچہ کا فیصلہ سید کے لئے کیا، اس لئے کہ امۃ اس سید کی فراش ہے مثل حرہ کے اور نفی فرما دی آپ نے اس زانی سے۔ (الدر المنضود: ۱۳۲/۴)

استلحاق کے احکام

اس حدیث میں استلحاق کے احکام بیان کئے گئے ہیں، استلحاق کا مطلب یہ ہے کسی شخص کی وفات کے بعد اس کے ورثا دعوی کریں کہ فلاں بچہ بھی متوفی کی اولاد میں سے ہے، لہذا اس کو بھی ہمارے ساتھ میراث میں شامل کیا جائے ایسے دعویٰ کو "استلحاق" کہتے ہیں اور جس بچے کے نسب کا دعویٰ کیا جائے اس کو "مستلحق" کہتے ہیں، استلحاق کی صورتیں ابتداء اسلام میں بہت پیش آتی تھیں۔

ثبوت نسب کا عام اصول تو یہ ہے کہ نکاح کے بعد چھ ماہ بعد منکوحہ سے جو بچہ پیدا ہوا اس کا نسب اس کے زوج سے ثابت ہوتا ہے، الا یہ کہ وہ نسب کا انکار کرے تو لعان کے بعد اس سے نسب کٹے گا، اور باندی سے بچہ پیدا ہو تو جب مولیٰ اس کے نسب کا اقرار کرے گا، تو مولیٰ سے نسب ثابت ہوگا لیکن اس حدیث میں وفات کے بعد ورثاء کے دعویٰ استلحاق سے نسب ثابت ہونے یا نہ ہونے کے احکام بیان کئے گئے ہیں۔ استلحاق کی کئی صورتیں ہیں۔

(۱)...... مستلحق: جس کے استلحاق کا دعویٰ کیا جا رہا ہے، کسی حرہ کا بچہ ہے جو متوفی کی نہ منکوحہ رہی ہے اور نہ مملوکہ اس صورت کا حکم یہ ہے کہ اس بچہ کا نسب مرنے والے سے ثابت نہیں ہوگا۔

(۲)...... مستلحق "امۃ" کا بچہ ہے مگر وطی کے وقت وہ باندی اس مرنے والے کی ملکیت میں نہیں تھی، اب بھی یہ دعوی مسترد ہوگا اور نسب ثابت نہیں ہوگا۔

(۳)...... مستلحق جس "امۃ" کا بچہ ہے وہ بوقت وطی مرنے والے کی مملوکہ باندی تھی، اس کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ مرنے والے نے اس بچہ کے نسب کا انکار کر دیا ہو، اس صورت میں استلحاق کا دعویٰ مسترد ہوگا، دوسری صورت یہ ہے کہ اس نے انکار نہ کیا ہو تو اب دعویٰ تسلیم کیا جائے گا اور وہ بچہ میراث کا حصہ دار ہوگا ط مگر جو میراث تقسیم ہو چکی ہے، اس میں سے حصہ نہیں ملے گا، اس کے بعد جو مال تقسیم ہوگا اس میں سے اس بچہ کو بھی حصہ ملے گا۔

(اشرف التوضیح: ۴۹۳/ ۲، التعلیق: ۸۲/ ۴، مرقاۃ: ۴۳/ ۶)

غیرت کے محبوب یا مبغوض ہونے کا ذکر

{۳۱۷۶} وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَتِيْكٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ اَنَّ نَبِيَّ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مِنَ الْغَيْرَةِ مَا يُحِبُّ اللهُ وَمِنْهَا مَا يُبْغِضُ اللهُ فَاَمَّا الَّتِيْ يُحِبُّهَا اللهُ فَالْغَيْرَةُ فِي الرِّيْبَةِ وَاَمَّا الَّتِيْ يُبْغِضُهَا اللهُ فَالْغَيْرَةُ فِي غَيْرِ رِيْبَةٍ وَاِنَّ مِنَ الْخُيَلَاءِ مَا يُبْغِضُ اللهُ وَمِنْهَا مَا يُحِبُّ اللهُ فَاَمَّا الْخُيَلَاءُ الَّتِيْ يُحِبُّ اللهُ فَاخْتِيَالُ الرَّجُلِ عِنْدَ الْقِتَالِ وَاخْتِيَالُهُ عِنْدَ الصَّدَقَةِ وَاَمَّا الَّتِيْ يُبْغِضُ اللهُ فَاخْتِيَالُهُ فِي الْفَخْرِ وَفِيْ رِوَايَةٍ فِي الْبَغْيِ۔ (رواہ احمد وابوداؤد والنسائی)

حوالہ: مسند احمد: ۵/۴۴۵/۴۴۶، ابو داؤد شریف: ۲/۲۸۰، باب فی الخیلاء، کتاب الجہاد، حدیث نمبر: ۲۶۵۹، نسائی شریف: ۱/۲۷۵، باب الاختیال فی الصدقۃ، کتاب الزکاۃ، حدیث نمبر: ۲۵۵۸۔

ترجمہ: حضرت جابر بن عتیک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ غیرت وہ بھی ہے جس کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہیں اور غیرت وہ بھی ہے جسکو اللہ تعالیٰ ناپسند کرتے ہیں، جس غیرت کو اللہ پسند کرتے ہیں وہ مشکوک کاموں سے شرمانا ہے، اور جس غیرت کو اللہ تعالیٰ ناپسند کرتے ہیں وہ غیر مشکوک کاموں سے شرمانا ہے، بلاشبہ بعض غرور اللہ کو ناپسند ہیں اور بعض غرور پسند ہیں، جو غرور اللہ کو پسند ہیں وہ لڑائی کے وقت کا غرور ہے، اور وہ غرور جو صدقہ کے وقت ہو اور جو غرور اللہ کو ناپسند ہیں وہ برتری ثابت کرنے کا غرور ہے اور ایک روایت میں ہے سرکشی کا غرور ہے۔ (احمد، ابو داؤد، نسائی)

تشریح: اس حدیث میں دو جز ہیں، ایک غیرت سے متعلق اور ایک فخر اور خیلاء سے متعلق،

(۱)...... یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ بعض قسمیں تکبر کی ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض اور ناپسندیدہ ہیں، اور بعض قسمیں اس کی ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں، قسم ثانی کا مصداق وہ فخر اور بڑائی کا اظہار ہے جو دشمن کے سامنے لڑائی کے وقت کیا جائے، دشمن کو مرعوب کرنے کیلئے اپنی بہادری جتلائے، زبان سے بھی اور نقل وحرکت سے بھی، اور ایسے ہی وہ خیلاء جو صدقہ وخیرات کے وقت ہو، اور صدقہ میں خیلاء

یہ ہے کہ چاہے جتنی بڑی مقدار صدقہ کی ہو اس کو کثیر نہ سمجھے بلکہ اس کی قلت کا اظہار کرے، نیز بہت خوش دلی کے ساتھ اور انبساط کے ساتھ صدقہ کرے، اور اختیال کی قسم اول جو "مبغوض عند اللہ" ہے وہ آدمی کا اکڑنا اور خوش ہونا ہے اور دوسروں پر ظلم اور زیادتی کرنے میں ہے۔

اور حدیث کا دوسرا جز جو غیرت سے متعلق ہے اس کے بارے میں بھی آپ یہی فرمارہے ہیں کہ اس کی بھی دو قسمیں ہیں محبوب عند اللہ، اور مبغوض عند اللہ، غیرت کہتے ہیں "کراھت المشارکۃ فی امر محبوب" کہ یعنی آدمی کا اپنی محبوب اور پسندیدہ چیز میں دوسرے شخص کی شرکت کو پسند نہ کرنا، جیسے عاشق اپنے معشوق کے بارے میں یہ نہیں چاہتا کہ کوئی دوسرا اس سے تعلق قائم کرے، اور یہ کہ وہ معشوق کسی دوسرے کی طرف متوجہ ہو، علی ہذا القیاس، اپنی بیوی ہے یہ کون چاہے گا کہ کوئی دوسرا اس کی طرف دیکھے یا رغبت کرے۔ پس آنحضرت ﷺ فرمارہے ہیں کہ جو صفت غیرت کی اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے وہ غیرت ہے جو واقعی محل شک اور محل تہمت میں ہو جس کو آپ فرمارہے ہیں۔ "الغیرۃ فی ریبۃ" اور وہ غیرت جو مبغوض ہے وہ وہ ہے جو بے محل ہو، خواہ مخواہ اور بلا وجہ، بات بالکل صحیح ہے اسلئے کہ جو غیرت بلا وجہ اور بے محل ہوگی وہ تو سراسر سوءِ ظن ہے، لہٰذا اس سے بچنا ضروری ہے، اسی لئے اس کو مبغوض فرمارہے ہیں اور جو غیرت واقعی محل شک میں ہو وہ مطلوب اور پسندیدہ ہے۔ (الدر المنضود: ۳۹۲/۴)

{الفصل الثالث}

اسلام میں جاہلیت والا انتساب نہیں

{۳۱۷۷} **عَنْ** عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ فُلَاناً اِبْنِيْ عَاهَرْتُ بِاُمِّهٖ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا دِعْوَةَ فِي الْاِسْلَامِ ذَهَبَ اَمْرُ الْجَاهِلِيَّةِ اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۱/ ۳۱۰، باب الولد للفراش، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۲۲۷۴۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! فلاں میرا لڑکا ہے، میں نے زمانہ جاہلیت میں اس کی ماں کے ساتھ زنا کیا تھا، حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ اسلام میں یہ دعویٰ درست نہیں ہے، جب کہ جاہلیت کے دور کی باتیں گذر گئیں، بچہ صاحب فراش کا ہے جب کہ زانی کے لئے پتھر ہیں۔

(ابوداؤد)

تشریح: یہ اسلام کا بنیادی قاعدہ وضابطہ ہے ثبوت نسب کے سلسلہ میں، زمانہ جاہلیت میں زنا کثرت سے رائج تھا نہ وہ اس کو حرام سمجھتے نہ کوئی عیب کی بات، زانی برملا کہدیا کرتا کہ فلاں عورت کے اگر بچہ پیدا ہوگا تو وہ میرا ہوگا اور وہ لوگ ولد الزنا کا نسب زانی سے باقاعدہ تسلیم کرتے اور اس کو اس کا باپ قرار دیتے، اسلام نے اس طریق جاہلیت کو باطل اور پامال کیا اور آنحضرت ﷺ نے صاف طور پر فرمایا: "الولد للفراش وللعاهر الحجر"۔

عورت پر فراش کا اطلاق کیا جاتا ہے خواہ وہ اس کی زوجہ ہو یا "امة موطوءة"، مطلب یہ ہے کہ جب کسی شخص کے لئے زوجہ یا ایسی باندی ہو جس سے وہ وطی کرتا ہو، بشرطیکہ وہ زوجہ اور امۃ اس کی فراش بن چکی ہو اور پھر وطی کے بعد مدت امکان ولد میں جو کم از کم چھ ماہ ہے اس کے بچہ پیدا ہو تو ایسے بچہ کا نسب صاحب فراش سے ثابت ہوگا خواہ وہ بچہ اپنے والدین میں سے کسی ایک سے شکل وصورت میں مشابہ ہو یا نہ ہو، اب رہی یہ بات کہ عورت مرد کی فراش کب کہلاتی ہیں یہ تفصیل طلب ہے، ہم نے شروع میں کہا تھا کہ فراش سے مراد یا زوجہ ہے یا "امة موطوءة"، پس زوجہ کی فراشیت کی تحقیق تو نفس عقد ہی سے ہو جاتا ہے، عند الحنفیہ اور عند الجمہور عقد سے ہوتا ہے بشرط امکان الوطی والا فلا، اور حنفیہ کے نزدیک امکان وطی شرط نہیں، نکاح کے بعد زوجین کے درمیان مشرق ومغرب کا بھی اگر فرق ہو اور پھر مدت امکان یعنی نکاح کے چھ ماہ کے بعد ولادت ولد ہو تو نسب ثابت ہوگا، عند الجمہور بغیر شرط مذکور کے نہ ہوگا، "واما فراشية الامة"، سو عند الجمہور وہ ثابت ہو جاتی ہے نفس وطی سے، یعنی وطی مولیٰ اور حنفیہ کے نزدیک نفس وطی

سے نہیں بلکہ بعد "ولادة الولد والحاقه به" یعنی اس باندی کے مولیٰ کے وطی کرنے کے بعد جب بچہ پیدا ہو جائے، اور وہ اس کے بارے میں اقرار کرلے کہ یہ میرا بچہ ہے ان دو چیزوں کے مجموعہ کے بعد باندی کی فراشیت ثابت ہوتی ہے۔

فراش کی قسمیں

مزید تفصیل کے لئے جاننا چاہئے کہ فقہاء نے فراش کی تین قسمیں قرار دی ہیں، قوی، متوسط، اور ضعیف اول کا مصداق زوجہ منکوحہ ہے، منکوحہ فراش قوی ہے، منکوحہ میں اگر بچہ مدۃ امکان ولد میں پیدا ہو تو خود بخود اس کا نسب ثابت ہو جاتا ہے اور ادعاء زوج کی بھی حاجت نہیں بلکہ نفی سے منتفی نہیں ہوتا، الا یہ کہ لعان کی نوبت آجائے تب نسب باپ سے منتفی ہوتا ہے، دوسرا فراش متوسط کا مصداق ام ولد ہے یعنی جب ایک مرتبہ اپنی امۃ موطوہ سے بچہ پیدا ہو گیا اور مولیٰ نے اس کا اقرار بھی کرلیا تو یہ باندی اس کی ام ولد ہوگئی اب اگر دوبارہ اس کے یہاں ولادت ہوگی تو اس بچہ کا نسب بدون اقرار کے بھی ثابت ہو جائے گا لیکن نفی کرنے سے بغیر لعان کے منتفی ہو جائے گا، تیسری قسم فراش ضعیف کا مصداق "امة مملوكه موطوئه" ہے، جس کی پہلی بار بچہ پیدا ہو رہا ہے، یہاں ثبوت نسب کے لئے مولیٰ کا اقرار ضروری اور نفی سے منتفی ہو جاتا ہے۔ (الدر المنضود: ۴/۱۳۴)

چار قسموں کی عورتوں پر لعان نہیں

{۳۱۷۸} **وَعَنْه** اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَرْبَعٌ مِنَ النِّسَاءِ لَا مُلَاعَنَةَ بَيْنَهُنَّ النَّصْرَانِيَّةُ تَحْتَ الْمُسْلِمِ وَالْيَهُوْدِيَّةُ تَحْتَ الْمُسْلِمِ وَالْحُرَّةُ تَحْتَ الْمَمْلُوْكِ وَالْمَمْلُوْكَةُ تَحْتَ الْحُرِّ۔ (رواه ابن ماجه)

حواله: ابن ماجه شریف: ۱۵۰، باب اللعان، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۲۰۷۱۔

ترجمه: حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ

007

حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ چار طرح کی عورتوں ہیں کہ ان کے اور انکے شوہر کے درمیان لعان نہیں ہوتا ہے، (۱) وہ نصرانیہ عورت جو مسلمان کے نکاح میں ہو، (۲) وہ یہودیہ عورت جو مسلمان کے نکاح میں ہو، (۳) وہ آزاد عورت جو کسی غلام کے نکاح میں ہو، (۴) وہ لونڈی جو کسی آزاد آدمی کے نکاح میں ہو۔ (ابن ماجہ)

تشریح: پہلے بیان ہو چکا ہے کہ حنفیہ کے یہاں لعان شہادات کے قبیل سے ہے۔اس لئے "متلاعنین" میں اہلیت شہادت کا ہونا ضروری ہے، کافر او مملوکہ چونکہ شہادت کے اہل نہیں، اس لئے نصرانیہ اور مسلمان، یہودیہ اور مسلمان حرۃ اور رقیق اور مملوکہ اور حرہ کے درمیان لعان نہیں ہوسکتا۔

اب مسئلہ یہ ہے کہ خاوند نے زنا کا الزام لگا دیا، دونوں میں سے کسی میں اہلیت شہادت نہ ہونے کی وجہ سے لعان نہ ہوسکا تو خاوند پر حد قذف جاری ہوگی یا نہیں؟ اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر خاوند جس نے الزام لگایا ہے اس میں تو لعان کی اہلیت تھی، مگر بیوی میں اہلیت کی کسی شرط کے نہ ہونے سے لعان نہ ہوسکا تو خاوند پر حد قذف نہیں ہوگی اور اگر خاوند ہی میں شہادت کی اہلیت نہیں تھی اس کی وجہ سے لعان نہ ہوسکا تو اب خاوند پر حد قذف جاری ہوگی، مثلاً خاوند نے الزام لگا دیا مگر اس کے عبد، کافر یا محدود فی القذف ہونے کی وجہ سے لعان نہ ہوسکا تو اب خاوند پر حد قذف جاری ہوگی۔ (ہدایہ: ۱۱۲ / ۲، اشرف التوضیح: ۴۹۴ / ۲)

لعان کو حتی الامکان ٹالنے کی کوشش

{۳۱۷۹} **وَعَنِ** ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ رَجُلاً حِيْنَ أَمَرَ الْمُتَلَاعِنَيْنِ أَنْ يَتَلَاعَنَا أَنْ يَضَعَ يَدَهُ عِنْدَ الْخَامِسَةِ عَلٰى فِيْهِ وَقَالَ إِنَّهَا مُوْجِبَةٌ۔ (رواه النسائی)

حوالہ: نسائی شریف: ۲/ ۹۲، باب الامر بوضع الید علی فی المتلاعنین، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۳۴۷۲۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے جب دو لعان کرنے والوں کو لعان کا حکم دیا تو ایک شخص کو حکم فرمایا کہ پانچویں قسم کے وقت اس کے منہ پر

ہاتھ رکھ کر کہنا کہ یہ واجب کرنے والی ہے۔(نسائی شریف)

تشریح: جب شوہر بیوی پر زنا کی تہمت لگاتا ہے اور بیوی انکار کرتی ہے تو لعان کی نوبت آتی ہے، لعان کے اندر شوہر و بیوی دونوں قسم کھا کر اپنی بات کو سچ بتاتے ہیں، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے ایک کا جھوٹا ہونا یقینی ہے، آنحضرت ﷺ کا منشا یہ ہوتا تھا کہ لعان کی نوبت نہ آئے اور جو مجرم ہے وہ اپنے جرم کا اقرار کرلے تو بہتر ہے، اس لئے کہ اقرار کے بعد اگرچہ اس کو دنیا کی سزا کا سامنا ہوگا لیکن آخرت کے عذاب سے تو نجات مل جائیگی، اسی مقصد سے آنحضرت ﷺ تاکید فرماتے تھے کہ پانچویں گواہی کے وقت منہ پر ہاتھ رکھا جائے تاکہ آخری وقت میں تنبیہ ہوجائے اور لعان کی نوبت نہ آئے۔

المتلاعنین: یعنی شوہر و بیوی جنہوں نے لعان کا ارادہ کیا، "انها موجبه" یعنی پانچویں گواہی کے بعد لعان ہوجائے اور اگر یہ قسم جھوٹی ہے تو عذاب خداوندی کو واجب کرنے والی ہے، یا پھر فرقت کو واجب کرنے والی ہے۔

زوجین کے درمیان شکوک پیدا ہونا

{۳۱۸۰} **وَعَنْ** عَائِشَةَ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ مِنْ عِنْدِهَا لَیْلاً قَالَتْ فَغِرْتُ عَلَیْهِ فَجَاءَ فَرَاٰی مَا اَصْنَعُ فَقَالَ مَالَكِ یَاعَائِشَةُ اَغِرْتِ فَقُلْتُ وَمَالِیْ لاَ یَغَارُ مِثْلِیْ عَلٰی مِثْلِكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ جَاءَ كِ شَیْطَانُكِ قَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللہِ اَمَعِیْ شَیْطَانٌ قَالَ نَعَمْ قُلت وَمَعَكَ یَا رَسُوْلَ اللہِ قَالَ نَعَمْ وَلٰكِنْ اَعَانَنِیَ اللہُ عَلَیْهِ حَتّٰی اَسْلَمَ۔ (رواه مسلم)

حواله: مسلم شریف: ۳۷۶/۲، باتحریش الشیطان کتاب صفة القیامة والجنة والنار، حدیث نمبر: ۲۸۱۵۔

ترجمه: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ بلاشبہ حضرت رسول اکرم ﷺ ایک رات ان کے پاس سے نکلے، عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ مجھے آنحضرت ﷺ پر غیرت آئی، جب

007

آنحضرت ﷺ واپس آئے تو جو میں کررہی تھی آنحضرت ﷺ نے دیکھا، پھر کہا کہ کیا ہوا اے عائشہ رضی اللہ عنہا! کیا تم نے غیرت کی؟ میں نے عرض کیا کہ مجھ جیسی عورت بھلا آنحضرت ﷺ جیسے شخص پر غیرت نہ کرے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بلاشبہ تمہارے پاس تمہارا شیطان آگیا تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا میرے ساتھ شیطان ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہاں، میں نے کہا اور اے اللہ کے رسول آپ کے ساتھ؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہاں، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے مقابلہ میں میری مدد فرمائی چنانچہ وہ مسلمان ہوگیا۔ (مسلم شریف)

تشریح: ایک موقع پر شعبان کی پندرہویں شب میں آنحضرت ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو مطلع کئے بغیر، چپکے سے بستر سے اٹھ کر جنت البقیع میں مردوں کی دعاء مغفرت اور ایصال ثواب کے لئے تشریف لے گئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب آنحضرت ﷺ کو بستر پر نہیں پایا تو ان کے دل میں وسوسہ آیا کہ آنحضرت ﷺ کسی دوسری زوجہ کے گھر تشریف لے گئے ہیں، چنانچہ آنحضرت ﷺ کی تلاش میں لپکیں، تو آنحضرت ﷺ کو قبرستان میں دیکھ کر جلدی سے واپس آگئیں؟ اس عجلت کی بناء پر آپ کی سانس پھولنے لگی، آنحضرت ﷺ بھی پیچھے سے آگئے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی کیفیت دیکھ معاملہ کو سمجھ گئے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ تم مجھ پر غیرت کرتی ہو؟ اور یہ سمجھتی ہو کہ میں تمہارا حق ماروں گا، یہ شیطان کے وسوسہ کا اثر ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس موقع پر جو جواب دیا وہ اس کیفیت کی ترجمانی کرتا ہے جو سوکنوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے ہوتی ہے، یعنی آنحضرت ﷺ جیسے حسین وجمیل امام الانبیاء شوہر کا کسی دوسری بیوی کے پاس چلے جانے کا خطرہ دل میں پیدا ہوگیا تھا اور یہ غیرت میرے اندر پیدا ہوگئی تھی اور یہ فطری چیز ہے۔

لیلا: رات کے کسی حصہ میں چپکے سے آنحضرت ﷺ نکلے "فغرت علیه" آنحضرت ﷺ کو بستر پر نہ پا کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو غیرت آئی اور اس کی وجہ سے بے چینی پیدا ہوئی۔

اغرت: کیا میرے جانے کیوجہ سے تم کو غیرت آئی؟

مالی لا یغار: آنحضرت ﷺ حسین وجمیل ہیں امام الانبیاء ہیں، مجھ کو آنحضرت ﷺ سے شدید محبت ہے، پھر میری سوکنیں بھی ہیں، ایسے میں میں نہ غیرت کروں گی تو کون کریگا۔

لقد جاء ک شیطانک: تیرے پاس تیرا شیطان آ گیا، چوں کہ یہ بے محل کی غیرت تھی جو کہ اللہ کو ناپسند ہے، اس لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اس میں شیطانی وسوسہ کا دخل ہے۔

حتی اسلم: یا تو یہ مضارع متکلم کا صیغہ ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری مدد فرمائی، چنانچہ میں شیطان کے شر سے محفوظ ہو گیا ہوں، یا پھر یہ ماضی کا واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے تو مطلب یہ ہے کہ شیطان مطیع وفرمانبردار ہو گیا ہے، اب وہ مجھ کو برائی کا حکم نہیں کرتا، بلکہ بھلائی کی راہ بتاتا ہے۔ (مرقاۃ: ۶/۴۴۲)

مناسبت

علماء نے بیان کیا کہ اس حدیث کو باب سے تعلق یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو کہے کہ تیرے پاس شیطان ہے تو اس سے لعان واجب نہیں ہوتا۔

{باب العدۃ}

عدت کابیان

اس باب کے تحت کل تیرہ روایتیں درج کی گئی ہیں جو احکام عدت اور مسائل عدت سے متعلق ہیں۔

ماقبل سے مناسبت

کتاب العدۃ کو کتاب الطلاق، ظہار، خلع اور لعان ہر ایک کے بعد اس لئے ذکر فرمایا کہ عدت کی ضرورت مذکورہ تمام چیزوں کے بعد ہی پڑا کرتی ہے۔

عدت کی تعریف: عدت (ع کے زیر کے ساتھ) کے معنی شمار کرنے کے ہیں اسی لئے بعض فقہاء اس کو "عد" سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔(المغنی:۸/۷۸)

اصطلاحی تعریف: فقہ کی اصطلاح میں عدت اس مدت کو کہتے ہیں کہ جس میں نکاح صحیح کے ختم ہونے، نکاح فاسد کے بعد قاضی کی طرف سے علاحدگی کے فیصلہ یا باہمی فیصلہ کے تحت ایک دوسرے کے ساتھ ترک تعلق (متارکہ) یا شبہ کی بناء پر وطی کے بعد اپنے آپ کو روکے رکھے۔

(ردالمختار:۲/۵۹۹)

عدت گذارنے کی صورتیں اور مشروعیت کا ثبوت

عدت کا شمار کرنا تین طرح پر ہوتا ہے (۱) بذریعہ حیض (۲) بذریعہ شہور یعنی مہینہ کے ذریعہ (۳) بذریعہ وضع حمل، طلاق، فرقت فی النکاح الفاسد اور شبہ کی بنا پر وطی کر لینے، ام ولد کی آزادی اور اس کے آقا کی موت کی صورت میں حیض کے ذریعہ عدت کا گذارنا لازم ہوتا ہے، اور مہینہ کے ذریعہ عدت کا

008

گذارنا اس وقت ہوتا ہے جب کہ عورت نابالغہ ہو اور جس کی بنا پر اسے حیض نہ آتا ہو یا آیسہ ہو یعنی درازئ عمر کی وجہ سے حیض کا آنا بند ہوگیا ہو، اور ایسے ہی اس وقت بھی مہینہ کے ذریعہ عدت کا گذارنا لازم ہوتا ہے جب کہ شوہر کا انتقال ہوگیا ہو اور عورت حاملہ نہ ہو، خواہ وہ مدخول بہا ہو یا غیر مدخول بہا، جب کہ شوہر کا انتقال نکاح صحیح کے بعد ہوا ہو، اور اگر نکاح فاسد ہو تو چاہے قاضی نے دونوں کے درمیان تفریق کر دی ہو یا شوہر کا انتقال ہوگیا ہو ہر صورت میں عورت کی عدت حیض ہوگی، اور عورت اگر حاملہ ہے تو بالاتفاق ہر صورت میں اس کی عدت وضع حمل ہوگی، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

واولات الاحمال اجلهن ان يضعن حملهن: اور حاملہ عورتوں کی عدت یہ ہے کہ وہ بچہ جن دیں، یعنی بچہ کے پیدا ہوتے ہی ان کی عدت ختم ہو جاتی ہے، عدت گذارنے کی تینوں قسموں کا ثبوت یہ آیات ہیں۔

والمطلقات يتربصن بانفسهن ثلاثة قروء: (البقرہ ۲۸۸) اس آیت میں بذریعہ حیض عدت گذارنے کا بیان ہے، "**والذين يتوفون منكم ويذرون ازوا جايتربصن بانفسهن اربعة اشهر وعشرا**" اس آیت میں مہینہ کے ذریعہ عدت گذارنے کا تذکرہ ہے۔

واللآئی يئسن من المحيض من نسائكم ان ارتبتم فعدتهن ثلاثة اشهر واللآئی لم يحضن واولات الاحمال اجلهن ان يضعن حملهن: (الطلاق: ۴) اس آیت میں مہینوں اور وضع حمل کے ذریعہ عدت گذارنے کا بیان ہے، ان آیات میں عدت گذارنے کی صورتوں کا بیان بھی ہے اور انہیں آیات سے اس کی مشروعیت کا بھی ثبوت ہوتا ہے۔ حضرت رسول اللہ ﷺ کی احادیث مبارکہ میں بھی عدت کی مشروعیت کا بیان موجود ہے۔

عن عائشة عن النبی صلی الله عليه وسلم وقرءها حيضان: (ابوداؤد: ۲۹۷/ باب فی سنۃ طلاق العبد) اس روایت میں مذکور ہے کہ باندی کی عدت دو حیض ہے جو اس بات پر دال ہے کہ آیت میں قروء سے مراد حیض ہے، ایک دوسری حدیث میں مستحاضہ عورت کا حکم بیان فرماتے ہوئے حضرت رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "**انما هو عرق، فامرها ان تترك الصلوة قدر اقراءها وحيضتها وتغسلی وتصلی**" (نسائی باب ذکر الاغتسال من الحیض) اس روایت میں بھی

"قدر اقرائھا" اس پر دلالت کرتا ہے کہ عورت کا عدت گذارنا بذریعہ حیض ہوگا اور "والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلثۃ قروء" سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ مطلقہ عورتیں اپنے کو تین حیض روکے رکھیں یعنی کسی غیر مرد سے نکاح نہ کریں جب تک کہ تین حیض نہ گذر جائیں۔

عدت کی حکمتیں

عدت دورِ جاہلیت کے مسلمات مشہورہ میں سے تھی اور ایک ایسی چیز تھی جس کو لوگ چھوڑ ہی نہیں سکتے تھے، اور اس میں بہت سی مصلحتیں تھیں۔

پہلی مصلحت: براءت رحم، عدت اس بات کے جاننے کے لئے ہے کہ عورت کو حمل ہے یا نہیں؟ اور یہ بات معلوم ہونی اس لئے ضروری ہے تا کہ نسب میں اختلاط نہ ہو، یعنی کسی کا بچہ کسی کی طرف منسوب نہ ہو جائے، کیونکہ نسب میں لوگ کنجوسی کرتے ہیں، یعنی اپنا بچہ دوسرے کی طرف منسوب نہیں ہونے دیتے اور تمام عقل مند نسب کے طلب گار ہوتے ہیں یعنی اپنی اولاد چاہتے ہیں اور نسب نوع انسانی کی خصوصیت ہے، اس کے ذریعہ انسان دوسرے حیوانات سے ممتاز ہوتا ہے۔

دوسری مصلحت: نکاح کی اہمیت دوبالا کرنا، نکاح جب منعقد ہوتا ہے لوگوں کے اجتماع میں منعقد ہوتا ہے کم از کم دو گواہوں کی موجودگی ضروری ہوتی ہے، یہ بات نکاح کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے ہے، اسی طرح جب نکاح ختم کیا جاتا ہے تو لمبے انتظار (عدت) کے بعد عورت دوسرا نکاح کر سکتی ہے، یہ بات بھی نکاح کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے ہے، ورنہ نکاح بچوں کا گھروندا ہو جائے گا، جس سے دل بہلا یا پھر توڑ کر برابر کر دیا۔

تیسری مصلحت: ہمیشگی کا پیکر بنانا، نکاح کی مصلحتیں اس وقت تکمیل پزیر ہوتی ہیں جب میاں بیوی بظاہر اس کو ہمیشہ باقی رکھنے کا پکا ارادہ رکھتے ہوں، پھر اگر کوئی ناگہانی بات پیش آئے اور نکاح ختم کرنا ضروری ہو تو بھی کسی درجہ میں ہمیشگی کا پیکر نانا ضروری ہے، اور اس کی صورت یہ ہے کہ طلاق کے بعد عورت اتنی مدت انتظار کرے، جس کی کچھ اہمیت ہو، اور جس میں عورت کچھ مشقت جھیلے تا کہ یہ ظاہر ہو کہ عورت مجبوراً دوسری جگہ جاری ہے ورنہ وہ ٹلنا نہیں چاہتی تھی۔

نیز عدت سے شریعت کا مقصود نسب کا تحفظ ہے، اسلام کی نظر میں نسب کی ایک خاص اہمیت ہے اور اس پر خاندانی زندگی کا دارومدار وانحصار ہے، اگر باپ کی شناخت باقی نہ رہے اور اولاد کو اس کا حقیقی خاندان میسر نہ آسکے تو پھر انسان اور حیوان کے درمیان کیا فرق باقی رہ جائیگا؟ اسی لئے اسلام نے ایک مرد کے بعد دوسرے مرد کے نکاح میں جانے کے درمیان ایک "**وقفہ**" رکھا ہے تاکہ نسب میں اختلاط نہ ہو، اسی وقفہ کا نام عدت ہے۔

اس کے علاوہ عدت سے کچھ اور اخلاقی مقاصد بھی متعلق ہیں، میاں بیوی کا رشتہ نہایت قربت کا رشتہ ہے، جب تک ازدواجی زندگی قائم ہوتی ہے ہر نشیب وفراز اور سرد وگرم میں ایک دوسرے کی رفاقت کا حق ادا کرتے ہیں، راحت بھی پہنچاتے ہیں اور تکلیف بھی اٹھاتے ہیں، کبھی ایک دوسرے کو سہتے ہیں اور کبھی سہے جاتے ہیں، بیوی تو چراغ خانہ ہوتی ہے، لیکن مرد اسکو روشن رکھنے کے لئے در در کی ٹھوکریں کھاتا ہے، پسینے بہاتا ہے، پریشانیاں اٹھاتا ہے اور تکلیفیں سہتا ہے، اب جب شوہر کی وفات ہوئی تو اس پر تو دلگیر وحزیں ہونا اس کا فطری اور اخلاقی فریضہ ہے ہی، اگر طلاق کی بنا پر علاحدگی ہوئی تب بھی روا نہیں کہ پچھلے تعلقات سے محرومی پر ایک اشک حسرت وافسوس بھی نہ گرایا جائے، عدت اسی اخلاقی فرض کی ادائیگی سے عبارت ہے۔

فائدہ: عدت کی نبیادی مصلحت اگرچہ پہلی ہے مگر اس کے ساتھ اور مصلحتیں بھی ملحوظ ہیں، اس لئے اگرچہ ایک حیض سے برأت رحم معلوم ہوجاتی ہے، مگر دوسری مصلحتوں کو بروئے کار لانے کے لئے عدت تین حیض مقرر کی گئی ہے۔ (مستفاد از رحمۃ اللہ الواسعہ: ۵/۱۶۹)

عدت کی اقسام وثبوت

عدت دوطرح کی ہوتی ہے: (۱)......ایک وہ جو شوہر کے انتقال کے بعد واجب ہوتی ہے اس کو "عدت وفات" کہتے ہیں۔

(۲)......دوسرے وہ جو شوہر سے طلاق وغیرہ کے ذریعہ علاحدگی کے بعد واجب ہوتی ہے یہ "عدت طلاق" کہلاتی ہے۔

ان دونوں ہی عدتوں کا ثبوت قرآن کریم سے بھی ہے، (البقرہ: ۲۲۸، ۲۳۴) اور صحیح ومعتبر احادیث سے بھی، ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ کسی مسلمان عورت کے لئے جو اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتی ہو، تین دنوں سے زیادہ کا سوگ جائز نہیں ہے، سوائے شوہر کے کہ اس پر چار ماہ دس دنوں کا سوگ کیا جاتا ہے۔

(۲)...... اسی طرح حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق کی عدت گذارنے کا حکم دیا۔

(۳)...... نیز ان دونوں عدتوں کے واجب ہونے پر امت کا اجماع واتفاق ہے۔

(۴)...... گو عدت سے متعلق بعض تفصیلات میں اختلاف ہے۔

عدت وفات

عدت وفات ایسی عورتوں کے لئے جو حاملہ نہ ہوں چار ماہ دس دن ہے اور خود قرآن کریم میں اس کی صراحت موجود ہے، (البقرہ: ۳۴) مہینہ سے چاند کا مہینہ مراد ہے، اگر مہینہ کے آغاز ہی سے عدت گذارے تو چاند کے مہینوں کا اعتبار ہے خواہ مہینے ۲۹/ دن کے ہوں یا ۳۰/ دن کے، اور اگر مہینہ کے درمیان میں انتقال ہوا تو پھر دنوں کا اعتبار ہے، ایک سو تیس دن عدت کے ہوں گے، یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک درمیان کے دونوں مہینے تو چاند کے ہی حساب سے ہوں گے۔ البتہ ابتدائی مہینہ کے باقی ماندہ ایام کو دو ماہ کے بعد پورا کریگی۔ (۵) حاملہ عورت کی عدت ولادت تک ہے۔ (الطلاق: ۴)

عدت وفات بالغہ پر بھی واجب ہوتی ہے اور نابالغہ پر بھی مسلمان عورت پر بھی اور مسلمان مرد کے نکاح میں کوئی یہودی یا عیسائی خاتون ہو تو اس پر بھی، شوہر نے اس سے صحبت کر لی ہو تب بھی اور صحبت نہ کی ہو جب بھی، البتہ یہ ضروری ہے کہ نکاح شرعاً درست ومعتبر ہو، اگر نکاح فاسد (نامعتبر) تھا اور مرد کا انتقال ہو گیا تو عدت واجب نہیں ہوگی۔ (ردالمحتار: ۶۰۳/ ۲)

عدت طلاق

عدت کا دوسرا سبب نکاح کے بعد رشتہ نکاح کا طلاق، خلع یا فسخ کے ذریعہ ختم ہوجانا ہے، چاہے نکاح خیار بلوغ یا حرمت مصاہرت یا کفائت نہ ہونے کی بنا پر فسخ کیا گیا ہو، ہاں ایک صورت اس سے مستثنیٰ ہے کہ اگر دار الحرب سے کوئی عورت دار الاسلام آجائے مسلمان ہو کر آئے یا کفر ہی کی حالت میں ہو، تو اسکا نکاح پہلے شوہر سے فسخ ہوجائے گا، لیکن اس عورت پر عدت واجب نہیں ہوگی۔ (شامی:۵۹۹/۲)

نکاح کے بعد علاحدگی کی صورت میں اس وقت عدت واجب ہوتی ہے کہ:

الف...... نکاح صحیح رہا ہو، نکاح کے بعد شوہر کی عورت کے ساتھ اس طرح خلوت ہوئی ہو کہ ہمبستری میں کوئی طبعی مانع باقی نہ ہو۔

ب...... یا نکاح فاسد ہوا ور ہمبستری ہو چکی ہو، نکاح فاسد کی صورت میں صرف خلوت و یکجائی کافی نہیں۔

(تحفۃ الفقہائ: ۲۴۴/۱) نکاح کے بعد جس عورت کے ساتھ اس طرح کی تنہائی و یکجائی نہ ہوئی ہو، اس پر عدت واجب نہیں، نکاح صحیح کے بعد خلوت پائے جانے کی صورت میں عدت کا واجب ہونا حنفیہ، مالکیہ اور شوافع کے درمیان متفقہ مسئلہ ہے، البتہ شوافع کے نزدیک جب تک صحبت نہ کی جائے، عدت واجب نہیں۔ (المغنی:۸۰/۸)

حنفیہ وغیرہ نے زرارہ بن اوفی رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کیا ہے کہ خلفاء راشدین کا یہی فیصلہ تھا۔ "قضی خلفاء الراشدین المھدیون انہ اذا اغلق الباب وارخی الستر وجب الصداق"

(رواہ احمد والاثرم وزاد: وجبت العدۃ: ٦، اعلاء السنن: ۸۹/۱۱)

جس نے پردہ گرایا یا دروازہ بند کردیا تو مہر اور عدت دونوں واجب ہوگئے۔

جس عورت سے شبہ میں وطی کرلی گئی ہو، اس پر بھی عدت واجب ہوگی۔ (شامی:۶۰۳/۲)

زانیہ عورت پر حنفیہ کے نزدیک عدت واجب نہیں، ہاں اگر حاملہ ہو تو چاہئے کہ نکاح کے بعد بھی ولادت تک اس سے صحبت نہ کرے، اگر حمل نہ ہو تو صحبت سے رکنا ضروری تو نہیں، لیکن مستحب ہے کہ ایک حیض گذر جانے دے تاکہ نسب میں اختلاط و اشتباہ کا کوئی اندیشہ نہ رہے۔ (شامی:۵۹۹/۲)

عدت طلاق کی مقدار

طلاق کی عدت مختلف حالات میں الگ الگ ہے۔

الف......حاملہ عورت کی عدت ولادت ہے اور خود قرآن کریم میں صراحت کے ساتھ اس کا ذکر آیا ہے۔ (الطلاق:۴)

ب......جس عورت کو حیض کا سلسلہ جاری ہو، اس کی عدت تین حیض ہے، ارشاد خداوندی ہے،

"المطلقات یتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء" (البقرہ:۲۲۸)

اس آیت میں حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک "قرء" سے حیض مراد ہے۔ (المغنی:۸۱/۸) کیونکہ جناب نبی کریم ﷺ نے باندی کی عدت دو حیض قرار دی ہے، اس لئے ضروری ہے۔ کہ آزاد عورت کی عدت بھی حیض ہی کے ذریعہ شمار کی جائے گی۔

پھر غور کرو کہ عدت کا مقصد کیا ہے؟ ہر چند کہ اس کے مختلف مقاصد ہیں، مگر سب سے اہم مقصد اس بابت مطمئن ہونا ہے کہ عورت کے رحم میں سابق شوہر کا نطفہ نہیں ہے اس لئے اب وہ دوسرے مرد کے نکاح میں جا سکتی ہے، یہ مقصد حیض ہی کے آنے سے حاصل ہوتا ہے نہ کہ طہر سے، شوافع اور مالکیہ کے نزدیک "قروء" سے "طهر" مراد ہے۔ (المغنی:۸۱/۸)

ج......جن عورتوں کو کم سنی یا درازی عمر کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو، ان کی عدت قرآن کریم نے تین ماہ بتائی ہے، (الطلاق:۴) اور اس پر فقہاء کا اتفاق ہے۔

اگر مرض وفات میں طلاق دے؟

اگر اس بیماری میں بیوی کو طلاق دی جو بالآخر اس شخص کی وفات کا باعث بنا اور عورت کی عدت طلاق کے درمیان ہی شوہر فوت ہو گیا، تو طلاق رجعی کی صورت میں تو بیوی کو عدت وفات گذارنی ہی ہے، طلاق بائن یا طلاق مغلظہ دی تھی، جب بھی اس صورت میں بیوی کو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عدت وفات پوری کرنی ہوگی، البتہ یہ ضروری ہوگا کہ اس پوری عدت کے درمیان تین حیض

گذر جائیں۔(تحفۃ الفقہاء:۲۴۶/۱)

طویل وقفۂ حیض والی عورت

کسی عورت کو مسلسل خون جاری ہو اور بند ہی نہ ہوتا ہو تو اس کی عدت سات ماہ ہے، دس دس دن تین حیض کے، اور دو دو ماہ کا وقفہ طہر، اسی پر فتویٰ ہے۔(شامی:۲:۶۰۲)

اگر کسی عورت کی عدت حیض سے شروع ہوئی اور اس کے بعد حیض کا سلسلہ ایسا بند ہوا کہ خون آتا ہی نہیں، تو حنفیہ کے اصل مذہب کے مطابق ایسی عورت کے لئے بڑی آزمائش ہے، جب تک بوڑھاپے کی عمر (سن ایاس) کو نہ پہنچ جائے، عدت ہی میں تصور کی جائیگی لیکن چونکہ اس میں بڑی دقت تھی اس لئے اس مسئلہ میں مالکیہ کی رائے پر عمل کرنے کی گنجائش ہے، شامی نے بزازیہ سے نقل کیا ہے: "والفتویٰ فی زماننا علی قول مالك" اور "جامع الفصولین" سے نقل کیا ہے کہ اگر مالکیہ کے مذہب کے مطابق قاضی فیصلہ کردے تو نافذ ہوگا۔(شامی:۶۰۲/۲)

مالکیہ سے اسی عورت کی عدت کے سلسلہ میں گو نو ماہ کا قول بھی منقول ہے، لیکن صحیح و معتبر قول ایک سال کا ہے، اس ایک سال میں اصل عدت تو تین ہی ماہ ہے اور چونکہ عام طور پر حمل نو ماہ رہتا ہے، اس لئے نو ماہ شبہ حمل کے دور کرنے اور اطمینان قلب کیلئے ہے۔

جس عورت کو مسلسل خون آتا ہو اس کو "ممتدۃ الحیض" اور جس کو بندش حیض کا طویل وقفہ درپیش ہو، اس کو "ممتدۃ الطھر" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔(قاموس الفقہ:۳۷۷/۴)

عدت کے احکام

عدت سے متعلق مختلف احکام ہیں:

عدت کی حالت میں صراحتاً نکاح کا پیغام دینا درست نہیں، ہاں اشارۃ کہا جاسکتا ہے، "ولکن لا تواعدوھن سرا الا ان تقولوا قولا معروفا" لیکن ان سے نکاح کا دو طرفہ وعدہ مت کرنا اولاً یہ کہ مناسب طریقہ سے کوئی بات کہدو۔(البقرۃ:۲۳۵) البتہ اشارہ کی زبان میں بھی پیغام صرف طلاق رجعی کی

عدت کےعلاوہ میں درست ہے۔(تفسیر کبیر:۴۳۱/۳)

جب پیام نکاح تک کی ممانعت ہےتو خود نکاح کی ممانعت وحرمت تو ظاہر ہی ہے،اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے"ولا تعزموا عقدۃ النکاح حتی یبلغ الکتاب اجلہ" اورنکاح کا عقد پکا کرنے کا اس وقت تک ارادہ بھی مت کرنا جب تک عدت کی مقررہ مدت اپنی میعاد کو نہ پہنچ جائے۔(البقرہ:۲۳۵)

باہر نکلنے کی ممانعت

عدت طلاق کے درمیان شب وروز شوہر کی مہیا کی ہوئی رہائش گاہ میں رہنا ضروری ہے،خود قرآن کریم میں اس کی صراحت موجود ہے،(الطلاق:۱) چنانچہ اگرعورت میکہ گئی ہوئی تھی اوروہیں شوہر نےطلاق دیدی تو حنفیہ کےنزدیک عدت گذارنے کیلئے اس کو اس مقام پر واپس آجانا چاہئے،جو اس کو بہ طوررہائش کےفراہم کی گئی تھی،ہاں اگر وہاں رہنے میں اس کیلئے جان ومال یاعزت وآبرو کاخطرہ ہو یا مکان کےمنہدم ہوجانے کااندیشہ ہوتو اس کے بجائے دوسرے مکان میں بھی عدت گذار سکتی ہے۔

عدت وفات میں یہ رعایت ہےکہ رات میں تو گھر رہنا ضروری ہے البتہ دن میں اپنی ضروریات کیلئے باہر جاسکتی ہے کیونکہ اس کےنفقہ کی ذمہ داری خود اسی پر ہے،بیوہ عورت جان ومال اورعزت وآبرو کےخطرہ کےعلاوہ اس وقت بھی گھر چھوڑ سکتی ہے،جب متروکہ مکان میں اس کاحصہ اتنا کم ہوکہ اس میں رہائش ممکن نہ ہو،یا مکان کرایہ کاہو اور کرایہ ادا کرنے کی استطاعت نہ ہو۔(تحفۃ الفقہاء:۱/۲۵۰)

نفقہ ورہائش

عدت وفات کانفقہ شوہر پرواجب نہیں،اس پراتفاق ہے،البتہ مالکیہ نے رہائش کاانتظام واجب قراردیاہے،بشرطیکہ رہائشی جگہ شوہر کی مملوکہ ہو یاشوہر اس کاعدت کی مدت کے بہ قدر یااس سے زیادہ کاپیشگی کرایہ ادا کرچکا ہو،اگرطلاق رجعی دی ہوتو بھی اتفاق ہےکہ عدت کانفقہ اوررہائش کاانتظام شوہر پرواجب ہے،طلاق بائن یا مغلظہ دی اورعورت حمل کی حالت میں ہو جب بھی بالاتفاق نفقہ ورہائش شوہر کے ذمہ ہے،کیونکہ ارشاد ربانی ہے"وان کن اولات حمل فانفقوا علیھن حتی یضعن حملھن"

اور اگر وہ حاملہ ہوں تو ان کو اس وقت تک نفقہ دیتے رہو جب تک وہ اپنے پیٹ کا بچہ جن لیں۔(الطلاق:۶)

اگر طلاق بائن یا مغلظہ دی اور بیوی حاملہ نہ ہو تو اس صورت میں اختلاف ہے، حنفیہ کے نزدیک نفقہ ورہائش دونوں کا انتظام کرنا واجب ہے، کیونکہ وہ شوہر کی وجہ سے ایک طرح کی قید (حبس) میں ہے، حنابلہ کے نزدیک نہ نفقہ واجب ہے نہ رہائش اور مالکیہ وشوافع کے نزدیک رہائش واجب ہے نفقہ واجب نہیں۔اسی طرح نکاح فاسد یا شبہ میں کی گئی صحبت کی عدت گذار رہی ہو تو اکثر فقہاء کے نزدیک نفقہ ورہائش کی ذمہ داری نہیں، مالکیہ کے نزدیک اگر عورت حمل سے ہو تو اس صورت میں بھی صحبت کرنے والے مرد پر اس کا نفقہ واجب ہے۔(الفقہ الاسلامی وادلتہ:۶۵۰/۷)

مطلقہ کے ساتھ سفر

جس عورت کو طلاق بائن یا طلاق مغلظہ دیدی گئی ہو، اس کو عدت کے درمیان سفر میں ساتھ لے جانا درست نہیں، چاہے حج ہی کا سفر کیوں نہ ہو، نہ شوہر کے لئے اور نہ کسی اور محرم کے لئے ہاں اگر طلاق رجعی دی تھی اور ارادہ رجعت کا ہے تو شوہر ساتھ لے کر سفر کرسکتا ہے، عدت وفات کا حکم بھی وہی ہے جو طلاق بائن کی عدت کا ہے۔

سوگ

عدت کے احکام میں سے ایک "سوگ" ہے جس کو فقہ کی اسطلاح میں "حداد" یا "احداد" کہتے ہیں۔

اس کا بیوہ عورت پر تو واجب ہونا متفق علیہ ہے۔حنفیہ کے نزدیک طلاق بائن یا مغلظہ کی صورت میں عدت طلاق میں بھی واجب ہے، مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کے نزدیک مطلقہ کی عدت میں سوگ نہیں، حدیث میں گو صرف بیوہ ہی کے لئے سوگ کا ذکر آیا ہے، لیکن حنفیہ کا خیال ہے کہ جیسے بیوہ شوہر کے فراق پر حسرت وافسوس کا اظہار کرتی ہے، اسی طرح مطلقہ بائنہ اور مطلقہ مغلظہ بھی شوہر کے فراق وجدائی سے دوچار ہے، اس لئے اس کو بھی اظہار سوگ کرنا چاہئے۔

حنفیہ کے نزدیک سوگ اسی عورت پر ہے، جو بالغ، عاقل اور مسلمان ہو، کیونکہ نابالغ، پاگل اور عیسائی اور یہودی عورت احکام کی مکلف ہی نہیں ہے، دوسرے فقہاء کے نزدیک نابالغ اور یہودی یا عیسائی بیوہ پر بھی سوگ کا حکم ہے۔ (تحفۃ الفقہاء: ۲۵۱/۱، المغنی: ۱۲۴/۸)

میراث کا مسئلہ

اگر عدت کے درمیان زوجین میں سے ایک کی وفات ہو جائے، تو بعض حالات میں ایک دوسرے سے میراث پائیں گے اور بعض صورتوں میں نہیں، اس سلسلہ میں تفصیل اس طرح ہے۔

(۱)......مطلقہ رجعیہ کی عدت میں شوہر یا بیوی کا انتقال ہو گیا تو بالاتفاق ایک دوسرے سے میراث پائیں گے، چاہے طلاق حالت صحت میں دی ہو یا بیماری میں۔

(۲)......طلاق بائن یا مغلظہ صحت میں دی گئی اور زن وشوہر میں سے ایک کا درمیان عدت ہی انتقال ہو گیا، تو بالاتفاق ایک دوسرے سے میراث کے حقدار نہیں ہوں گے۔

(۳)......شوہر نے مرض وفات میں ہی بیوی کو طلاق بائن یا مغلظہ دی لیکن اس نے ایسا عورت کے مطالبہ پر کیا، بیوی اس پر رضامند تھی، اس صورت میں بھی عورت اس کی میراث میں حصہ نہیں پائے گی، اس پر اتفاق ہے۔

(۴)......اسی صورت میں شوہر نے طلاق دی، لیکن بیوی رضامند نہیں تھی تو حنفیہ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک عورت شوہر کے متروکہ میں وارث ہو گی، شوافع کے نزدیک وارث نہیں ہو گی۔

شوافع کا نقطہ نظر ہے کہ طلاق بائن اور مغلظہ نے رشتہ نکاح کو بالکلیہ ختم کر دیا ہے، اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ ایک دوسرے سے وراث ہوں، دوسرے فقہاء نے حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وغیرہ کے فتویٰ پر عمل کیا ہے۔

(الفقہ الاسلامی وادلتہ: ۶۶۴/۷، یہ ساری تفصیل قاموس الفقہ سے ماخوذ ہے، مادہ عدت)

{الفصل الاول}

ایام عدت میں نفقہ

{۳۱۸۱} **عَنْ** اَبِیْ سَلَمَۃَ عَنْ فَاطِمَۃَ بِنْتِ قَیْسٍ اَنَّ اَبَا عَمْرِو بْنَ حَفْصٍ طَلَّقَھَا الْبَتَّۃَ وَھُوَ غَائِبٌ فَاَرْسَلَ اِلَیْھَا وَکِیْلُہُ الشَّعِیْرَ فَسَخِطَتْہُ فَقَالَ وَاللہِ مَالَكِ عَلَیْنَا مِنْ شَیْءٍ فَجَاءَتْ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَذَکَرَتْ ذَالِكَ لَہٗ فَقَالَ لَیْسَ لَكِ نَفَقَۃٌ فَاَمَرَھَا اَنْ تَعْتَدَّ فِیْ بَیْتِ اُمِّ شَرِیْكٍ ثُمَّ قَالَ تِلْكَ اِمْرَأَۃٌ یَغْشَاھَا اَصْحَابِیْ اِعْتَدِّیْ عِنْدَ ابْنِ اُمِّ مَکْتُوْمٍ فَاِنَّہٗ رَجُلٌ اَعْمٰی تَضَعِیْنَ ثِیَابَكِ فَاِذَا حَلَلْتِ فَآذِنِیْنِیْ قَالَتْ فَلَمَّا حَلَلْتُ ذَکَرْتُ لَہٗ اَنَّ مُعَاوِیَۃَ ابْنَ اَبِیْ سُفْیَانَ وَاَبَاجَھْمٍ خَطَبَانِیْ فَقَالَ اَمَّا اَبُوْ الْجَھْمِ فَلَا یَضَعُ عَصَاہُ عَنْ عَاتِقِہٖ وَاَمَّا مُعَاوِیَۃُ فَصَعْلُوْكٌ لَا مَالَ لَہٗ اِنْکِحِیْ اُسَامَۃَ بْنَ زَیْدٍ فَکَرِھْتُہٗ ثُمَّ قَالَ اِنْکِحِیْ اُسَامَۃَ فَنَکَحْتُہٗ فَجَعَلَ اللہُ فِیْہِ خَیْرًا وَاغْتُبِطْتُ، وَفِیْ رِوَایَۃٍ عَنْھَا فَاَمَّا اَبُوْجَھْمٍ فَرَجُلٌ ضَرَّابٌ لِلنِّسَاءِ۔ (رواہ مسلم) وَفِیْ رِوَایَۃٍ اَنَّ زَوْجَھَا طَلَّقَھَا ثَلَاثًا فَاَتَتِ النَّبِیَّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا نَفَقَۃَ لَكِ اِلَّا اَنْ تَکُوْنِیْ حَامِلًا۔

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۴۸۳، باب المطلقۃ البائن لا نفقۃ فیھا، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۱۴۸۰۔

ترجمہ: *حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوعمرو بن حفص رضی اللہ عنہ نے ان کو طلاق مغلظہ دے دی، جب کہ وہ خود موجود نہ تھے، اور اپنے وکیل کے ذریعہ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کے پاس جَو بھیجے، تو فاطمہ رضی اللہ عنہا ان سے ناراض ہوگئیں، وکیل نے ان*

سے کہا کہ خدا کی قسم تمہارے لئے ہمارے اوپر کچھ بھی واجب نہیں ہے، چنانچہ وہ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور انہوں نے اس واقعہ کو آنحضرت ﷺ سے بیان کیا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے لئے نفقہ نہیں ہے، پھر ان کو حکم دیا کہ وہ ام شریک کے گھر میں عدت گذاریں پھر فرمایا کہ وہ ایک ایسی عورت ہیں جن کے گھر میں میرے صحابہ رضی اللہ عنہم آمد ورفت رہتی ہے، لہٰذا تم ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے پاس عدت گذارو، اس لئے کہ وہ نابینا آدمی ہیں، وہاں تم اپنے کپڑے بھی اتار سکوگی، اور جب تم حلال ہوجانا تو مجھ کو خبر کرنا، فاطمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں جب میں حلال ہوگئی یعنی عدت گذرگئی، تو میں نے آنحضرت ﷺ کو بتایا کہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ اور ابوجہم رضی اللہ عنہ نے میرے پاس پیغام نکاح بھیجا ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جہاں تک ابوجہم کی بات ہے تو وہ اپنی لاٹھی اپنے کندھے سے نیچے نہیں رکھتے ہیں اور رہے معاویہ ابن ابوسفیان رضی اللہ عنہ تو وہ غریب ہیں، ان کے پاس مال کچھ نہیں ہے، لہٰذا تم اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے نکاح کرلو، میں نے ان کو ناپسند کیا پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے نکاح کرلو، چنانچہ میں نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے نکاح کرلیا، تو اللہ تعالیٰ نے اس میں بھلائی مقدر فرمادی اور مجھ پر رشک کیا جانے لگا، ایک دوسری روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ابوجہم ایسے شخص ہیں جو عورتوں کو مارتے بہت ہیں، (مسلم شریف) مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ فاطمہ کے شوہر نے فاطمہ کو تین طلاقیں دی تھیں، چنانچہ یہ جناب حضرت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے لئے نفقہ نہیں ہے الا یہ کہ تم حاملہ ہو۔

تشریح: فاطمہ: یہ قریش کی بہت حسین وجمیل عورت تھیں۔

طلقہا البتۃ: ان کے شوہر نے ایک ایک کرکے تین طلاقیں دے دیں تھیں اور خود شہر چھوڑ کر چلے گئے تھے۔

فارسل الیہا وکیلہ: اپنے چچازاد بھائی کو اپنا وکیل بنا کر ان کے ذریعہ فاطمہ بنت قیس کو غلہ بھیج دیا، وکیل نے جب غلہ فاطمہ بنت قیس کو پہنچایا، تو وہ غصہ میں بھڑک اٹھیں۔

واللہ مالک علینا شئی: چونکہ تم کو طلاق مغلظہ مل چکی ہے، لہٰذا تمہارا ہمارے اوپر کوئی حق نہیں بنتا ہے، یا پھر یہ مطلب ہے کہ اس غلہ کے علاوہ تمہارا کوئی حق نہیں ہے، "فذکرت ذالک لہ"

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے سارے واقعہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کیا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ:

لیس لک نفقة: یعنی مطلقہ ثلاثہ ہونے کی حالت میں تمہارے لئے کوئی نفقہ نہیں ہے، کیوں کہ شوہر پر نفقہ دینا واجب نہیں ہے، یا پھر یہ مطلب ہے کہ جو نفقہ تم کو دیا جا رہا ہے وہ ٹھیک ہے، اس سے زائد کا تم دعویٰ نہیں کرسکتی ہو اور جس قسم کا تم نفقہ چاہتی وہ تمہارا حق نہیں ہے، طحاوی کی روایت میں ہے کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "صدق" یعنی تمہارے شوہر نے جتنا نفقہ تمہارے لئے رکھا ہے، وہی تمہارا حق ہے، فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا نے وہ نفقہ قبول نہیں کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زائد دلوایا بھی نہیں۔

فامرها ان تعتد: اب چونکہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے عدت گذارنے کا مسئلہ تھا، شوہر گھر پر موجود نہ تھے، فاطمہ شدید برہم بھی تھیں، لہٰذا قوی اندیشہ تھا کہ اگر شوہر کے ہی گھر پر عدت گذاریں گی تو گھر میں جھگڑا ہوگا، لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پہلے تو یہ حکم دیا کہ ام شریک کے گھر میں عدت گذارو، لیکن چونکہ ام شریک ایک بوڑھی انصاری خاتون تھیں، بڑی مہمان نواز اور سخی طبیعت کی تھیں، لہٰذا ان کے یہاں مہاجرین صحابہ رضی اللہ عنہم کی بہت دعوت رہا کرتی تھی اس لئے آپ نے فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے کہا کہ ام شریک کے یہاں مہاجرین کا ہجوم رہتا ہے، لہٰذا تم عبد اللہ بن مکتوم رضی اللہ عنہ کے یہاں عدت گذارلو۔

فانه رجل اعمی: وہ نابینا صحابی ہیں، تقوی کا تقاضہ تو یہی ہے کہ عورت مرد کو نہ دیکھے، لیکن اگر شہوت کے بغیر مرد کو دیکھتی ہے تو گناہ نہیں ہے۔

تَضَعِيْنَ ثِيَابَكِ

(۱)...... پردہ کی ضرورت نہ ہوگی کیونکہ وہ نابینا ہے اور اس کے گھر میں کسی کی آمد نہیں ہے۔

(۲)...... یا یہ مطلب ہے کہ ایام عدت میں تو زینت کے کپڑے رکھ دے مت پہن۔

(۳)...... اپنے کپڑے رکھ دو، یعنی ایام عدت میں باہر مت نکلو۔

بعض لوگوں نے اس سے یہ دلیل بنائی ہے کہ عورت کو اجنبی مرد کی طرف دیکھنا درست ہے جب کہ مرد اس کو نہ دیکھے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ان کی یہ دلیل بہت کمزور ہے اور قابل استدلال

نہیں ہے، درست بات وہی ہے جو جمہور علماء نے فرمائی ہے کہ اجنبی مرد کے لئے عورت کو اور عورت کے لئے اجنبی مرد کو دیکھنا حرام ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "قل للمؤمنین یغضوا من ابصارھم" اے محمد ﷺ! آپ مؤمن مردوں سے فرما دیجئے کہ وہ اپنی نگاہوں کو نیچا رکھیں، اسی طرح عورتوں کے متعلق بھی اللہ پاک نے ایسا ہی حکم فرمایا ہے: چنانچہ ارشاد ہے: "وقل للمؤمنات یغضضن من ابصارھن" یعنی اے محمد ﷺ! آپ مؤمن عورتوں سے فرما دیجئے کہ وہ اپنی نگاہوں کو نیچا رکھیں نیز آپ ﷺ نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا: جبکہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آئے، "افعمیا وان انتما" کہ وہ تو نابینا ہیں تم دونوں تو نابینا نہیں ہو۔

نیز یہ روایت فاطمہ بھی اسی بات پر دلالت نہیں کرتی کہ آپ نے ان کے لئے ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کا دیکھنا جائز کر دیا بلکہ مقصود یہ ہے کہ ان کے مکان پر کسی کی آمد نہ ہونے کی وجہ سے تم امن و اطمینان سے رہو گی اور تمہیں کوئی نہ دیکھے گا۔

فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اجنبی مرد کو دیکھنے کی ممانعت خود کتاب اللہ سے جب معلوم تھی تو ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو انہوں نے کیوں کر دیکھا تھا۔

احناف کے یہاں عورت کو اجنبی مرد کے زیر ناف سے لیکر رانوں تک کے علاوہ جسم کو اس شرط سے دیکھنا جائز ہے جب کہ شہوت سے مأمون ہو ورنہ تمام بدن دیکھنا حرام ہے۔

فاذا حللت فآذنینی: مطلب یہ تھا کہ عدت گذرنے کے بعد مجھ کو مطلع کرنا اور اگر پیغام نکاح آئے تو مجھ سے مشورہ کر کے قبول کرنا، چنانچہ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی جب عدت پوری ہوگئی وان کے پاس دو لوگوں کے پیغام آئے، فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ کو اس سے مطلع کیا "ابو جھم فلا یضع عصاہ" آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ ابو جہم بیوی کو مارتے بہت ہیں، اور تم اعلیٰ خاندان کی ہو مار برداشت نہ کرسکو گی، لہٰذا تمہارا ان سے نباہ غیر ممکن ہے، اور معاویہ تہی دست ہیں لہٰذا وہ تمہاری خرچ برداشت نہ کرسکیں گے، اس لئے میری رائے یہ ہے کہ تم اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے نکاح کرلو، اس سے معلوم ہوا کہ اگر لڑکے اور لڑکی کے پیغامات آرہے ہیں اور ابھی کہیں رشتہ طے نہیں ہوا، تو کوئی پیغام دے سکتا ہے، رشتہ کہیں طے ہونے کے بعد پیغام دینا ممنوع ہے، آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے "لا یخطب علی

خطبۃ اخیہ فکر ھتہ"، حضرت اسامہ کالے رنگ تھے اس لئے اولا فاطمہ کو یہ رشتہ پسند نہ تھا۔

فوائد حدیث: اس حدیث سے چند باتیں بطور خاص سمجھ میں آتی ہیں۔

(۱)......جس عورت کو طلاق مغلظہ دی گئی ہو اور وہ حاملہ نہ ہو تو اس کے لئے نفقہ نہیں ہے، اگر شوہر کچھ دیتا ہے تو وہ اس کی طرف سے احسان ہے۔ اگرچہ مسئلہ اختلافی ہے۔

(۲)......عورت عدت کے ایام میں بناؤ سنگھار سے گریز کرے اور گھر سے باہر نہ نکلے۔

(۳)......اگر کسی شخص نے کسی عورت کو نکاح کا پیغام دیا ہے اور ابھی منظوری نہیں ملی ہے تو دوسرا شخص بھی پیغام نکاح دے سکتا ہے۔

(۴)......جس شخص کا پیغام آیا ہے اگر اس کے عیب کا علم ہے تو اصلاح کی غرض سے عیب بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے تاکہ شادی کے بعد کسی قسم کی پریشانی کا باعث نہ ہو۔

(۵)...... جو شخص حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند کے مطابق نکاح کرے گا ان شاء اللہ اس کو قلبی سکون ملے گا۔

تعارض مع دفع تعارض

طلقها البتة: ایک روایت کے اندر ہے "ارسلها بعض ثلث تطلیقات"، اور ایک روایت کے اندر ہے "ثلاث تطلیقات"، ان سب کے تعارض کا دفعیہ کرتے ہوئے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ ان سب کے اندر جمع کرتے ہیں کہ دو طلاق پہلے دی تھی اور ایک بعد میں دی، "فارسل الیها و کیله الشعیر"، ان کا نام عیاض بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ ہے جیسا کہ مسلم شریف کے اندر صراحت سے وارد ہوا ہے، اور وہ شعیر پانچ صاع جو اور پانچ صاع تمر تھا لیکن فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا اس کے کم ہونے کی وجہ سے ناراض ہوئیں وکیل نے کہا "واللہ مالك علینا من شئی"، اب اس پر اشکال ہوا کہ ابھی تک نفقہ کا فیصلہ تو ہوا نہیں تھا، یہ جواب کے اندر کیسے کہا اس کا جواب بعض علماء نے دیا ہیکہ اس جملہ کا مطلب یہ نہیں کہ ان کے خاوند پر ان کے لئے کوئی شيَ واجب نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے خاوند جتنا مال دے کر گئے تھے اس میں سے صرف یہی باقی ہے اس سے زیادہ میرے پاس موجود نہیں ہے۔ (مرقاۃ: ۶/۴۴۶)

معتدہ مبتوتہ کے نفقہ اور سکنی کا حکم

مغلظہ اور بائنہ دونوں کو "مبتوتہ" کہا جاتا ہے مبتوتہ کی دو حالتیں ہیں، حاملہ ہوگی یا غیر حاملہ، مبتوتہ اگر حاملہ ہوتو عدت کے دوران خاوند کے ذمہ اس کا نفقہ اور سکنی بالاتفاق واجب ہے مبتوتہ غیر حاملہ کے دوران عدت نفقہ وسکنیٰ کے بارے میں اختلاف ہے۔

حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ اس کا نفقہ اور سکنی زوج پر لازم ہے یہی مسلک حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور سفیان ثوری اور دیگر بہت سے اکابر کا ہے، شافعیہ اور مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ معتدہ مبتوتہ غیر حاملہ کا سکنی تو لازم ہے، نفقہ لازم نہیں امام احمد، اسحاق بن راہویہ اور ظاہریہ وغیرہ کا مذہب یہ ہے کہ نہ نفقہ لازم ہے اور نہ سکنیٰ۔ (مذاہب از عینی شرح بخاری: ۲۰/۳۰۷)

مطلقہ رجعیہ کے لئے بالاتفاق نفقہ اور سکنی لازم ہے۔ (مذاہب از عینی شرح بخاری: ۲۰/۳۰۸)

حنابلہ وغیرہ کی دلیل

حنابلہ وغیرہ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا زیر بحث حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ اس میں ہے کہ "لا نفقة لك الا ان تكونى حاملا" تیرے لئے نفقہ نہیں الا یہ کہ تو حاملہ ہو۔ ایسے ہی فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو اپنے خاوند کے گھر کے بجائے ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے گھر میں عدت گذارنے کا حکم دیا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ خاوند کے ذمہ سکنی لازم نہیں۔

شافعیہ اور مالکیہ کا استدلال

مالکیہ اور شافعیہ کا استدلال اس طرح ہے کہ سکنی تو قرآن کریم کی آیت "واسکنوهن من حيث سكنتم" ان عورتوں کو اپنی حیثیت کے مطابق اسی جگہ رہائش مہیا کرو، جہاں تم رہتے ہو (سورۃ الطلاق) سے ثابت ہوا، اور نفقہ کی نفی فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی حدیث سے ہوگئی۔

حنفیہ کا استدلال

وجوب سکنی کی دلیل قرآن کریم کی آیت: "لا تخرجوا ھن من بیوتھن ولا یخرجن" ان عورتوں کو ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں۔ (سورۃ الطلاق) اور آیت "اسکنوھن من حیث سکنتم" ہے اور وجوب نفقہ کی دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عمل ہے کہ فاطمہ بنت قیس کی حدیث پہنچنے کے باوجود مبتوتہ کو نفقہ اور سکنی دلواتے تھے، اور فرماتے تھے "لا ندع کتاب ربنا وسنة نبینا لقول امراۃ وھمت اونسیت" ہم اپنے رب کی کتاب اور اپنے نبی کی سنت کو ایک عورت کے قول کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتے ہوسکتا ہے اسکو وہم ہوگیا ہو یا وہ بھول گئی ہو۔ (عمدۃ القاری: ۲۰/۷۰۸)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ضرور آنحضرت سے وجوب نفقہ کے بارے میں سن رکھا تھا، بلکہ بعض روایات میں تصریح ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: لها السکنی والنفقة" میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ اس کے لئے سکنیٰ بھی ہے اور نفقہ بھی ہے۔ (شرح معانی الآثار للطحاوی: ۲/۳۹)

ایسے ہی سنن دارقطنی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث مرفوع ہے: "المطلقة ثلاثا لها السکنی والنفقه"۔ مطلقہ ثلاثہ کے لئے نفقہ بھی ہے اور سکنی بھی ہے۔ (اعلاء السنن: ۱۱/۲۹۵)

اور قواعد شریعت کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ نفقہ واجب ہونا چاہئے، قاعدہ یہ ہے کہ جو کسی کے حق میں محبوس ہوا اس محبوس کا نفقہ اسی کے ذمہ ہوتا ہے جس کے حق میں محبوس ہو، معتدہ مبتوتہ بھی چونکہ محبوس لحق الزوج ہے اس لئے اس کا نفقہ بھی زوج پر لازم ہوگا۔

جواب

فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی حدیث کا جواب یہ ہے کہ ان کو ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے گھر عدت گذارنے کا حکم اس لئے دیا تھا کہ یہ زبان کی بہت تیز تھی، زوج کے گھر رہنے کی صورت میں نزاع چلتے رہنے کا اندیشہ تھا، اور "لا نفقة لك" کا یہ مطلب نہیں کہ تجھے بالکل نفقہ نہیں ملے گا بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس

معیار کا نفقہ تو مانگ رہی ہے اس کی تو مستحق نہیں، ان کے زوج ابوعمرو بن حفص رضی اللہ عنہ نے انکو نفقہ بھیجا تھا، مگر انہوں نے اسکو کم سمجھ کر واپس کر دیا تھا، اور اس سے زیادہ کا مطالبہ کر رہی تھی اس کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اتنے زیادہ نفقہ کی تو مستحق نہیں ہے۔ (اشرف التوضیح: ۲/۴۹۴)

مطلقہ کا دوسرے مکان میں عدت گذارنا

{۳۱۸۲} **وَعَنْ** عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهاَ قَالَتْ إِنَّ فَاطِمَةَ كَانَتْ فِيْ مَكَانٍ وَحْشٍ فَخِيْفَ عَلَى نَاحِيَتِهَا فَلِذَالِكَ رَخَّصَ لَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعْنِيْ فِي النَّقْلَةِ وَفِي رِوَايَةٍ قَالَتْ مَالِفَاطِمَةَ اَلَا تَتَّقِي اللهَ تَعْنِيْ فِيْ قَوْلِهَا لَاسُكْنٰى وَلَانَفَقَةَ۔ (رواه البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۸۰۲، باب قصة فاطمة بنت قيس، كتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۵۳۲۵۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ایک ویران مکان میں رہتی تھیں وہاں کا ماحول خوف ناک تھا، لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نقل مکانی کی اجازت عطا کر دی تھی، ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ اللہ سے ڈرتی نہیں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ارشاد کا مطلب۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے اس قول کہ نہ نفقہ واجب ہے نہ سکنی کی تردید کرنا ہے۔ (بخاری شریف)

تشریح: ان فاطمة كانت فی مکان: مطلقہ ثلاثہ کے لئے سکنی ہے، یعنی شوہر کیلئے لازم ہے کہ اس کو عدت کے ایام گذارنے کے لئے گھر فراہم کرے اور اپنے گھر سے نکالے نہیں، ارشاد باری ہے "لا تخرجوهن من بيوتهن ولا يخرجن" اس آیت میں یہ حکم ہے کہ عورتوں کو مکانات سے نکالو نہیں اور نہ وہ خود نکلیں، مطلقہ ثلاثہ کیلئے جائز نہیں ہے، کہ بغیر کسی شرعی مجبوری کے ایام عدت دوسری جگہ گذارے۔

سوال: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے گھر میں عدت گذارنے کی اجازت کیوں دی تھی؟

جواب: آنحضرت ﷺ نے فاطمہ کو جو اجازت دی تھی وہ عام ضابطہ نہ تھا بلکہ ضرورت اور مصلحت کی بنا پر دی تھی اور اس مصلحت کے بارے میں احادیث کے الفاظ مختلف ہیں۔

(۱)......آپ کی اجازت ایک مجبوری کی وجہ سے تھی اور وہ یہ تھی کہ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا ایک ویران جگہ میں رہتی تھیں، اس کیوجہ سے ان کو خطرات لاحق تھے، لہٰذا آپ نے ان کو نقل مکانی کی اجازت عطا کر دی۔

(۲)...... فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا زبان دراز عورت تھی جیسا کہ ابو داؤد کی روایت میں ہے کہ: "تلك امراة فتنت الناس انها كانت لسنة" یہ ایک ایسی عورت تھی جس نے لوگوں کو فتنے میں ڈال دیا تھا اس لئے کہ وہ بلا شبہ زبان دراز تھی۔ ان کی زبان درازی اور بداخلاقی کی وجہ سے شوہر کے گھر والوں کے ساتھ ان کا گذرنا ممکن تھا، لہٰذا آنحضرت ﷺ نے ان کو نقل مکانی کی اجازت دی، معلوم ہوا کہ فاطمہ کا واقعہ عام ضابطہ نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ مروان بن حکم کے بھائی عبدالرحمن کی بیٹی کو طلاق ہوگئی تو عبدالرحمن اپنی بیٹی کو اپنے گھر لے آئے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس پر نکیر فرمائی اور لڑکی کے چچا مروان کے پاس جو مدینہ کے حاکم تھے کہلا بھیجا: "اتق الله ورد ها الى بيتها" بے شک عبدالرحمن ابن الحکیم مجھ پر غالب آگئے۔ خدا سے ڈرو اور لڑکی کو اس کے اس گھر میں بھیج دو جہاں اس کو طلاق ہوئی ہے، حاکم مروان نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو جو جواب دیا اس کے الفاظ مختلف ہیں بعض روایات میں آتا ہے کہ انہوں نے کہا کہ: "ان عبد الرحمن بن الحكم غلبني" یعنی میں کچھ نہیں کر سکتا، اس لئے کہ لڑکی کے باپ نے لڑکی کو منتقل کیا ہے، اور بھائی پر میرا زور نہیں ہے، جب کہ بعض روایات میں آتا ہے کہ مروان نے کہا کہ: "اما بلغت شان فاطمة بنت قيس" ام المؤمنین کیا آپ کو فاطمہ بنت قیس کے واقعہ کی خبر نہیں ہے، یعنی انہوں نے نقل مکانی کی تھی، اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: "لا يضرك ان تذكر حديث فاطمة" فاطمہ کا واقعہ اگر نہ بیان کرو تو تمہارا کوئی نقصان نہیں، مطلب یہ تھا کہ وہ عام ضابطہ نہیں مخصوص حالات کی بنا پر ایسا ہوا، مروان نے کہا کہ: "ان كان بك شر فحسبك ما بين هذين من الشر" یعنی اگر آپ کے نزدیک فاطمہ بنت قیس والے واقعہ میں شر تھا تو ان دونوں کے درمیان بھی شر ہے، مطلب یہ ہے کہ اگر آپ یہ سمجھتی ہیں کہ وہاں فاطمہ کا گذر ممکن نہ تھا اور شوہر کے گھر میں اختلاف کی بنا پر

نہیں رہ سکتی تھیں، لہٰذا ان کو نقل مکانی کی اجازت ملی، تو یہاں بھی زوجین کے درمیان شدید اختلاف ہے لہٰذا شوہر کے گھر میں رہنا ممکن نہیں ہے، اس وجہ سے ان کے باپ ان کو اپنے گھر لے آئے، معلوم ہوا کہ اگر کوئی عذر ہے تو نقل مکانی کی اجازت ہے، ورنہ نہیں، اس سے صاف معلوم ہوا کہ "مطلقہ ثلثہ" کے لئے سکنی ہے۔

الا تتقی اللّٰہ: حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو مخصوص حالات میں نقل مکانی کی اجازت ملی تھی اور ان کی نافرمانی کی وجہ سے ان کو نفقہ ملا ہی نہیں یا پھر جس نفقہ کا انہوں نے مطالبہ کیا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دلوانے سے منع کر دیا، اس بات کو فاطمہ نے اس انداز سے بیان کیا کہ معلوم ہوتا ہے کہ مطلقہ ثلاثہ کے لئے مطلقاً نہ نفقہ ہے اور نہ سکنی ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کے اس انداز بیان پر نکیر کر رہی ہیں اور خوف خدا دلا رہی ہیں۔

زبان درازی کی وجہ سے دوسری جگہ عدت گذارنا

{۳۱۸۳} **وَعَنْ** سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ اِنَّمَا نُقِلَتْ فَاطِمَةُ لِطُوْلِ لِسَانِهَا عَلٰى اَحْمَائِهَا۔ (رواہ فی شرح السنۃ)

حوالہ: بغوی فی شرح السنۃ: ۹/۲۹۴ باب مقام المطلقۃ، کتاب العدۃ، حدیث نمبر: ۲۳۸۴۔

ترجمہ: حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو عزیز و اقارب سے زبان درازی کی وجہ سے منتقل کیا گیا۔ (بغوی فی شرح السنہ)

تشریح: فاطمہ کو ان کے شوہر نے طلاق مغلظہ دی تھی، ضابطہ کے مطابق انکو شوہر کے گھر عدت گذارنا چاہئے تھی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ عبد اللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے گھر عدت گذارو، عدت گذانے کے لئے نقل مکانی کے دو سبب تھے۔

(۱)......فاطمہ جس جگہ رہتی تھیں، وہ ویران تھی، اس لئے عزت و آبرو کا خطرہ تھا۔

(۲)......زبان کی تیز تھیں سسرالی رشتہ داروں سے جھگڑے کا خطرہ تھا۔

انما نقلت فاطمہ: اس حدیث سے خوب اچھی طرح معلوم ہوا کہ عدت گذارنے کے لئے فاطمہ کی نقل مکانی عارض کی بناء پر تھی، یہ ضابطہ شرعی نہیں ہے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا ہی کی روایت کی بنا پر کہتے ہیں کہ مطلقہ مبتوتہ کے لئے نہ نفقہ ہے اور نہ سکنی ہے، ان کے مذہب کی تردید ہوتی ہے۔

ایام عدت میں گھر سے نکلنا

{۳۱۸۴} **وَعَنْ** جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ طُلِّقَتْ خَالَتِيْ ثَلَاثاً فَارَادَتْ اَنْ تَجُدَّ نَخْلَهَا فَزَجَرَهَا رَجُلٌ اَنْ تَخْرُجَ فَأَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ بَلىٰ فَجُدِّيْ نَخْلَكِ فَاِنَّهٗ عَسَى اَنْ تَصَدَّقِيْ اَوْ تَفْعَلِيْ مَعْرُوْفاً۔ (رواه مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۴۸۶، باب جواز خروج المعتدۃ البائن، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۱۴۸۳۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میری خالہ کو تین طلاقیں دی گئیں، اس کے بعد انہوں نے ارادہ کیا کہ اپنے کھجور کے پھل توڑ لائیں، چنانچہ ایک صاحب نے ان کو باہر نکلنے سے منع کیا، حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں نہیں، تم اپنے پھل توڑو، اس لئے ممکن ہے کہ تم خیرات کرو یا نیکی کے دوسرے کام کرو۔ (مسلم شریف)

تشریح: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میری خالہ کو تین طلاقیں دی گئی تھیں وہ زمانہ عدت میں اپنے کھجور کے درختوں کی دیکھ بھال اور پھل وغیرہ توڑنے کیلئے گھر سے نکلیں، راستہ میں ایک شخص ان کو ملا جس نے ان کو نکلنے سے منع کیا، وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اپنے نکلنے کا ذکر کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کا حاصل یہ ہے کہ ٹھیک ہے اس کام کے لئے تم نکل سکتی ہو، اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ تمہارا یہ نکلنا کسی خیر یا صدقہ کا ذریعہ بنے اس حدیث سے "جواز خروج للحاجۃ" معلوم ہو رہا ہے جیسا کہ جمہور کا مسلک ہے۔

معتدہ مطلقہ کے خروج کا حکم

جس عورت کا خاوند وفات پا جائے وہ عورت عدت وفات کے دوران دن کے وقت خاوند کے گھر سے اکثر علماء کے نزدیک نکل سکتی ہے، اور مطلقہ عورت طلاق کے وقت جس گھر میں تھی اگر اس سے نکلنے پر مجبور ہو کہ گھر ٹوٹ گیا یا اپنے نفس پر یا مال پر کسی کا خوف ہو تو وہ اس سے نکل کر دوسری جگہ عدت گذار سکتی ہے اور پھر اس میں اختلاف ہے کہ بیت العدت سے نکل سکتی ہے یا نہیں تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دن میں مطلقاً نکل سکتی ہے خواہ کوئی ضرورت ہو یا نہ ہو اور رات میں بغیر ضرورت شدیدہ نکلنے کی اجازت نہیں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک لیل ونہار کسی وقت بھی بغیر ضرورت شدیدہ نہیں نکل سکتی ہے۔ (عمدۃ القاری: ۳۰۸/۲۰)

ائمہ ثلاثہ کی دلیل

ائمہ ثلاثہ کا استدلال حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی زیر بحث حدیث سے ہے، ان کی خالہ کو عدت طلاق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر سے نکلنے کی اجازت دی ہے۔

حنفیہ کے دلائل

(۱)......امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن کریم کی آیت "ولا یخرجن الا ان یاتین بفاحشۃ مبینۃ" کے عموم سے استدلال کیا ہے اس آیت میں مطلقہ کو انقضاء عدت سے پہلے نکلنے سے صریح نہی ہے، قرآن کریم کے اس قطعی عموم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس خبر واحد کیوجہ سے تخصیص وتقید نہیں کی جاسکتی ہے۔

(۲)......قیاس کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ اس کو گھر سے باہر نکلنے کی اجازت نہ ہو، اس لئے کہ "متوفی عنہا زوجہا" تو کبھی اپنے اخراجات کے لئے گھر سے باہر نکلنے پر مجبور ہوسکتی ہے، مگر مطلقہ کا نفقہ تو خاوند کے ذمہ ہے، لہٰذا اس کو باہر نکلنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

حدیث جابر رضی اللہ عنہ کے جوابات

(۱)......ممکن ہے کہ یہ حدیث احکام عدت کے نازل ہونے سے پہلے کی ہو، بعد میں عدت کے احکام نازل ہوئے تو یہ حکم منسوخ ہوگیا۔

(۲)......ہوسکتا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی خالہ نفقہ کے لئے خروج کی محتاج ہوں کہ انہوں نے اپنے زوج سے عدت کے نفقہ کے بدلہ میں خلع کرلیا ہو اس لئے عدت میں اب وہ نفقہ کے لئے محتاج ہوں گی، اور ایسی صورت میں ہمارے یہاں بھی خروج جائز ہے۔(فتح القدیر:۱۶۶/۴)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے معمول بہ نہ ہونے کی ایک واضح تائید اس سے ہوتی ہے کہ خود راوی حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے عدم جواز خروج کا فتویٰ دیا ہے، امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے۔

انہ قال فی المطلقۃ: انہا لا تعتکف ولا المتوفی عنہا زوجہا ولا تخرجان من بیوتہا حتی توفیا اجلہا: (شرح المعانی الآثار: ۴۰/۲) اور راوی کا فتویٰ اپنی روایت کے خلاف ہونا اس روایت کے منسوخ یا مؤول ہونے کی دلیل ہے۔(اشرف التوضیح:۴۹۶/۲)

حنفیہ کی طرف سے حدیث کی مزید توجیہ

اور یہ حدیث بظاہر مسلک حنفیہ کے خلاف ہے، لیکن اس حدیث کا شروع کا حصہ کہ ایک شخص نے ان کو خروج سے روکا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عام مسئلہ تو یہی تھا اس کے بعد وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی اور انہوں نے آپ سے اپنی پوری بات بیان کی تو آپ نے سن کر فرمایا اس طرح نہیں فرمایا: کہ مسئلہ یہ نہیں ہے بلکہ آپ نے ان سے خصوصی خطاب سے فرمایا: کہ تمہارے لئے اجازت ہے تم نکل سکتی ہو، بطور کلیہ کے آپ نے ان سے نہیں فرمایا، جس کے پیش نظر کہہ سکتے ہیں کہ یہ واقعہ "واقعۃ حال لا عموم لہا" کے قبیل سے ہے، اور یہ رخصت انہی کے ساتھ خاص ہے، بعد میں التعلیق الممجد کو دیکھا گیا اس میں بھی حضرت مولانا عبدالحیٔ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اسی جواب کی طرف اشارہ کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (الدر المنضود:۱۵۲/۴)

حاملہ کی عدت

{۳۱۸۵} **وَعَنِ** الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ سُبَيْعَةَ اْلاَ سَلَمِيَّةَ نُفِسَتْ بَعْدَ وَفَاةِ زَوْجِهَا بِلَيَالٍ فَجَاءَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَاذَنَتْهُ اَنْ تَنْكِحَ فَاَذِنَ لَهَا فَنَكَحَتْ. (رواہ البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۷۲۹، سورۃ الطلاق، باب واولات الاحمال اجلھن، کتاب التفسیر، حدیث نمبر: ۴۹۰۹۔

ترجمہ: حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت سبیعہ اسلمیہ نے اپنے شوہر کی وفات کے کچھ ہی عرصہ بعد بچہ جنا، چنانچہ وہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے عقد ثانی کی اجازت طلب کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت عطا کردی، چنانچہ انہوں نے نکاح کرلیا۔ (بخاری شریف)

تشریح: سُبَيْعَةُ اْلاَسَلَمِيَّةُ: کے زوج کا نام سعد بن خولہ ہے اس کے اندر روایات مختلف ہیں کہ انکے زوج کے انتقال کے کتنے دن بعد بچہ پیدا ہوا اس حدیث کے اندر تو ہے "بلیال" دوسری روایت کے اندر ہے کہ تین روز بعد، بعض میں پانچ روز بعد اور بعض کے اندر ہے کہ نصف شہر کے بعد بچہ پیدا ہوا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حاملہ کی عدت وضع حمل ہے اور متوفی عنہا زوجہا کی عدت معلوم ہو چکی کہ چار ماہ دس روز ہے تو اگر کوئی عورت حاملہ بھی ہو اور متوفی عنہا زوجہا ہو تو اس کا کیا حکم ہے، ائمہ اربعہ کے نزدیک اس کی عدت وضع حمل ہوگی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ وحضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس کی عدت "ابعد الاجلین" ہوگی ان کا استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ کے اندر فرمایا: کہ "والذین یتوفون منکم یذرون ازواجا یتربصن بانفسھن اربعۃ اشھر وعشرا"۔ اور تم میں سے جو لوگ وفات پاجائیں اور بیویاں چھوڑ کر جائیں تو وہ بیویاں اپنے آپ کو چار مہینے اور دس دن انتظار میں رکیں گی۔ اور سورہ طلاق کے اندر ہے "واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن"۔ اور جو عورتیں حاملہ ہوں ان کی (عدت کی) معیاد یہ ہے کہ وہ اپنے پیٹ کا بچہ جن لیں۔ تو پہلی آیت سے معلوم

ہوا کہ چار ماہ دس دن ہے اور اس آیت سے معلوم ہوا کہ وضع حمل اس کی عدت ہے تو اگر ایک پر عمل کرے گا تو دوسرے کے خلاف لازم آئے گا، لہٰذا ہم نے کہا کہ "ابعد الاجلین" عدت گذارے، جمہور فرماتے ہیں کہ دراصل عورتوں کی تین قسمیں ہیں ایک وہ جو صرف حاملہ ہو، اور ایک وہ جو متوفی عنہا زوجہا ہو اور تیسری وہ قسم ہے جو حاملہ بھی ہو اور متوفی عنہا زوجہا بھی تو اول قسم کیلئے تو "واولات الاحمال اجلھن الخ" پر عمل کیا جائے گا، اور ثانی کے لئے "والذین یتوفون منکم الخ" پر عمل ہوگا اور اب رہ گیا ثالث کا قصہ اب اللہ تعالیٰ نے جو عدۃ وفات کو بیان فرمایا وہ عام ہے حامل اور غیر حامل دونوں کو شامل ہے، اور دوسری آیت کے اندر خاص حاملہ کا ذکر ہے لہٰذا یہ اول آیت کے لئے ناسخ بنے گا اور متوفی عنہا زوجہا کی عدت اس آیت سے مقرر ہوگی۔ جو ناسخ ہے اب یہ کہ یہ آیت ناسخ کیسے ہے ناسخ کیلئے موخر ہونا ضروری ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سورہ طلاق سورہ بقرہ کے بعد نازل ہوئی ہے اور جو شخص مجھ سے مباہلہ کرنا چاہے تو میں اس کے لئے تیار ہوں۔ (تقریر حضرت شیخ زکریا قدس سرہ)

ایام عدت میں اسباب زینت اختیار کرنا

{۳۱۸۶} **وَعَنْ** اُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهاَ قَالَتْ جَاءَتْ اِمْرَأَةٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللهِ اِنَّ ابْنَتِيْ تُوُفِّيَ عَنْهَا زَوْجُهَا وَقَدِ اشْتَكَتْ عَيْنُهَا اَفَنَكْحُلُهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا، مَرَّتَيْنِ اَوْ ثَلَاثاً كُلَّ ذَالِكَ يَقُوْلُ لَا، ثُمَّ قَالَ اِنَّمَا هِيَ اَرْبَعَةُ اَشْهُرٍ وَعَشْرٌ وَقَدْ كَانَتْ اِحْدَاكُنَّ فِي الْجَاهِلِيَّةِ تَرْمِي بِالْبَعْرَةِ عَلىٰ رَأْسِ الْحَوْلِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۸۰۳/۲، باب مراجعۃ الحائض، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۵۳۳۶، مسلم شریف: ۴۸۷/۱، باب وجوب الاحداد، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۱۴۸۸۔

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک عورت حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی، اور اس نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بلا شبہ میری بیٹی کے شوہر کا

انتقال ہوگیا ہے اور اس کی آنکھوں میں تکلیف ہے کیا میں اس کے سرمہ لگادوں حضرت رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں، اس عورت نے دو یا تین مرتبہ دریافت کیا، آنحضرت ﷺ نے ہر مرتبہ فرمایا کہ نہیں، پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ صرف چار مہینہ اور دس دن ہیں، جب کہ ایام جاہلیت میں تم میں کی ایک عورت سال بھر کے بعد مینگنیاں پھینکتی تھی۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک عورت ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ کے پاس آئی، اور آکر عرض کیا کہ یارسول اللہ! میری بیٹی کے شوہر کی وفات ہوگئی ہے اس کی آنکھ دکھتی ہے، کیا ہم اس کے سرمہ لگا سکتے ہیں؟ تو اس پر آنحضرت ﷺ نے مکرر دو یا تین مرتبہ فرمایا: نہیں پھر آگے روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: "اِنَّمَا هِيَ اَرْبَعَةُ اَشْهُرٍ وَعَشْرٌ وَقَدْ كَانَتْ اِحْدَاكُنَّ فِي الْجَاهِلِيَّةِ تَرْمِي بِالْبَعَرَةِ عَلٰى رَأْسِ الْحَوْلِ" الخ۔

آنحضرت ﷺ کو اس سوال پر ناگواری ہوئی کہ عورتیں زینت کے لئے بہانے ڈھونڈتی ہیں، چنانچہ آپ فرمارہے ہیں کہ اب اسلام میں مدت عدت صرف چار ماہ دس دن ہے، (تم سے اس مختصر مدت میں بھی صبر نہیں ہوتا) حالانکہ زمانہ جاہلیت میں بیوہ عورت کا یہ حال تھا کہ جب اس کی ایک سال کی عدت پوری ہوجاتی تھی، "ترمی بالبعرۃ" مینگنیاں پھینکتی تھی عدت پوری ہونے پر، اس جملہ کی تشریح یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں جب کسی عورت کے شوہر کی وفات ہوجاتی تھی تو اس کی عدت ایک سال ہوتی تھی اور وہ عدت کا ایک سال اس بری طرح پورا کرتی تھی کہ گھر کی کسی چھوٹی سی کوٹھری میں رہتی تھی، اور بہت گھٹیا کپڑے پہنتی، اور نہ کسی قسم کی خوشبو لگاسکتی تھی اپنے سارے کام اسی اندھیری کوٹھری میں کرتی تھی، پھر سال پورا ہونے پر اس کے پاس کوئی دابہ حمار یا بکری یا کوئی پرندلایا جاتا تھا، پھر وہ اس دابہ سے اپنی شرمگاہ یا کوئی اور بدن کا حصہ رگڑتی تھی، نیز اس کو ایک مٹھی مینگنیوں کی دی جاتی تھی اس کو پھینکتی ہوئی اپنے مقام عدت سے باہر آتی تھی۔

روایت میں یہ بھی ہیکہ جس جانور سے وہ اپنے بدن کا حصہ رگڑتی تھی وہ بہت کم بچتا تھا اکثر ہلاک ہی ہوجاتا تھا جس کی وجہ بعض شراح نے یہ لکھی ہے کہ چونکہ وہ بیوہ اس ایک سال کی مدت طویلہ میں نہ غسل کرتی تھی نہ کپڑے صاف کرسکتی تھی، بدن اور کپڑے سب گندے ہوتے تھے، جگہ بھی گندی ہوتی تھی تو اس

گندگی کی وجہ سے اس کے بدن میں سمیت کے آثار پیدا ہوجاتے تھے، اس وجہ سے وہ جانور پرندوغیرہ جو ہوتا تھا ہلاک ہوجاتا تھا، اسی طرح "ترمی بالبعرۃ" کی تشریح کے ذیل میں بھی شروح میں بہت کچھ لکھا ہے، اسی طرح حضرت شیخ نے بھی اوجزالمسالک میں تفصیل سے لکھا ہے جو چاہے اس کو دیکھ لے، اوجز میں یہ بھی لکھا ہے کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان مینگنیوں کو آگے کی طرف پھینکتی تھی اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ پیچھے کی طرف پھینکتی تھی وغیرہ وغیرہ نیز لکھا ہے کہ "رمی البعرۃ" اشارہ ہے رمی عدت کی طرف کہ اللہ تعالیٰ نے اس بلا کو مجھ سے دور کردیا، اور کہا گیا ہے کہ وہ تفاؤلا ایسا کرتی تھی کہ یہ دن مجھ سے دور ہوگئے اللہ تعالیٰ مجھے دوبارہ نہ دکھائے اور مینگنی کی خصوصیت عدت کی حقارت اور عظمت حق زوج کی طرف اشارہ کیلئے ہے۔ (الدرالمنضود: ۱۵۶/ ۴، التعلیق: ۸۷/ ۴، مرقاۃ: ۴۵۱/ ۶)

معتدہ بالوفاۃ کے سرمہ لگانے میں اختلاف ائمہ

امام احمد کا مذہب: امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک معتدہ بالوفات کے لئے قطعاً سرمہ لگانے کی اجازت نہیں ہے، جس طرح زینت کی بنا پر لگانا جائز نہیں ہے، اسی طرح دوا اور علاج کے طور پر بھی لگانا جائز نہیں ہے۔

دلیل: ان کی دلیل حدیث باب ہے، عورت کے دو تین بار پوچھنے پر اور آنکھ کا مرض بتانے کے باوجود، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سرمہ لگانے سے منع ہی کیا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب: ضرورت پڑنے پر رات میں سرمہ لگانا جائز ہے، اور دن میں پونچھ ڈالنے کا حکم ہے۔

دلیل: عن ام سلمة: "اجعلیه باللیل وامسحیه بالنہار" (موطا مالک) رات میں سرمہ لگالو لیکن دن میں پونچھ لو۔

امام ابوحنیفہ) کا مذہب: اگر مجبوری ہے تو سرمہ لگانے کی اجازت ہے، رات میں لگانا کافی نہ ہو تو دن میں بھی لگانے کی گنجائش ہے۔

دلیل: "الضرورات تبیح المحظورات" بوقت ضرورت ممنوع چیزیں جائز ہوجاتی ہیں،

رات میں آنحضرت ﷺ نے سرمہ لگانے کی اجازت دی، اس لئے کہ یہ بناؤ سنگھار سے بعید ہے، اگر دن میں بھی مقصود بناؤ سنگھار نہیں ہے، بلکہ علاج ہے تو دن میں بھی رخصت ثابت ہوگی۔

حدیث باب کا جواب: جن عورت کا ذکر ہے، وہ تزئین کی غرض سے سرمہ لگانا چاہتی تھی، لیکن اپنے ارادہ کو ظاہر نہیں کیا، آنحضرت ﷺ نے حقیقت حال سمجھ کر ان کو منع فرمایا۔ (التعلیق:۴/۸۶، مرقاۃ:۶/۴۵۱)

زمانہ عدت میں سوگ کرنے کا حکم

{۳۱۸۷} **وَعَنْ** اُمِّ حَبِیْبَةَ وَزَیْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُمَا عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَحِلُّ لِاِمْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ اَنْ تُحِدَّ عَلٰی مَیِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثِ لَیَالٍ اِلَّا عَلٰی زَوْجٍ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَعَشْرًا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۸۰۳، باب مراجعۃ الحائض، کتاب الطلاق، حدیث نمبر:۵۳۳۵، مسلم شریف: ۱/۴۸۶، باب وجوب الحداد، کتاب الطلاق، حدیث نمبر:۱۴۸۶۔

ترجمہ: حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا رسول اکرم ﷺ سے نقل کرتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو عورت اللہ پر اور قیامت کے دن پر یقین رکھتی ہے، اس کیلئے جائز نہیں ہے کہ وہ کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے، سوائے شوہر کے کہ اس کا سوگ چار مہینہ دس دن ہے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: جاننا چاہئے کہ مرد کے لئے سوگ کرنا قطعاً حرام ہے، اس لئے کہ یہ بات مرد کے موضوع کے خلاف ہے، مرد کاروبار کرنے والا، رزق کی تلاش میں دوڑ دھوپ کرنے والا ہے، اگر وہ سوگ کرے گا یعنی عدت میں بیٹھے گا تو زندگی کی گاڑی رک جائے گی، البتہ عورتوں کے لئے سوگ کرنا جائز ہے، پھر شوہر کی وفات پر چار ماہ دس دن تک سوگ کرنا واجب ہے اور شوہر کے علاوہ کوئی اور رشتہ دار

وفات پاجائے تو تین دن تک سوگ کرنا جائز ہے، اس سے زیادہ کرنا جائز نہیں ہے۔ (تحفۃ الالمعی:۹۰/۴)

اور شوہر کی وفات پر چار ماہ دس دن کا سوگ واجب ہے، ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے والد حضرت سفیان رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوگیا، تو انہوں نے انتقال کے تیسرے دن خوشبو کا استعمال فرمایا اور کہا کہ "واللہ مالی فی الطیب من حاجۃ غیر انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یحل لامرأۃ تومن الخ:" خدا کی قسم مجھے خوشبو کی ضرورت نہ تھی، لیکن میں نے خوشبو کا استعمال کر کے عملی طور پر سوگ کے خاتمہ کا اظہار کیا ہے، اس لئے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو عورت اللہ پر اور قیامت کے دن پر یقین رکھتی ہے اس کے لئے شوہر کے علاوہ کسی کے انتقال پر تین دن سے زائد سوگ جائز نہیں ہے۔

سوال: نابالغ لڑکی کے شوہر کا انتقال ہو جائے تو اس پر سوگ واجب ہے یا نہیں؟

جواب: ائمہ ثلثہ کے نزدیک اس پر سوگ واجب ہے، حنفیہ کے نزدیک صغیرہ پر سوگ واجب نہیں ہے، حنفیہ کہتے ہیں کہ حدیث باب میں لفظ "امرأۃ" کا استعمال ہوا ہے، اور صغیرہ یعنی بچی کو "امرأۃ" نہیں کہا جاتا ہے، لہٰذا بچی پر سوگ نہیں ہے۔

اشکال: حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان کی بیوی حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تیسرے دن تشریف لے گئے اور ان سے فرمایا: کہ آج کے بعد سوگ نہ منانا۔ (فتح الباری:۶۰۸/۹) یہ حدیث تو حدیث باب کے معارض ہے۔

جواب: یہ حدیث شاذ ہے، اس لئے کہ بہت سی صحیح احادیث کے خلاف ہے، یا پھر یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے تین دن بعد حضرت اسمائ رضی اللہ عنہا کے یہاں ولادت ہوگئی تھی، اس وجہ سے ان کی عدت پوری ہوگئی تھی، اسی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سوگ سے روک دیا تھا۔ (فیض الباری:۶۰۸/۹، فیض المشکوۃ:۲۴۰/۶)

سوگ کے احکامات

{۳۱۸۸} **وَعَنْ** اُمِّ عَطِیَّۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ

تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لاَ تُحِدُّ اِمْرَاةٌ عَلیٰ مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلاَثٍ اِلَّا عَلیٰ زَوْجٍ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَعَشْرًا وَلاَ تَلْبَسُ ثَوْباً مَصْبُوْغاً اِلَّا ثَوْبَ عَصْبٍ وَلاَ تَكْتَحِلُ وَلاَ تَمَسُّ طِيْباً اِلَّا اِذَا طَهُرَتْ نُبْذَةً مِنْ قُسْطٍ اَوْ اَظْفَارٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) وَزَادَ اَبُوْدَاؤُدَ وَلاَ تَخْتَضِبُ۔

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۸۰۴، باب تلبس الحادة ثياب العصب، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۵۳۴۲، مسلم شریف: ۱/۴۸۸، باب وجوب الاحداد، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۹۳۸۔

ترجمہ: حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ کوئی عورت کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ نہ کرے، سوائے شوہر کے کہ اس پر چار ماہ دس دن سوگ کرے، ثوب عصب کے علاوہ کوئی رنگا ہوا کپڑا ان ایام میں نہ پہنے، اور نہ سرمہ لگائے اور نہ کوئی خوشبو استعمال کرے، البتہ حیض سے پاک ہونے پر تھوڑا سا قسط یا اظفار استعمال کرسکتی ہے۔ (بخاری ومسلم) ابو داؤد کی روایت میں یہ بھی ہے کہ مہندی نہ لگائے۔

تشریح: وَلاَ تَلْبَسُ ثَوْباً مَصْبُوْغاً اِلَّا ثَوْبَ عَصْبٍ وَلاَ تَكْتَحِلُ: اور رنگین کپڑا نہ پہنے یعنی ثوب جدید رنگین جو قابل زینت ہو۔ فتح القدیر: ۲۹۵/۳ رمیں ہے کہ معتدہ کے لئے لبس اسود باتفاق ائمہ اربعہ جائز ہے۔ البتہ ظاہریہ کے نزدیک جائز نہیں مثل احمر واخضر کے۔

ثوب عصب میں روایات اور علماء کا اختلاف

اس روایت میں ثوب عصب کا استثناء ہے کہ اس کا پہننا جائز ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک تو یہی لکھا ہے مطلقاً اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی جائز ہے، بشرطیکہ غلیظ یعنی دبیز ہو نہ کہ باریک، اور حنفیہ کے نزدیک ثوب عصب کا پہننا جائز نہیں، "کذا فی البذل عن الشیخ ابن الهمام" اور علامہ شامی نے علامہ زیلعی سے نقل کیا ہے کہ لبس ممشق یعنی احمر تو ناجائز ہے اور لبس عصب کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ مکروہ ہے اور پھر اس کے بعد اس کی تفسیر میں کئی قول لکھے، اس کی تفسیر میں شراح کا اختلاف ہے،

ایک قول اس میں یہ ہے کہ ثوب عصب سے وہ کپڑا مراد ہے جس کو بننے سے پہلے اس کے سوت میں گرہیں لگائی جائیں اور پھر اس کو رنگا جائے، اس کے بعد اس کا کپڑا بنایا جائے، تو جو کپڑا اس طرح بنا جائے گا، وہ سارا رنگین نہ ہوگا، بعض رنگین اور بعض سفید ہوگا تو گویا ممانعت اس رنگین کی ہوئی جو پورا رنگین ہو، اور ایک تفسیر اس کی یہ کی گئی ہے کہ عصب وہ یمنی چادر ہے جس کو سفید بنا جائے اور پھر بعد میں اسکو رنگ دیا جائے۔(بذل)

ان سب باتوں سے معلوم ہوا کہ حدیث میں ثوب عصب کا استثناء مسلک حنفیہ کے خلاف ہے، اس کا جواب بذل وغیرہ میں تو کچھ نہیں لکھا ہے لیکن میرے ذہن میں یہ ہے کہ اولاً تو ثوب عصب کی تفسیر ہی میں اختلاف ہے، دوسرے رواۃ کا بھی اس میں اختلاف ہے۔ تیسرے یہ کہ نسائی کی روایت میں ہے: "ولا ثوب عصب" بجائے "الا ثوب عصب" کے اس سے تو سارا اشکال ہی رفع ہوگیا۔

اس کے بعد روایت میں اکتحال کی بھی ممانعت ہے، "قال ابن الھمام، الا من عذر لان فیہ ضرورۃ، وھذا مذھب جمھور الائمہ وذھب الظاھریۃ الی انھا لا تکتحل ولو من عذر" یعنی خوشبو بھی نہ لگائے مگر غسل حیض کے وقت شروع میں مقدار یسیر قسط اور اظفار سے۔ یعنی معتدہ غسل حیض کے بعد رائحہ کریہہ کو زائل کرنے کے لئے تھوڑی سی خوشبو بدن کے مخصوص حصوں میں استعمال کرسکتی ہے، قسط اور اظفار یہ دونوں خوشبو کی قسمیں ہیں۔ اس کو قسط اظفار بھی کہا جاتا ہے۔(الدر المنضود:۱۵۸/۴)

قسط و اظفار

یہ دوا دو یہ ہیں جن میں معمولی خوشبو ہوتی ہے، عرب عورتیں حیض سے پاکیزگی پر ان کو شرمگاہ سے بدبو کے ازالہ کے لئے استعمال کرتی تھیں، خوشبو کی تو ممانعت فرمائی مگر حائضہ کو حیض سے پاکی کیوقت معمولی مقدار میں ازالہ بدبو کے لئے اجازت دی۔

(۲) اس حدیث میں دلیل ہے کہ جس عورت کا خاوند مر جائے وہ چار ماہ دس روز تک لازماً سوگ کرے، اس پر تمام علماء کا اجماع ہے۔

اس کی تفصیل میں اختلاف کی نوعیت

امام شافعی اور جمہور کے نزدیک اس میں مدخول بہا اور غیر مدخول بہا چھوٹی عمر والی یا بڑی عمر والی باکرہ ہو یا ثیبہ آزاد ہو یا باندی، مسلمہ ہو یا کتابیہ یا کافرہ سب برابر ہیں۔

سات مستثنیٰ عورتیں

مسلک احناف یہ ہے کہ سات قسم کی عورتوں پر سوگ نہیں (۱) کافرہ (۲) مجنونہ، (۳) صغیرہ، (۴) معتدہ عتق یعنی وہ ام ولد کہ جس کا مولیٰ اسے آزاد کردے یا اس کے مرنے پر وہ خود آزاد ہو گئی، (۵) نکاح فاسد کی عدت گذارنے والی، (۶) جس عورت سے وطی بالشبہ ہو جائے، (۷) طلاق رجعی والی۔

عورت کو اپنے کسی قرابتدار پر تین دن سے زائد سوگ جائز نہیں ہے، صرف خاوند کے مرنے پر چار ماہ دس دن سوگ کریگی، تین دن تک بھی سوگ مباح ہے اور واجب نہیں اور تین روز کے بعد مباح نہیں اور اگر خاوند تین دن کے سوگ سے بھی منع کردے تو بھی درست نہیں ہے۔ اس لئے کہ زینت خاوند کا حق ہے، اگر خاوند چاہے کہ بیوی زینت کرے اور وہ کہنا نہ مانے تو خاوند کو جائز ہے کہ وہ بیوی کو مارے کیونکہ سوگ رکھنے میں اس کا حق ٹوٹتا ہے، اس لئے خاوند عورت کو سوگ سے منع کرسکتا ہے۔ (درمختار)

سوگ کا طریقہ

سوگ وہ عورت کرے جو طلاق بائن یا موت کی عدت گذار رہی ہو اور وہ عورت مکلفہ مسلمہ ہو اور سوگ کا طریقہ یہ ہے کہ وہ زینت اختیار نہ کرے اور زعفرانی اور کسمی کپڑے نہ پہنے اور خوشبو کو استعمال میں نہ لائے، اور تیل سرمہ مہندی کو استعمال کرنے سے گریز کرے سوائے اس کے کہ کوئی عذر ہو۔

وہ عورت جو آزادی کی عدت میں یا نکاح فاسد کی عدت میں ہو وہ سوگ نہ کرے۔ عدت والی عورت کو پیغام نکاح نہ دیا جائے، البتہ کنایہ نکاح کرنے میں کچھ حرج نہیں مگر یہ اس معتدہ کے لئے ہے جو موت کی عدت گذار رہی ہو۔ طلاق کی عدت والی عورت کو اشارۃً نہیں کہہ سکتا۔ جو عورت طلاق کی عدت میں

ہو وہ گھر سے بالکل نہ نکلے البتہ متعدہ موت دن کے وقت نکل سکتی ہے۔ البتہ رات دوسرے مکان میں نہیں گذار سکتی۔ لونڈی اپنے آقا کی ضروریات کے لئے نکل سکتی ہے۔ معتدہ اسی مکان میں عدت گذارے جہاں وہ رہائش پذیر ہو، اور فرقت وموت کے وقت جہاں قیام پذیر ہو البتہ جبراً نکالے جانے یا مال کے متعلق چوری کے خطرے یا مکان کے منہدم ہو جانے کا خطرہ یا کرایہ کی ادائیگی پر قدرت نہ ہونے کی صورتوں میں مکان کو بدلنا اور دوسری جگہ عدت میں بیٹھنا جائز ہے۔ اگرچہ طلاق بائن کی عدت ہو تو میاں بیوی کو ایک ہی مکان میں رہنے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ درمیان میں پردہ ہو اور اگر خاوند فاسق وفاجر ہو تو باوجود پردہ کے ایک مکان میں رہنا درست نہیں۔ اگر مکان تنگ ہو یا خاوند فاسق وفاجر ہو تو عورت کا نکلنا جائز ہے، لیکن خاوند کا نکلنا اولیٰ ہے اور اگر اپنے درمیان ایک ایسی عورت مقرر کریں جو ان کے درمیان حائل ہو تو یہ زیادہ بہتر ہے۔ اگر خاوند عورت کو طلاق بائن دے یا سفر میں فوت ہو جائے اور عورت اور اسکے شہر کے درمیان تین دن سے کم مسافت ہو تو پھر اپنے شہر میں آئے اور اور اگر اس میں اور اپنے شہر میں مسافت زیادہ ہو اور جس طرف جانے کا ارادہ تھا ادھر فاصلہ کم ہو تو وہیں چلی جائے، اگر سفر دونوں طرف برابر ہو تو اس کو اختیار کرے جدھر جائے عدت گذارے خواہ ولی ساتھ ہو یا نہ ہو مگر اس کا وطن واپس لوٹنا بہتر ہے تاکہ خاوند کے مکان میں عدت گذارے اور اگر کسی شہر میں ہو تو عدت کے مکمل کرنے تک وہاں سے نہ نکلے بشرطیکہ اس کا محرم موجود ہو، صاحبین کا قول یہ ہے کہ اگر محرم ساتھ ہو تو اسے عدت سے پہلے بھی نکلنا روا ہے۔ (ملتقی الابہر، درمختار)

{الفصل الثانی}

معتدہ کے لئے نقل مکانی کی ممانعت

{۳۱۸۹} **عَنْ** زَيْنَبَ بِنْتِ كَعْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا اَنَّ الْفُرَيْعَةَ بِنْتَ مَالِكِ بْنِ سِنَانٍ وَهِيَ اُخْتُ اَبِي سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ اَخْبَرَتْهَا اَنَّهَا جَاءَتْ اِلٰى رَسُوْلِ

اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْأَلُهُ اَنْ تَرْجِعَ اِلىٰ اَهْلِهَا فِي بَنِي خُدْرَةَ فَاِنَّ زَوْجَهَا خَرَجَ فِي طَلَبِ اَعْبُدٍ لَهُ اَبِقُوْ فَقَتَلُوْهُ قَالَتْ فَسَأَلْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ اَرْجِعَ اِلىٰ اَهْلِيْ فَاِنَّ زَوْجِيْ لَمْ يَتْرُكْنِيْ فِيْ مَنْزِلٍ يَمْلِكُهُ وَلاَ نَفَقَةٍ فَقَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ فَانْصَرَفْتُ حَتّٰى اِذَا كُنْتُ فِي الْحُجْرَةِ اَوْ فِي الْمَسْجِدِ دَعَانِيْ فَقَالَ امْكُثِيْ فِي بَيْتِكِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتَابُ اَجَلَهُ قَالَتْ فَاعْتَدَدْتُ فِيْهِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَعَشْراً۔ (رواہ مالك والترمذی وابوداؤد والنسائی وابن ماجه والدارمی)

حوالہ: مؤطا امام مالک:۲۱۸، باب مقام المتوفی عنہا زوجہا، کتاب الطلاق، حدیث نمبر:۸۷، ابو داؤد شریف: ۱/۳۱۴، باب فی المتوفی عنہا تنتقل، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۲۳۰۰، ترمذی شریف: ۱/۲۲۹، باب ما جاء این تعتد، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۱۲۰۴، نسائی شریف: ۲/۱۰۰، باب مقام المتوفی عنہا زوجہا، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۳۵۳۰، ابن ماجہ شریف: ۱۴۶ باب این عتد المتوفی عنہا زوجہا، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۲۰۳۱، دارمی: ۲/۲۲۱، باب خروج المتوفی عنہا زوجہا، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۳۲۸۷۔

ترجمہ: حضرت زینب بنت کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت فریعہ بنت مالک بن سنان رضی اللہ عنہا جو کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی بہن ہیں نے ان کو بتایا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ معلوم کرنے کیلئے حاضر ہوئیں کہ وہ بنی خدرہ میں اپنے خاندان والوں کی طرف لوٹ جائیں؟ اس لئے کہ ان کے شوہر اپنے بھاگے ہوئے غلام کی تلاش میں نکلے تھے، لیکن ان غلاموں نے ان کو قتل کر دیا، راویہ کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم کیا کہ میں اپنے خاندان والوں میں لوٹ جاؤں؟ اس لئے کہ میرے شوہر نے مجھ کو جس مکان میں چھوڑا ہے، وہ ان کی ملکیت میں نہیں تھا، اور نہ میرے نفقہ کا کوئی انتظام ہے، راویہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ٹھیک ہے، چنانچہ میں واپس چلی، ابھی میں حجرہ مبارکہ یا مسجد ہی میں تھی، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو پکارا اور فرمایا کہ اپنے گھر ہی میں رہو،

یہاں تک کہ عدت اپنی مقررہ مدت کو پہنچ جائے، فریعہ کہتی ہیں کہ میں نے چار مہینے دس دن اسی مکان میں عدت گذاری۔ (مالک، ابوداوٴد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

تشریح: مضمون حدیث یہ ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی بہن فریعہ بنت مالک بن سنان اپنا واقعہ اس طرح بیان کرتی ہیں کہ میرے شوہر کے چند غلام تھے جو فرار ہو گئے کہتی ہیں کہ میرے شوہر ان کو تلاش کرنے کیلئے گئے اور مقام قدوم کے کسی گوشہ میں ان سے جا ملے، مگر ہوا یہ کہ ان غلاموں ہی نے انکو قتل کر دیا، وہ کہتی ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی کہ میں اپنے ماں باپ کے گھر چلی جاؤں، اس لئے کہ میرے شوہر نے مجھ کو کسی ایسے مسکن میں نہیں چھوڑا جو خود ان کی ملک ہو، اور نہ کوئی نفقہ کا انتظام ہے، کہتی ہیں کہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ ہاں جاسکتی ہو پھر جب میں آپ سے مسئلہ دریافت کر کے جانے لگی تو ابھی قریب ہی میں تھی کہ آپ نے مجھ کو بلوایا اور بلا کر مجھ سے دریافت فرمایا کہ تم نے مجھ سے کیا مسئلہ دریافت کیا تھا، میں نے اپنا قصہ دوبارہ عرض کر دیا، تو آپ نے اپنے سابق حکم سے رجوع کرتے ہوئے فرمایا: "امکثی فی بیتك حتی یبلغ الکتاب اجله" تم اپنے مسکن میں ٹھہری رہو یہاں تک کہ عدت پوری ہو جائے، پھر انہوں نے ایسا ہی کیا وہ کہتی ہیں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں مجھ سے یہ مسئلہ ایک شخص کو بھیج کر معلوم کرایا اور پھر معلوم کرنے کے بعد انہوں نے اسی کے مطابق فیصلہ کیا۔ (الدر المنضود: ۱۵۷/۴)

مسالک

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت علی رضی اللہ عنہ ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک متوفی عنہا زوجہا کو زوج کے مکان میں عدت گذارنا ضروری نہیں اور نہ اس کو سکنی کا حق ہے وہ جہاں چاہے عدت گذار سکتی ہے اور یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول ہے، امام ابوحنیفہ و مالک و احمد رحمہ اللہ کے نزدیک بیت مرگ زوج سے نکلنا جائز نہیں بلکہ اسی میں عدت گذارنا ضروری ہے، ہاں اگر گھر گر جائے یا ورثہ نکالدیں تو دوسری جگہ انتقال کر سکتی ہے، یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور قول ہے۔

فریق اول نے حدیث مذکور سے استدلال کیا ہے کہ آپ نے فریعہ بنت مالک کو بیت زوج

سے نکلنے اور رجوع الی الاہل کی اجازت دی ہے، اور "امکثی فی بیتك" اپنے گھر میں ٹھہری رہو، کا حکم بطور استحباب ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وجمہور دلیل پیش کرتے ہیں اسی حدیث سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فریعہ کو اولاً نکلنے کی اجازت دیدی تھی پھر فوراً بلا کر فرمایا: "امکثی فی بیتك الذی جاء فیہ نعی زوجك" اسی مکان میں ٹھہری رہو جس مکان میں تم کو اپنے شوہر کی وفات کی خبر پہنچی ہے۔ تو پہلے کی اجازت کو بعد میں منسوخ کر دیا، اور انہوں نے جو کہا کہ "امکثی" کا امر استحباب کے لئے اس پر کوئی قرینہ نہیں بلکہ وجوب کا قرینہ موجود ہے کہ اجازت کے بعد منع کر دیا۔ پھر متوفی عنہا زوجہا کو چونکہ نفقہ نہیں ملتا اس لئے طلب معاش کی ضرورت کے لئے دن اور کچھ حصہ رات میں نکلنا جائز ہے ویسے گھومنے تفریح کرنے کے لئے خروج جائز نہیں۔ (درس مشکوۃ: ۴۳/۳، التعلیق: ۸۷/۴، مرقاۃ: ۴۵۷/۶۷)

معتدہ کے ایام عدت میں مہندی لگانے کی ممانعت

{۳۱۹۰} **وَعَنْ** أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهاَ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ تُوُفِّيَ اَبُوْسَلَمَةَ وَقَدْ جَعَلْتُ عَلَيَّ صَبِراً فَقَالَ مَا هٰذَا يَا اُمَّ سَلَمَةَ قُلْتُ اِنَّماَ هُوَ صَبِرٌ لَيْسَ فِيْهِ طِيْبٌ فَقَالَ اِنَّهُ يَشُبُّ الْوَجْهَ فَلَا تَجْعَلِيْهِ اِلاَّ بِاللَّيْلِ وَتَنْزِعِيْهِ بِالنَّهَارِ وَلاَ تَمْتَشِطِيْ بِالطِّيْبِ وَلاَ بِالْحِنَاءِ فَاِنَّهُ خِضَابٌ قُلْتُ بِاَيِّ شَيْئٍ اَمْتَشِطُ يا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ بِالسِّدْرِ تُغَلِّفِيْنَ بِهٖ رَاسَكِ۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۳۱۵/۱، باب فیما تجتنبہ المعتدۃ، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۲۳۰۵، نسائی شریف: ۱۰۱/۲، باب الرخصۃ للحادۃ، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۳۵۳۷۔

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے موقع پر تشریف لائے، اس وقت میں نے اپنے چہرے پر ایلوا لگا رکھا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ام سلمہ یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ یہ ایلوا ہے، اس میں خوشبو نہیں ہے،

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ بلاشبہ یہ چہرے میں نکھار پیدا کرتا ہے، لہٰذا تم اس کو صرف رات میں لگاؤ، دن میں اس کو پونچھ ڈالو، اور خوشبو، مہندی لگا کر کنگھی مت کرو، اس لئے کہ بے شک یہ خضاب ہے، میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کسی چیز کے ذریعہ میں کنگھی کروں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ بیری کے پتوں کا اپنے سر پر لیپ کرلیا کرو۔ (ابوداؤد، نسائی)

تشریح: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اپنا واقعہ بیان کرتی ہیں کہ جب میرے سابق شوہر ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا اور میں نے اپنی آنکھوں پر ایلوے کا لیپ کر رکھا تھا (علاجاً کسی تکلیف کی وجہ سے) تو حضور اکرم ﷺ نے مجھ سے بطور نکیر کے فرمایا: یہ تم نے کیا لگا رکھا ہے، میں نے عرض کیا کہ یہ صبر (ایلوا) ہے اس میں کوئی خوشبو وغیرہ نہیں ہے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "انه يشب الوجه" کہ یہ تو صحیح ہے کہ اس میں خوشبو نہیں لیکن یہ چہرہ میں چمک پیدا کرتا ہے اور پھر فرمایا: کہ اچھا اس کو رات میں لگا لیا کرو اور دن میں اتار دیا کرو۔

وَلَا تَمْتَشِطِي بِالطِّيبِ الخ: آنحضرت ﷺ نے فرمایا: خوشبو دار تیل کے ساتھ امتشاط نہ کرو، یعنی امتشاط کے وقت خوشبو اور تیل استعمال نہ کرو، اور نہ مہندی کے ساتھ خضاب کرو، انہوں نے عرض کیا کہ پھر کس چیز کے ساتھ امتشاط کروں؟ آپ نے فرمایا: بیری کے پتوں کے ساتھ، غلاف بنالے تو ان کو اپنے سر کا، یعنی بیری کے پتوں کو پیس کر مہندی کی طرح سر پر لیپ کرلے بالوں کو صاف ستھرا کرنے کیلئے، اور پھر اس کے بعد کنگھی کے ذریعہ سر کے بالوں کو صاف کرلو۔ (الدر المنضود: ۱۶۰/۴)

معتدہ کے لئے زیور پہننا

{۹۱۳۱} **وَعَنْهَا** عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا لَا تَلْبَسُ الْمُعَصْفَرَ مِنَ الثِّيَابِ وَلَا الْمُمَشَّقَةَ وَلَا الْحُلِيَّ وَلَا تَخْتَضِبُ وَلَا تَكْتَحِلُ۔ (رواه ابوداؤد والنسائی)

حواله: ابوداؤد شریف: ۳۱۵/۱، باب فیما تجتنبه العدة، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۲۳۰۴، نسائی شریف: ۱۰۱/۲، باب ما تجتنب الحادة، کتاب الطلاق، ۳۵۳۵۔

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس عورت کے شوہر کا انتقال ہوجائے وہ زعفرانی رنگ سے رنگا ہوا کپڑا نہ پہنے، اور نہ گیروے رنگ میں رنگا ہوا کپڑا پہنے، اور نہ زیور پہنے اور نہ خضاب لگائے اور نہ ہی سرمہ لگائے، (ابوداؤد، نسائی)

تشریح: جس عورت کے شوہر کا انتقال ہوجائے اس کو ایام عدت میں سوگ کرنا چاہئے یعنی ترک زینت کرنا واجب ہے جو چیزیں بھی از قبیل زینت ہوں ان کا استعمال معتدہ کے لئے ممنوع ہے، حدیث باب میں بعض ایسی چیزوں کی صراحت ہے جن کو زینت کے لئے اختیار کیا جاتا ہے، لہٰذا معتدہ کو ان کے استعمال سے روکا گیا ہے۔

المعصفر: یوں تو معتدہ کے لئے رنگین کپڑ پہننا ہی منع ہے، لیکن زعفرانی رنگ میں زیادہ زینت کا اظہار ہوتا ہے، اسلئے اسکو خاص طور پر منع کیا گیا ہے، "ولا الممشقة" وہ کپڑا جس کو "مشق" سے رنگا ہو، مشق کہتے ہیں سرخ رنگ کی مٹی کو جس کو گیروبھی کہا جاتا ہے، گیروا رنگ کا کپڑا بھی بھڑک دار ہوتا ہے اس لئے اس کی بھی خاص طور پر ممانعت فرمائی، "ولا الحلی" معتدہ کے لئے ہر قسم کے زیور پہننے کی ممانعت ہے، سونے چاندی کے ہوں یا ہیرے موتی کے سب منع ہیں، "ولا تکتحل" زینت کی غرض سے سرمہ لگانا بھی منع ہے، علاج کی غرض سے اجازت ہے۔ (التعلیق: ۸۸/۴، مرقاۃ: ۴۵۹/۶)

{الفصل الثالث}

مطلقہ کے وارث ہونے کا بیان

{۹۲۳۱} **عَنْ** سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ اَنَّ الْاَحْوَصَ هَلَكَ بِالشَّامِ حِيْنَ دَخَلَتِ امْرَأَتُهُ فِي الدَّمِ مِنَ الْحَيْضَةِ الثَّالِثَةِ وَقَدْ كَانَ طَلَّقَهَا فَكَتَبَ مُعَاوِيَةُ بْنُ اَبِيْ سُفْيَانَ اِلٰى زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ يَسْأَلُهُ عَنْ ذٰلِكَ فَكَتَبَ اِلَيْهِ زَيْدٌ اَنَّهَا اِذَا دَخَلَتْ فِي

الدَّمِ مِنَ الْحَيْضَةِ الثَّالِثَةِ فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ وَبَرِئَ مِنْهَا لَا يَرِثُهَا وَلَا تَرِثُهُ۔ (رواه مالك)

حوالہ: مالک: ۲۱۰، باب ماجاء فی الاقراء، کتاب الطلاق۔

ترجمہ: حضرت سلیمان بن یسار رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت احوص رضی اللہ عنہ کا ملک شام میں اس وقت انتقال ہوگیا، جب کہ ان کی بیوی کو تیسرا حیض شروع ہو چکا تھا، اور احوص نے ان کو طلاق دے رکھی تھی، چنانچہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان نے اس مسئلہ کو دریافت کرنے کیلئے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس خط لکھا، تو زید رضی اللہ عنہ نے ان کے پاس جواب لکھا کہ جب وہ عورت تیسرے حیض میں داخل ہوگئی، تو عورت شوہر سے چھٹکارا پا گئی اور شوہر عورت سے چھٹکارا پا گیا، لہٰذا شوہر نہ عورت کا وارث ہوگا، اور نہ عورت شوہر کی وارث ہوگی۔ (مالک)

تشریح: الْحَيْضَةِ الثَّالِثَةِ وَقَدْ كَانَ طَلَّقَهَا: حضرت احوص رضی اللہ عنہ نے اپنے انتقال سے پہلے اپنی بیوی کو طلاق دیدی تھی، بیوی ایام عدت گذار رہی تھیں اور تیسرا حیض شروع ہو چکا تھا کہ حضرت احوص کا انتقال ہوگیا "فکتب معاویہ" حضرت احوص کی بیوی کو احوص کی میراث میں حصہ ملے گا کہ نہیں اس مسئلہ کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یا تو علم نہیں تھا یا پھر اس مسئلہ میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی رائے مختلف تھی، لہٰذا حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی رائے معلوم کرنے کے لئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے بھی مسئلہ معلوم کیا۔

فکتب الیہ: حضرت زید رضی اللہ عنہ نے جو جواب بھیجا اس کا حاصل یہ تھا کہ میراث نہیں ملے گی، اس لئے کہ تیسرا حیض آتے ہی عدت پوری ہونے کی وجہ سے بیوی مکمل طور پر زوجیت سے خارج ہو چکی تھی، اور انتقال زوج تیسرے حیض کے بعد ہوا ہے۔

لا یرثہا ولا یرثہ: تیسرے حیض کے بعد اگر بیوی کا انتقال ہو جاتا اور شوہر زندہ رہتے تو وہ وارث نہ ہوتے، اسی طرح شوہر کے انتقال کی صورت میں بیوی وارث نہ ہوگی، یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلقہ عورت کی عدت تین طہر ہیں یہی شوافع کا مذہب ہے، حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ مطلقہ عورت کی عدت تین حیض ہے یہ حدیث بظاہر احناف کے خلاف ہے، احناف کہتے ہیں کہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا یہ فتوی

خود زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی اس روایت کے متعارض ہے، "عدۃ الامۃ حیضتان" جب باندی کی عدت حیض سے شمار ہوگی تو آزاد عورت کی بھی حیض سے شمار ہوگی اور جب ان کا فتویٰ روایت کے معارض ہے تو یہ ساقط ہے، بہت سے صحابہ وتابعین کے نزدیک مطلقہ کی عدت تین حیض ہیں۔

(التعلیق: ۸۸/ ۴، مرقاۃ: ۴۶۰/ ۶)

ایک نکتہ

حدیث "طلاق الامۃ ثنتان وعدتہا حیضتان" باندی کی طلاق بھی دو ہیں اور اس کی عدت بھی دو حیض ہیں۔ کے تحت یہ بیان ہو چکا ہے کہ طلاق کی عدت تین قروء ہیں، "قروء" کے مصداق میں اختلاف ہے، بعض کے نزدیک حیض اس کا مصداق ہے اور بعض کے نزدیک طہر، صحابہ رضی اللہ عنہم میں اس مسئلہ میں اختلاف رہا ہے، اس اختلاف کا ثمرہ یہ ہے کہ جن کے نزدیک عدت حیض سے ہوتی ہے ان کے نزدیک تیسرا حیض عدت کا حصہ ہے اور جن کے نزدیک عدت طہر سے شمار ہوتی ہے ان کے مذہب کے مطابق تیسرا حیض شروع ہوتے ہی عدت ختم ہو جاتی ہے۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا مسلک یہ تھا کہ عدت طہر سے ہوتی ہے اس لئے انہوں نے فرمایا: کہ جب تیسرے حیض میں داخل ہوگئی تو عدت ختم ہوگئی، اس واقعہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے مسئلہ پوچھا اور انہوں نے جواب میں صرف فتویٰ دیا، دلیل بیان نہیں فرمائی۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ میں یہ رواج تھا کہ کسی کے علم پر اعتماد کر کے اس سے مسئلہ پوچھ کر دلیل پوچھے بغیر اس پر عمل کر لیتے تھے اسی کا نام تقلید ہے، معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے بعض بعض کی تقلید کیا کرتے تھے۔ (اشرف التوضیح: ۴۹۸/ ۲)

دوران عدت حیض کا انقطاع

{۳۱۹۳} **وَعَنْ** سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَيُّمَا امْرَأَةٍ طُلِّقَتْ فَحَاضَتْ حَيْضَةً أَوْ حَيْضَتَيْنِ

ثُمَّ رُفِعَتْهَا حَيْضَتُهَا فَإِنَّهَا تَنْتَظِرُ تِسْعَةَ اَشْهُرٍ فَإِنْ بَانَ بِهَا حَمْلٌ فَذَالِكَ وَإِلَّا اعْتَدَّتْ بَعْدَ التِّسْعَةِ الْاَشْهُرِ ثَلاَثَةَ اَشْهُرٍ ثُمَّ حَلَّتْ۔ (رواه مالك)

حوالہ: مؤطا امام مالک: ۲۱۳، باب جامع عدۃ الطلاق، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۷۰۔

ترجمہ: حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس عورت کو طلاق دی گئی ہو، پھر اس کو ایک یا دو حیض آئے اس کے بعد حیض کا سلسلہ موقوف ہوگیا، تو وہ نو مہینے انتظار کریگی، اس دوران اگر حمل ظاہر ہوا تو وضع حمل تک عدت پوری کرے گی، اور اگر حمل ظاہر نہ ہوا تو نو مہینہ کے بعد تین مہینہ عدت گذارے گی، پھر وہ حلال ہوگی۔ (مالک)

تشریح: طلقت فحاضت: عورت کو زوال نکاح کے بعد عدت گذارنا ہے، عدت کی چار قسمیں ہیں۔

(۱)...... تین حیض، یہ عدت ان عورتوں کے لئے ہے جن کو حیض آتا ہو۔

(۲)...... تین ماہ، یہ عدت ان عورتوں کے لئے ہے جن کو حیض نہ آتا ہو۔

(۳)...... وضع حمل، یہ عدت حاملہ عورت کی ہے۔

(۴)...... چار ماہ دس دن، یہ عدت متوفی عنہا زوجہا کی ہے۔

مطلقہ ذات الحیض: نے تین حیض تک رکنے کے ارادہ سے ایام عدت گذارنے شروع کئے کہ ایک یا دو ماہ حیض کے بعد اس کا سلسلہ حیض رک گیا تو اب وہ نو مہینہ تک انتظار کرے، اگر یہ معلوم ہو کہ حمل ہے تو وضع حمل تک رکے، اور اگر حمل نہیں ہے تو نو ماہ کے بعد "غیر ذات الحیض" والی عدت یعنی تین ماہ کی عدت گذارے۔ (مرقاۃ: ۶/۴۶۱)

{باب الاستبراء}

استبراء کا بیان

اس باب کے تحت کل پانچ روایتیں درج کی گئی ہیں جس میں نئے سرے سے باندیوں پر حق ملکیت حاصل ہونے پر استبراء رحم کا حکم دیا گیا ہے۔

استبراء کے لغوی و شرعی معنی

استبراء برائت سے ماخوذ ہے جس کے معنی خلاصی طلب کرنا اور پاک کرنا، اور اصطلاح شریعت میں استبراء کہا جاتا ہے جاریہ کے رحم کو حمل سے خالی ہونے کو طلب کرنا۔

استبراء کا سبب

استبراء واجب ہونے کا سبب حنفیہ کے نزدیک باندی کا ملکیت میں آنا ہے، "وسببه حدوث الملك"۔ (شامی: ۹/۵۳۷)

شوافع کے نزدیک شبہ کی بنا پر کسی اور کی باندی سے وطی کرلی جائے تو اس پر بھی استبراء واجب ہے۔ (مغنی المحتاج: ۳/۴۰۸)

سوال یہ ہے کہ اگر کسی منکوحہ سے کسی اور شخص نے شبہ اور غلط فہمی میں وطی کرلی یا اس سے زنا کرلیا تو اس صورت میں استبراء واجب ہوگا یا نہیں؟ اس میں کسی قدر تفصیل بھی ہے اور اختلاف بھی، اگر شبہ میں وطی کی گئی ہو یا نکاح فاسد میں وطی کرلی جائے تو شوافع اور حنابلہ کے نزدیک وہی عدت واجب ہوتی ہے جو طلاق کی ہے، یعنی تین حیض۔ (المغنی: ۸/۷۹)

اور اگر منکوحہ سے زنا کیا جائے تو ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے ایک قول کے

مطابق طلاق والی ہی عدت واجب ہوگی، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ ایک حیض سے استبراء کافی ہوگا اور یہی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ زانیہ پر عدت واجب نہیں ہوگی، کیونکہ عدت نسب کی حفاظت کیلئے ہے اور زانی سے نسب متعلق نہیں ہوتا، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو ترجیح دیا ہے، اور علام ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے اصحاب الرائے کی طرف اس کی نسبت کی ہے۔ (المغنی:۹/۷۷۸)

شاید اس سے حنفیہ مراد ہوں، البتہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس عورت کے لئے جس سے زنا کیا گیا ہو استبراء کو مستحب قرار دیا ہے۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ:۷/۶۶۹)

استبراء کا حکم

اسلام میں نسب کی حفاظت اور انسانی نسب کو اختلاط و اشتباہ سے بچانے کی بڑی اہمیت ہے، اس لئے استبراء کے واجب ہونے پر فقہا کا اتفاق ہے، بلکہ بعض اہل علم کے نزدیک اس کا انکار موجب کفر ہے۔ "لو انکرہ کفر عند بعضھم للاجماع علی وجوبہ"۔ (شامی:۹/۵۳۷)

استبراء کے دوران اس عورت سے صحبت کرنا حرام ہے، لیکن کیا دواعی جماع بوس، وکنار یا اس عورت کی شرمگاہ کی طرف دیکھنا بھی ناجائز ہوگا؟ اس میں اختلاف ہے، لیکن راجح یہی ہے کہ دواعی بھی حرام ہیں۔ (شامی:۹/۵۳۸)

استبراء کی مدت

استبراء کی مدت حاملہ عورتوں کے حق میں ولادت، جن عورتوں کو حیض آتا ہو، ان کے حق میں ایک حیض اور جنھیں کم سنی یا کبر سنی یا کسی اور وجہ سے حیض نہ آتا ہو، ان کیلئے ایک ماہ ہے۔ (شامی:۹/۵۳۹)

مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک بھی حاملہ کا استبراء ولادت، جن کو حیض آتا ہو، ان کے لئے ایک حیض ہے، لیکن جن کو حیض نہیں آتا ہو ان کی مدت استبراء ان حضرات کے نزدیک تین ماہ ہے۔ (الشرح الصغیر:۲/۷۰۵)

اور استبراء ضروری ہے، خواہ پہلے شخص سے اشتغال رحم ممکن ہو یا نہ ہو جیسا کہ وہ مالکہ عورت تھی یا اس کا محرم تھا یا صبی تھا اگر چہ یہ قیاس ہے لیکن استبراء کے بارے میں احادیث مطلق آئی ہیں، بنا بریں قیاس کو چھوڑ نا پڑا اور امر تعبدی سمجھا گیا، لا مجال للعقل فیہ۔ اس میں عقل کی کوئی مجال نہیں۔

اگر ام ولد کا مولیٰ مرجائے یا اس کو آزاد کردے تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس کی عدت ایک حیض ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ و ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کی عدت تین حیض ہے۔ فریق اول نے دلیل پیش کی کہ یہ عدت ملک یمین کے زوال کی بنا پر ہے اور ایسی عدت ایک حیض سے ہوتی ہے۔ فریق ثانی: دلیل پیش کرتے ہیں کہ مولیٰ کے مرنے یا آزاد کرنے سے اس کا فراش زائل ہو گیا۔ لہٰذا یہ عدت زوال نکاح کے مانند ہو گیا اور عدت نکاح تین حیض سے ہوتی ہے۔ لہٰذا ام ولد کی عدت تین حیض سے ہوگی۔

فریق اول نے جو قیاس پیش کیا، اس کا جواب یہ ہے کہ عدت میں احتیاط کرنا اولیٰ ہے، لہٰذا زوال یمین سے زوال فراش کی جہت کو راجح قرار دینا بہتر ہے، بہر حال کسی فریق کے پاس نص سے کوئی دلیل موجود نہیں ہے صرف اجتہاد و قیاس ہے، "ولکل وجھۃ ھو مولیھا"۔ اور ہر گروہ کی ایک سمت ہے جس کی طرف وہ رخ کرتا ہے۔ اور ایسے مسائل میں زیادہ ضد کرنا مناسب نہیں۔ (درس مشکوۃ: ۳/۴۴)

استبراء کی حکمت

پہلی حکمت: استبراء میں حکمت یہ ہے کہ بغیر استبراء کے وطی کرنے کی صورت میں جو بچہ پیدا ہوگا اس میں یہ بھی احتمال ہوگا کہ غیر کے نطفہ سے ہو، اب اگر اس کا نسب اپنی طرف کرے تو احتمال ہے کہ دوسرے کا اپنا بچہ اپنی طرف منسوب کر لیا ہے، اور اگر دوسرے کی طرف نسبت کرے تو ممکن ہے کہ اس کا بچہ ہو اور اس کی نسبت دوسرے کی طرف کر دی، استبراء نہ کرنے سے نسب کے التباس کا اندیشہ ہے، اس لئے استبراء کا حکم ہوا۔

اسی حکمت کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باب کی پہلی حدیث میں بغیر استبراء کے وطی کر لینے پر ناراضگی کا اظہار فرمایا اور ارشاد فرمایا: "کیف یستخدمہ وھو لا یحل لہ ام کیف یورثہ

وھو لا یحل لہ" اس سے کس طرح خدمت لیے گا جبکہ وہ اس کے لئے حلال نہیں یا کس طرح اسکو وارث بنائے گا جبکہ وہ اس کے لئے حلال نہیں۔ حاصل اس کا یہی ہے کہ حاملہ سے بغیر استبراء کے وطی کر لی تو چھ ماہ بعد پیدا ہونے والا بچہ دونوں کا ہوسکتا ہے، اب اگر یہ نسب کا اقرار نہ کرے اور اس کو غلام بنالے تو اندیشہ ہے کہ اس نے ولد کو غلام بنالیا ہو، اب ولد کو غلام بنانے اور قطع نسب کے گناہ کا مرتکب ہوگا، اور اگر نسب کا اقرار کرے تو اندیشہ ہے کہ یہ دوسرے کا بچہ ہو اور اس نے اس کو اپنا وارث بنادیا، اب ولد غیر کا نسب اپنی طرف کرنے اور اس کو اپنا وارث بنانے کے گناہ کا مرتکب ہوگا، اس لئے اس پر لازم ہے، کہ استبراء کرے، تاکہ محظورات سے بچا رہے۔ (اشرف التوضیح:۴۹۹/۲)

دوسری حکمت: استبراء اس لئے بھی ضروری ہے کہ احکام شرع میں التباس نہ ہو، اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب عورت حاملہ ہوتی ہے اور اس سے صاحب حق (شوہر یا آقا) کے علاوہ کوئی شخص صحبت کرتا ہے تو تجربہ سے یہ بات ثابت ہے، کہ اس دوسری صحبت کا بچہ کی نشو ونما پر اثر پڑتا ہے، اور بچہ میں دو مشابہتیں پیدا ہوتی ہیں، ایک اس شخص کی مشابہت جس کے نطفہ سے بچہ پیدا ہوا۔ دوسرے اس شخص کی مشابہت جس نے زمانہ حمل میں عورت سے صحبت کی ہے، یہ بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے واضح کی ہے۔ (مستفاد از رحمۃ اللہ الواسعہ:۱۷۸/۵)

{الفصل الاول}

استبراء کے بغیر باندی سے مجامعت پر لعنت

{۳۱۹۴} **عَنْ** اَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِامْرَأَةٍ مُجِحٍّ فَسَأَلَ عَنْهَا فَقَالُوْا اَمَةٌ لِفُلَانٍ قَالَ اَيُلِمُّ بِهَا قَالُوْا نَعَمْ قَالَ لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اَلْعَنَهُ لَعْناً يَدْخُلُ مَعَهُ فِيْ قَبْرِهِ كَيْفَ يَسْتَخْدِمُهُ وَهُوَ لَا يَحِلُّ لَهُ اَمْ كَيْفَ يُوَرِّثُهُ وَلَا هُوَ يَحِلُّ لَهُ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۴۶۵، باب تحریم وطء الحامل، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۴۴۱۔

حل لغات: احجت المرأۃ: (افعال) عورت حاملہ ہوگئی اور پیٹ بڑا ہوگیا، الم المام: نزدیک ہونا، وطی کے کنایات میں سے ہے۔

ترجمہ: حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم ﷺ ایک حاملہ عورت کے پاس سے گذرے، تو آنحضرت ﷺ نے اس کے بارے میں دریافت کیا، لوگوں نے بتایا کہ یہ فلاں شخص کی باندی ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ وہ اس سے صحبت کرتا ہے، لوگوں نے کہا کہ ہاں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں اس پر ایسی لعنت کروں جو اس کے ساتھ قبر میں بھی جائے، وہ بچہ سے کیسے خدمت لے سکتا ہے جب کہ وہ اس کیلئے حلال نہیں ہے، یا اس کو کیسے وارث بنائے گا جب کہ اس کے لئے حلال نہیں ہے۔

تشریح: مجح: وہ حاملہ عورت جو قریب الولادۃ ہو، مضمون حدیث یہ ہے آنحضرت ﷺ نے ایک غزوہ میں ایسی عورت کو دیکھا، جو حاملہ قریب الولادۃ تھی (آپ کو کسی طرح کشف ہوا) اور فرمایا شاید اس باندی کے مالک نے اس کے ساتھ المام (جماع) کیا ہے یعنی قبل الاستبراء اس پر بعض حاضرین نے آپ کی تصدیق کی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ میرا جی چاہتا ہے، کہ اس شخص کو ایسی بددعا دوں جس کا اثر اس کے ساتھ قبر تک جائے نیز فرمایا آپ نے۔ "کیف یورثہ" اس کی تشریح یہ ہے کہ موجودہ صورت حال یعنی بغیر استبراء کے وطی کرنے کے بعد اب دو احتمال ہیں ایک یہ کہ اس وطی کے بعد چھ ماہ گذرنے سے پہلے بچہ پیدا ہوگا یا چھ ماہ کے بعد، پہلی صورت میں تو یہ بات متعین ہے کہ یہ پیدا ہونے والا بچہ زوج اول کا ہوگا، اور اس واطی کا غلام ہوگا، اور صورت ثانیہ میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ وہ بچہ زوج کا ہو دوسرا احتمال یہ کہ خود اس واطی کا ہو، یقین کسی ایک جانب کا نہیں، لہذا اب یہ واطی کیا کرے گا؟ اگر اس کو اپنا بچہ قرار دیتے ہوئے اس کو اپنا وارث بناتا ہے، تب اشکال اور اگر زوج اول کا قرار دیتے ہوئے اس کو اپنا خادم اور غلام بناتا ہے تب ناجائز۔ کیونکہ ان دونوں باتوں میں سے کوئی سی بھی یقینی نہیں ہے، پس احد المحظورین کا ارتکاب لازم آتا ہے، جو نتیجہ ہے عدم استبراء کا۔ حاصل یہ کہ اس

حدیث شریف میں قید کردہ باندی کے ساتھ قبل الاستبراء وطی کرنے پر شدید وعید آنحضرت ﷺ نے فرمائی، اور استبراء غیر حاملہ کا تو ایک حیض ہے اور حاملہ کا وضع حمل،" وھٰذا امر متفق علیہ بین الائمہ الاربعۃ"۔ (الدرالمنضود:۷۰/۴، التعلیق:۹۰/۴، مرقاۃ:۴۶۲/۶)

{الفصل الثانی}

استبراء کے بغیر باندی سے صحبت کی ممانعت

{۳۱۹۵} **عَنْ** اَبِیْ سَعِیْدٍ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ رَفَعَہُ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ فِیْ سَبَایَا اَوْطَاسٍ لَاتُوْطَأُ حَامِلٌ حَتّٰی تَضَعَ وَلَا غَیْرُ ذَاتِ حَمْلٍ حَتّٰی تَحِیْضَ حَیْضَۃً۔ (رواہ احمد وابوداؤد والدارمی)

حوالہ: مسند احمد: ۶۲/۲، ابو داؤد شریف: ۲۹۳/۱، باب فی وطیء السبایا، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۲۱۵۷، دارمی ۲۲۴/۲، باب فی استبراء الامۃ، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۲۲۹۵۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ حضرت نبی کریم ﷺ سے مرفوعاً روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے غزوہ اوطاس کی قیدی عورتوں کے بارے میں فرمایا کہ کسی حاملہ سے وطی نہ کی جائے، جب تک کہ وہ بچہ نہ جن لے، اور نہ کسی غیر حاملہ سے وطی کی جائے جب تک کہ اس کو ایک حیض نہ آجائے۔ (احمد، ابو داؤد، دارمی)

تشریح: نئی ملکیت کا پیدا ہونا استبراء کو واجب کرتا ہے، بغیر استبراء کے آقا کے لئے وطی کرنا اور دواعی وطی کی ممانعت ہے، اور استبراء ہر حال میں ضروری ہے خواہ اختلاط نطفہ کا امکان ہو یا نہ ہو، مثلاً باکرہ باندی ملی، یا کسی سے باندی خریدی، تو بھی استبراء لازم ہے، آپ نے اس حدیث میں تمام لونڈیوں سے استبراء کرنے کے لئے کہا ہے، ظاہر بات ہے کہ ان میں ایسی صورت ضرور رہی ہوگی کہ جن کے

بارے میں اختلاط نطفہ کا احتمال نہ ہوگا، لیکن آنحضرت ﷺ نے ان کا استثناء نہیں کیا، معلوم ہوا کہ باندی کی ملکیت کی تبدیلی سے ہی استبراء لازم ہے۔

ولا توطا حامل: اگر حاملہ باندی حصہ میں ملی ہے اس سے وطی وضع حمل کے بعد ہی جائز ہے، وضع حمل سے پہلے وطی حرام ہے، "ولا غیر ذات حمل حتی تحیض" اگر غیر حاملہ باندی حصہ میں ملی ہے، اوراس کو حیض آتا ہے، تو ایک حیض گذرنے کے بعد اس سے وطی جائز ہے، بغیر استبراء رحم کے وطی حرام ہے، اگر باندی قبضہ میں آئی اوراس وقت وہ حائضہ تھی، تو اس حیض کا اعتبار نہیں ہے، اس حیض کے بعد جب طہر آجائے اور طہر کے بعد حیض آکر گذر جائے تب وطی حلال ہے، اگر کسی باندی کو حیض نہیں آتا ہے، تو اس کا آقا ایک مہینہ ٹھہرے اس کے بعد اس سے صحبت کرے۔ (مرقاۃ: ۶/۴۶۳)

غـزوہ اوطاس

حنین ایک وادی ہے مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان "علی بضعة عشر میلا من مكة" مکہ سے دس سے زائد میل کے فاصلے پر۔ جہاں مشہور غزوہ ہوا، غزوہ حنین فتح مکہ کے بعد شوال ۸ ہجری میں ہوا، اور اوطاس ایک وادی ہے دیار ہوازن میں اور کہا گیا ہے، "هو موضع عند الطائف وهو غير وادي حنين على الراجح" طائف کے پاس حنین کے علاوہ ایک بستی ہے راجح قول کے مطابق۔ یعنی حضور اکرم ﷺ نے ایک لشکر روانہ فرمایا موضع اوطاس میں جس کا منشا یہ ہوا کہ جب حضور اکرم ﷺ غزوہ حنین سے فارغ ہوئے جو کہ قبیلہ ہوازن کے ساتھ ہوا تھا تو ایک دستہ (مختصر جماعت) ہوازن کی اوطاس میں آکر جمع ہوگئی اور وہاں آکر قبیلہ ثقیف کے ساتھ شامل ہوگئی، آنحضرت ﷺ نے ان کے مقابلہ کے لئے ایک جماعت بھیجی جیسا کہ ابوداؤد کی روایت میں مذکور ہے یہ جماعت ان کفار پر بحمداللہ تعالیٰ غالب آگئی اور مشرکین کی بہت سی عورتیں بھی اس نے قید کرلیں جن میں بعض ایسی بھی تھیں جو شادی شدہ تھیں اوران کے ازواج بھی زندہ اور موجود تھے، تقسیم کے بعد جن مجاہدین کے حصہ میں اس قسم کی عورتیں آئیں تو ان کو ان سے وطی کرنے میں اشکال ہوا کہ ان کے تو مشرک شوہر زندہ اور موجود ہیں پھر ان سے وطی کیسے کی جائے؟ تو اس پر یہ آیت کریمہ "والمحصنات من النساء الا

ماملکت ایمانکم" نازل ہوئی، یعنی جو عورت کسی کے نکاح میں ہو وہ اپنے شوہر کے علاوہ دوسرے کے لئے حرام ہے مگر وہ منکوحہ عورت جو دارالحرب سے قید کر کے لائی گئی ہو تو وہ جس شخص کے حصہ میں آئے گی، اس کے لئے حلال ہوگی انقضاء عدت ایک حیض کے بعد۔ (الدرالمنضود:٧٠/٤)

سبایا سے متعلق چند مسائل فقہیہ

یہاں پر چند مسئلے ہیں بعض ان میں سے اختلافی ہیں۔

(١)......جس مسبیہ کا اس آیت کریمہ میں استثناء کیا گیا ہے اس سے مراد وہ کافرہ عورت ہے، جس کو تنہا (بغیر اس کے شوہر کے) قید کر کے دارالاسلام لایا گیا ہو، اس لئے کہ حنفیہ کے نزدیک تباین دارین سے فرقت واقع ہوتی ہے، نفس قید سے واقع نہیں ہوتی، اس مسئلہ میں شافعیہ وغیرہ کا اختلاف مشہور ہے، ان کے نزدیک اگر زوجین مشرکین دونوں کو قید کر کے لایا جائے گا، تب بھی مسبیہ سابی کے لئے حلال ہوگی کیونکہ ان کے نزدیک نفس سبی سے فرقت واقع ہو جاتی ہے۔

(٢)......"مسبیہ مشرکہ" جو کتابیہ نہ ہو وہ مسلمان کیلئے حلال نہیں جب تک اسلام نہ لائے البتہ اگر وہ کتابیہ ہو حلال ہے یہ مسئلہ حنفیہ شافعیہ کے یہاں اتفاقی ہے اور اس حدیث میں جن سبایا کا ذکر ہے وہ سب مشرکات تھیں یعنی پہلے سے، لہٰذا یہاں یہ تاویل کی جائے گی کہ وہ اسلام لے آئی ہوں گی امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ تاویل اور توجیہ یہاں پر ضروری ہے۔ (بذل)

(٣)......تیسرا مسئلہ یہاں پر یہ ہے کہ اس آیت کریمہ میں جس مملوکہ کا استثناء کیا گیا ہے اس سے مراد عند الجمہور والائمہ الاربعہ مملوکہ بالسبی ہے، یعنی "منکوحہ لغیر" جس کا کوئی مسلمان مالک ہو جائے اس کو قید کرنے کی وجہ سے اور جو "منکوحۃ لغیر مملوکہ بالشراء" ہو اس کا یہ حکم نہیں ہے، یعنی وہ مشتری کیلئے حلال نہ ہوگی کیونکہ شراء امۃ سے اس کا نکاح فسخ نہیں ہوتا ہے بخلاف قید کے کہ اس سے نکاح عند الجمہور فسخ ہو جاتا ہے، لیکن اس مسئلہ میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کا اختلاف منقول ہے، ان کے نزدیک مملوکہ بالشراء کا حکم بھی یہی ہے۔ (الدرالمنضود:٧٠/٤)

استبراء کے بغیر صحبت کرنا حرام ہے

{۳۱۹۶} **وَعَنْ** رُوَيْفِعِ بْنِ ثَابِتٍ الْاَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ حُنَيْنٍ لَا يَحِلُّ لِامْرَإٍ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ اَنْ يَسْقِيَ مَاءَهٗ زَرْعَ غَيْرِهٖ يَعْنِي اِتْيَانَ الْحُبَالٰى وَلَا يَحِلُّ لِامْرَإٍ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ اَنْ يَقَعَ عَلَى امْرَأَةٍ مِنَ السَّبِيِّ حَتّٰى يَسْتَبْرِئَهَا وَلَا يَحِلُّ لِامْرَإٍ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ اَنْ يَبِيْعَ مَغْنَمًا حَتّٰى يُقْسَمَ۔ (رواہ ابوداؤد) ورواہ الترمذی الی قولہ زرع غیرہ۔

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۱/۲۹۳، باب وطیء السبایا، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۲۱۵۸، ترمذی شریف: ۱/۲۱۴، باب ماجاء فی الرجل یشتری الجاریۃ، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۱۳۱۔

ترجمہ: حضرت رویفع بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ حنین کے دن فرمایا کہ کسی ایسے شخص کیلئے جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر یقین رکھتا ہو جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے پانی سے دوسرے کی کھیتی کو سیراب کرے، یعنی حاملہ عورت سے صحبت کرے، اور کسی ایسے شخص کے لئے جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر یقین رکھتا ہو یہ بھی جائز نہیں ہے کہ وہ کسی عورت سے استبراء کرنے سے پہلے صحبت کرلے اور کسی ایسے شخص کے لئے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر یقین رکھتا ہو یہ بھی جائز نہیں ہے کہ وہ مال غنیمت کو تقسیم ہونے سے پہلے فروخت کرے۔ (ابوداؤد شریف) ترمذی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول "زرع غیرہ" تک نقل کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین باتوں کی تاکید فرمائی ہے۔

(۱)......اگر کسی شخص نے ایسی عورت سے نکاح کیا جو کہ زنا سے حاملہ ہے تو نکاح صحیح ہے لیکن وضع حمل سے پہلے صحبت حرام ہے۔

(۲)......کہیں سے باندی حاصل ہوئی تو جب تک کہ ایک حیض نہ آجائے آقاء کے لئے اس سے

وطی حرام ہے۔

(۳)......مال غنیمت میں تقسیم سے قبل کسی خاص شخص کی ملکیت قائم نہیں ہوتی، لہٰذا تقسیم سے پہلے بیچنا ایک طرح کی خیانت ہے اور یہ بھی حرام ہے۔

ان یسقی مائه زرع غیره: مطلب یہ ہے کہ جو عورت دوسرے شخص کی وطی سے حاملہ ہے، اس سے وضع حمل سے قبل وطی کرنا حرام ہے، حاملہ عورت سے صحبت بچہ کے نشو و نما پر اثر انداز ہوتی ہے، اس حدیث میں اس کا اشارہ بھی موجود ہے۔

ان یقع علی امراة: استبراء رحم سے قبل باندی سے صحبت حرام ہے۔ "ان یبیع غنما: مال غنیمت میں تقسیم سے قبل تصرف حرام ہے اور ابو داؤد شریف کی حدیث میں صراحتاً اس بات کی بھی ممانعت ہے کہ غنیمت میں سے کوئی شخص تقسیم سے قبل کوئی سواری لے اور جب اس کو لاغر کر دے تو اس کو مال غنیمت میں شامل کر دے، اسی طرح کوئی کپڑا لیا اور اس کو استعمال کر کے پرانا کر دیا، پھر غنیمت میں شامل کر دیا یہ سب ناجائز اور حرام ہے۔ (فیض المشکوۃ: ۶/۲۴۸)

{الفصل الثالث}

غیر حائضہ میں استبراء کی مدت

{۳۱۹۷} **عَنْ** مَالِكٍ قَالَ بَلَغَنِي اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْمُرُ بِاسْتِبْرَاءِ الْاِمَاءِ بِحَيْضَةٍ اِنْ كَانَتْ مِمَّنْ تَحِيْضُ وَثَلَاثَةِ اَشْهُرٍ اِنْ كَانَتْ مِمَّنْ لَا تَحِيْضُ وَيَنْهٰى عَنْ سَقْيِ مَاءِ الْغَيْرِ۔ (رواہ رزین)

حوالہ: رزین۔

ترجمہ: حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ تک یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حکم فرماتے تھے لونڈیوں سے استبراء کا ایک حیض کے ذریعہ سے اگر وہ

باندی ایسی ہوتی کہ جس کو حیض آتا ہوتا اور اگر باندی ایسی ہوتی کہ جس کو حیض نہ آتا ہوتا، تو آنحضرت ﷺ تین مہینہ کی مدت کے ذریعہ استبراء کا حکم فرماتے تھے، اور آپ دوسرے کی کھیتی کو سیراب کرنے سے منع فرماتے تھے۔ (رزین)

تشریح: غیر حائضہ کے استبراء کی مدت: باندی حائضہ نہ ہو، بلکہ صغیرہ یا آئسہ ہو تو اس کے استبراء کی مدت کیا ہے؟ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ اس کے استبراء کی مدت ایک ماہ ہے۔ (الهدایہ: ۴/۳۹۵)

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول اور حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت بھی اسی طرح ہے۔ (المغنی لابن قدامۃ: ۷/۵۰۴)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور روایت اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول یہ ہے کہ غیر حائضہ کے استبراء کی مدت تین ماہ اس مسئلہ میں اور بھی متعدد اقوال ہیں۔ (ایضاً)

حنفیہ کا استدلال شریعت کے اصول عام سے ہے، شریعت نے عدت کے دوسرے مسائل میں ایک مہینہ حیض کے قائم مقام قرار دیا ہے، لہٰذا یہاں بھی ایسا ہی ہوگا، حائضہ کا استبرا ایک حیض سے ہوتا ہے تو غیر حائضہ کا ایک ماہ سے ہونا چاہئے۔ (مزید تفصیل "اعلاء السنن: ۱۷/۴۱۹" پر ملاحظہ ہوں)

باکرہ باندی کا استبراء

{۳۱۹۸} **وَعَنِ** ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُمَا اَنَّهٗ قَالَ اِذَا وُهِبَتْ الْوَلِيْدَةُ الَّتِيْ تُوْطَأُ اَوْبِيْعَتْ اَوْ اُعْتِقَتْ فَلْتَسْتَبْرِئْ رَحِمَهَا بِحَيْضَةٍ وَلَا تَسْتَبْرِئُ الْعَذْرَاءُ۔ (رواہ رزین)

حوالہ: رزین۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جب وہ باندی جس سے وطی کی جاتی ہے، ہبہ کی گئی، یا بیچی گئی یا وہ آزاد کی گئی تو اس کو چاہئے کہ وہ اپنے رحم کو ایک حیض کے ذریعہ سے پاک کرے، اور کنواری لڑکی استبراء نہ کرے۔ (رزین)

تشریح: استبراء کا سبب حصول ملک ہے، لہٰذا آدمی جب باندی کا مالک ہو، چاہے جس طرح سے ہو باندی کے استبراء رحم سے پہلے وطی جائز نہیں ہے، خواہ اختلاط نطفہ کا امکان ہو یا نہ ہو اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ کنواری باکرہ باندی پر استبراء لازم نہیں ہے، یہ جمہور کے موقف کے خلاف ہے۔

اکثر سلف کا مذہب یہی ہے کہ باندی ثیبہ ہو یا باکرہ استبراء کا حکم دونوں کو عام ہے، دونوں میں فرق نہیں ہے تمام مرفوع احادیث جن میں استبراء کا حکم دیا گیا ہے، وہ عام ہیں ان میں ثیبہ اور باکرہ کا فرق نہیں یہ جمہور کی دلیل ہے۔ (التعلیق: ۴/۹۰، مرقاۃ: ۶/۴۶۶)

{باب النفقات وحق المملوك}

نفقات اور غلاموں کے حقوق کا بیان

اس باب کے تحت اکیس روایتیں درج کی گئی ہیں جو حقوق واجبہ کی ادائیگی، غلام و باندی کے نفقات کی ادائیگی، ان کے ساتھ احسان وسلوک کی تاکید اور ظلم وستم پر سزا کی وعیدوں پر مشتمل ہیں۔

نفقہ کے لغوی معنی

نفقات جمع ہے نفقۃ کی، نفقہ یا تو نفوق سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہلاک ہونے کے ہیں، اس لئے جانور کو ہلاک ہونے کو "نفقت الدابة نفوقا" کہتے ہیں یا نفاق (ن پر زبر) سے مشتق ہے، نفاق کے معنی مروج ہونے کے ہیں، اسی لئے جس سودے کا چلن ہو جائے اس کے لئے "نفقت السلعة" کی تعبیر استعمال ہوتی ہے۔

معنی لغوی اور شرعی کے درمیان مناسبت

نفقہ کے اصطلاحی مفہوم کی اس کے لغوی معنی سے مطابقت اور قربت یہ ہے کہ انفاق میں مال ہلاک اور خرچ ہو جاتا ہے، اور حالات مناسب طور پر جاری رہتے ہیں، "فان بها هلاك المال ورواج الحال" (شامی: ۲/۶۴۳)

شامی نے زمخشری سے ایک اچھا نکتہ نقل کی ہے کہ عربی زبان میں ہر وہ لفظ جس کا ابتدائی حرف (ف کلمہ) "ن" اور درمیانی حرف (ع کلمہ) "ف" ہو تو اس میں نکلنے اور جانے کے معنی پائے جاتے ہیں۔

(شامی: ۲/۶۴۳)

اصطلاحی تعریف

اصطلاح میں نفقہ خوراک، پوشاک اور رہائش کے انتظام کو کہتے ہیں: "ھی الطعام والکسوۃ والسکنی"۔ وہ طعام، لباس، رہائش ہے۔ (شامی: ٢/٢٤٤)

نفقہ کی یہ تعریف تمام صورتوں کو شامل ہے، انسان اور حیوان دونوں کے نفقہ کو بلکہ فقہاء نے تو زمین کو بھی لائق نفقہ قرار دیا ہے کہ سیراب کرنا اس کا نفقہ ہے، یہ اور بات ہے کہ اس پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ (شامی: ٢/٢٤٤)

خود اپنا نفقہ

سب سے پہلے انسان پر خود اپنا نفقہ واجب ہے کہ آدمی اپنے آپ کی ضروریات کو پورا کرے، اسی لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ پہلے اپنے آپ سے شروع کرو، پھر اپنے زیر پرورش لوگوں پر خرچ کرو، "ابدا بنفسك فتصدق علیها فان فضل شیٔ فلاهلك"۔ اپنے نفس سے ابتداء کرو پہلے اس پر صدقہ کرو پھر اگر بچ جائے تو اپنے اہل وعیال پر خرچ کرو۔ (جامع صغیر: ١/٤٧)

کیونکہ انسان کے ہاتھ میں اس کا وجود اللہ کی امانت ہے، اور حتی المقدور اس کی حفاظت وصیانت واجب ہے۔

قرابت داری کی وجہ سے نفقہ کا وجوب

دوسرے شخص کا نفقہ آدمی پر تین اسباب کے تحت واجب ہوتا ہے، ازدواجی رشتہ، قرابت مندی اور ملکیت، بحیثیت مجموعی قرابت کی بناء پر نفقہ واجب ہونے کے سلسلہ میں وسعت وتنگی کے اعتبار سے مذاہب اربعہ کی ترتیب اس طرح ہے کہ سب سے زیادہ وسعت حنابلہ کے یہاں ہے، پھر حنفیہ کے یہاں، پھر شوافع کے یہاں اور آخری درجہ مالکیہ کا ہے۔

مالکیہ کے نزدیک نفقہ صرف والدین، بیٹے اور بیٹیوں کا واجب ہے، دادا، دادی، نانا، نانی، یا

پوتے، نواسے غیرہ کا واجب نہیں، شوافع کے نزدیک علاوہ والدین کے والدین کا جو آبائی سلسلہ دادا، دادی، نانا، نانی اور اولاد ہی کی طرح اولاد کے ذیلی سلسلہ پوتے، نواسے وغیرہ کا نفقہ بھی واجب نہیں، حنفیہ کے نزدیک ان رشتہ داروں کے علاوہ بعض حالات میں دوسرے محرم رشتہ داروں کا نفقہ بھی واجب ہوا کرتا ہے، غیر محرم رشتہ داروں کا نفقہ واجب نہیں ہوتا، حنابلہ نے محرم ہونے کی بھی شرط نہیں رکھی، بلکہ غیر محرم رشتہ دار ان جیسے چچازاد بھائی وغیرہ کا نفقہ بھی بوقت ضرورت واجب قرار دیتے ہیں۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ: ۷۶۶/ ۸)

نفقہ، جس سے ضرورت پوری ہوجائے

نفقہ کا مقصد بنیادی ضروریات کی تکمیل ہے، جو ہر زمانہ کے عرف ورواج اور زیر کفالت شخص کے حالات کے لحاظ سے مختلف ہوسکتا ہے۔ (المغنی: ۱۵۷/ ۸)

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے نفقہ کے ساتھ "**بالمعروف**" (مروجہ طریقہ کے مطابق) کی قید لگائی ہے، (البقرہ: ۲۳۳) اور حضرت ہندہ کے نفقہ کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے شوہر کی طرف سے ہونے والی تنگی کی بابت استفسار پر آنحضرت ﷺ نے یہی جواب دیا کہ اتنا لے سکتی ہو جو "**معروف**" طریقہ پر تمہارے اور تمہارے بچوں کے لئے کفالت کرجائے، "**مایکفیك وولدك بالمعروف**"۔ (بخاری شریف: ۵۳۶۴)

بیوی کا نفقہ

بیوی کا نفقہ واجب ہونے پر امت کا اجماع واتفاق ہے۔ (المغنی: ۱۵۶/ ۸) کیونکہ خود قرآن کریم میں اس کی صراحت موجود ہے، اللہ تعالیٰ نے صاحب گنجائش پر اپنی گنجائش کے مطابق نفقہ ادا کرنے کا حکم فرمایا: (الطلاق: ۷) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خطبہ میں ارشاد فرمایا: کہ تم پر بیویوں کا رزق اور ان کا لباس معروف طریقہ پر واجب ہے۔ "**ولهن عليكم رزقهن وكسوتهن بالمعروف**"۔ (ابوداؤد شریف: ۱۹۰۵)

بیوی کا نفقہ، نکاح صحیح کی وجہ سے واجب ہوتا ہے، نکاح فاسد اور نکاح باطل کی وجہ سے واجب نہیں ہوتا مسلمان ہو یا کتابیہ بالغہ ہو یا ایسی نابالغہ جس سے صحبت کی جاسکتی ہو، یا وہ شہوت کی عمر کو پہنچ گئی ہو، مالدار ہو یا غریب، شوہر اس سے صحبت کر چکا ہو یا کسی عذر کی وجہ سے نہیں کر پایا ہو، سلیم العقل ہو یا فاتر العقل، اتنی سن رسیدہ ہو کہ شوہر کے لائق ہو یا کم عمر ہو، لیکن شوہر کے گھر میں ہو اور کم سے کم خدمت اور موانست کے لائق ہو، خود شوہر نابالغ اور اس کی وجہ سے صنفی تعلق سے معذور ہو یا نہ ہو اور مالدار ہو یا محتاج، بہر صورت اگر یہ کسی جائز حق اور عذر کے بغیر شوہر کے گھر سے باہر نہ ہو تو اسکا نفقہ واجب ہوگا، بلکہ اگر والد کے گھر ہو اور خود شوہر نے اسکی رخصتی کا مطالبہ نہ کیا ہو، جب بھی اس کا نفقہ واجب ہے شوہر کے گھر میں لیکن مریض ہو تب بھی اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہے، اسی طرح اگر وہ اپنے کسی جائز حق کے مطالبہ کی وجہ سے اپنے میکہ میں مقیم ہو تب بھی وہ مستحق نفقہ ہے، جیسے مہر معجل ہو اور وہ مہر لے کر ہی شوہر کے یہاں رخصت ہونے کے لئے تیار ہو تب بھی وہ نفقہ کی مستحق ہے اور ایک مہر ہی پر موقوف نہیں کسی بھی جائز حق کی بنا پر اپنے آپ کو روک رکھنے کی وجہ سے وہ نفقہ سے محروم نہیں رہ سکتی۔ (درمختار: ۲/۶۴۴)

جب بیوی نفقہ کی حقدار نہیں ہوتی!

علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ گیارہ صورتوں میں بیوی نفقہ کی حق دار نہیں رہتی، اگر وہ مرتد ہوگئی ہو یا اس نے اپنے سوتیلے بیٹے کیساتھ کوئی شہوانی فعل کیا ہو، کیونکہ اس کی وجہ سے وہ اپنے شوہر پر حرام ہو جاتی ہے، عدت وفات میں ہو، نکاح فاسد یا اس کی عدت میں ہو، کسی اور کی باندی ہو، شوہر کے پاس قیام پذیر نہ ہو، اتنی کم عمر ہو کہ اس سے صحبت نہ کی جاسکے، کسی وجہ سے جیل میں ہو، اسے اغواء کرلیا گیا ہو۔

بعض فقہاء نے اسی زمرہ میں ایسی مریض خاتون کو بھی رکھا ہے جو شوہر کے ساتھ میکہ سے اس کے گھر منتقل نہ ہوسکتی ہو، کیونکہ ایک وجہ سے اس کی طرف سے اپنے نفس کی حوالگی مفقود ہے، لیکن ظاہر ہے کہ یہ بات محل نظر ہے، کیونکہ مریضہ کی طرف سے تسلیم نفس موجود ہے یہ اور بات ہے کہ قدرتی مجبوری کی وجہ سے شوہر کے وہاں اس کی منتقلی ممکن نہیں، شامی کا رجحان بھی ایسی عورت کے مستحق نفقہ ہونے کی طرف ہے۔ فرماتے ہیں: "وحینئذ فلا ینبغی ادخالها فیمن لا نفقة لهن" (شامی: ۲/۶۴۸) اگر عورت

شوہر کے بجائے کسی اور محرم کے ساتھ حج کو گئی ہو تو اس کا نفقہ بھی بقول حصکفی شوہر پر واجب نہیں، حج فرض ہو یا نفل البتہ شوہر ساتھ ہو، تو حالت اقامت کا نفقہ اس پر واجب ہوگا، سفر کے لحاظ سے نفقہ واجب نہیں ہوگا، لیکن امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حج فرض کی صورت میں شوہر ساتھ نہ ہو پھر بھی حالت اقامت کا نفقہ اس کو ادا کرنا ہوگا، کیونکہ سفر حج بھی اس کے لئے ایک عذر ہے، غالباً یہی رائے مزاج شریعت سے قریب تر ہے۔ واللہ اعلم۔

ناشزہ کا نفقہ

جن صورتوں میں نفقہ واجب نہیں ہوتا ان میں ایک صورت عورت کے ناشزہ ہونے کی ہے، ناشزہ کے لغوی معنی نافرمان کے ہیں، فقہ کی اصطلاح میں ہر وہ عورت ناشزہ ہے، جو کسی جائز حق کے بغیر شوہر کے گھر سے باہر رہے۔ "خارجة من بيته بغير حق" اسی حکم میں وہ عورت بھی ہے جو اپنے گھر میں رہتی ہو، وہیں شوہر آتا جاتا ہو اور اس نے شوہر کو وہاں آنے سے روک دیا، اسی طرح اگر عورت شب کے وقت تسلیم نفس کرتی ہو، دن میں نہ کرتی ہو تو شوہر پر اس کا نفقہ نہیں، علامہ حصکفی کا خیال ہے کہ وہ عورتیں جو دن میں ملازمت وغیرہ کرتی ہوں یا خود کوئی ذریعہ معاش رکھتی ہوں، اور شب میں شوہر کے پاس رہتی ہوں، تو ان کا نفقہ واجب نہیں، علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس ذیل میں عالمگیری کا ایک جزئیہ نقل کیا ہے کہ اگر کسی کی بیوی باندی ہو، آقا دن میں اس سے خدمت میں لیتا ہو، اور رات میں شوہر کے حوالہ کر دیتا ہو، تو صرف رات کا نفقہ شوہر پر واجب ہوگا نہ کہ دن کا، پھر لکھا ہے کہ اسی مسئلہ پر اس کو قیاس کیا جا سکتا ہے مگر یہ بات بھی ظاہر ہے کہ عورت اس وقت ناشزہ ہوتی ہے جب وہ شوہر کی اجات کے بغیر گھر سے باہر رہے، اگر شوہر کی اجازت سے باہر رہے تو ناشزہ نہیں۔ (شامی: ۲/۶۴۶)

اس گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ عورت اصطلاحی اعتبار سے اس وقت ناشزہ ہوتی ہے جب وہ شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر رہے، اگر گھر میں رہتے ہوئے نافرمانی کا ثبوت دے یا اپنے کسی جائز حق کی بنا پر اپنے آپ کو روک لے تو وہ نفقہ سے محروم نہیں ہوگی، اسی طرح ملازمت پیشہ خواتین اگر ملازمت شوہر کی اجازت سے کر رہی ہوں تو وہ نفقہ کی حقدار ہیں اور اگر وہ بلا اجازت دن میں چلی جاتی ہوں اور رات میں

چلی آتی ہوں جب بھی ان کارات کا نفقہ شوہر کے ذمہ رہے گا، گو شوہر کو حق ہے کہ وہ اس کو اس عمل سے روکے اور اس کے لئے شرعی حدود میں رہتے ہوئے سرزنش کرے، اور عورت اس نافرمانی کی وجہ سے گنہگار ہوگی۔

نفقہ میں شامل چیزیں

قرآن وحدیث اور شریعت کے مزاج ومذاق کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بیوی کے نفقہ میں اس کی تمام بنیادی ضروریات شامل ہیں جو اصل میں ہر زمانہ کے عرف اور حالات سے متعلق ہیں، اور اس سلسلہ میں قطعی تحدید وتعیین نہیں کی جاسکتی، تاہم پھر بھی فقہاء نے ایک حد تک ان کو متعین کرنے کی کوشش کی ہے، چنانچہ بعض فقہا شوافع نے سات چیزوں کا ذکر کیا ہے، کھانا، سالن، صفائی ستھرائی کا سامان، لباس، گھر کا ضروری اثاثہ، رہائش گاہ، اور اگر عورت ایسے سماج سے تعلق رکھتی ہو جس میں خدام اور چاکروں سے کام لیا جاتا ہو تو خادم کا نظم۔(مغنی المحتاج:۴۲۶/ ۳)

خوراک

خوراک مہیا کرنے کی دونوں صورتیں ہوسکتی ہیں، یہ بھی کہ کچا سامان بیوی کے حوالہ کردے تاکہ وہ اسے پکالے، چاول، آٹا، نمک، پانی، تیل، جلاون۔ (عالمگیری:۵۴۹/ ۱) اور یہ بھی کہ پکا پکایا کھانا فراہم کرے، اگر عورت ایسے خاندان سے تعلق رکھتی ہے جس میں خواتین خود کھانا پکایا کرتی ہوں تو مرد پر پکا ہوا کھانا فراہم کرنا ضروری نہیں، اور اگر عورت ایسے گھرانے سے تعلق رکھتی ہو، جس میں لوگ خود کھانا بنانے کے عادی نہ ہوں، شوہر کی طرف سے کوئی خادم بھی فراہم نہ ہو، اور بیوی مریض بھی نہ ہو صحبت کے اعتبار سے اس لائق ہو کہ اپنا پکوان کرسکتی ہو تو بھی شوہر پر پکا ہوا کھانا فراہم کرنا ضروری ہوگا۔(البحرالرائق:۲۹۶/ ۴)

کھانے کی ظاہر ہے کہ کوئی مقدار متعین نہیں کی جاسکتی، جتنا کافی ہوجائے، اتنا دینا ضروری ہے، "لان المقصود من النفقة الكفاية"، یقیناً نفقہ سے مقصود کفایت ہے۔ (هدايه مع الفتح:۳۸۱/۴) اسی طرح یہ بات بھی ظاہر ہے کہ مختلف علاقوں اور مقامات میں غذا کی نوعیت مختلف ہوا کرتی ہے اس کا لحاظ

کرتے ہوئے ہی عرف اور رواج کے مطابق کھانا اور سالن کا انتظام کرنا ہوگا، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مقدار متعین کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور وہ اس طرح کہ تنگدست شخص پر ایک مد اور خوشحال شوہر پر دو مد کے بقدر اناج دینا واجب ہے، پھر شوافع کے یہاں اناج ہی دینا ضروری ہے، آٹا یا بنی ہوئی روٹی دی جائے تو عورت پر اس کا قبول کرنا ضروری نہیں، ائمہ ثلاثہ کی رائے اس کے برخلاف ہے۔

(المغنی:۸/۱۵۷)

سالن نوعیت اور مقدار

بعض فقہاء نے سالن کی نوعیت متعین کرنے کی زحمت بھی اٹھائی، مثلاً یہ کہ ہر جمعہ کو گوشت دینا چاہئے، اور گوشت کی مقدار ایک رطل ہونی چاہئے، لیکن ظاہر ہے کہ یہ مقامی حالات وآداب پر مبنی ہے جہاں گوشت زیادہ ہوتا ہو اور زیادہ مقدار میں کھایا جاتا ہو، وہاں اسی لحاظ سے کمی غذا فراہم کرنی ہوگی۔

(المغنی:۲/۱۵۸)

جیسے نفقہ میں غذا کی مقدار متعین نہیں کی جاسکتی، اسی طرح کوئی رقم بھی متعین نہیں کی جاسکتی، کیونکہ گرانی اور ارزانی ہوتی رہتی ہے، نفقہ سالانہ بنیاد پر بھی دیا جاسکتا ہے، ماہانہ بھی مقرر کیا جاسکتا ہے، ہفتہ وار بھی اور یومیہ بھی، یہ اپنے حالات اور سہولت پر مبنی ہے۔(درمختار:۲/۶۵۰)

جیسے غذا کی فراہمی شوہر کے ذمہ ہے، اسی طرح کھانے سے متعلق دوسری ضروریات بھی شوہر کے ذمہ ہیں، جیسے: کھانے پینے کے برتن، گھڑے چکی، ہمارے زمانہ میں شہری زندگی گذارنے والوں کے لئے گیس اور اس کا چولہا، ریفریجیٹر اور گرائنڈر وغیرہ اسی حکم میں ہے۔(عالمگیری:۱/۵۴۸)

پوشاک

بیوی کی پوشاک کا انتظام بھی بالاتفاق شوہر کے ذمہ ہے۔کہ خود قرآن اس پر ناطق ہے،

(البقرۃ:۲۳۳)

لباس میں بھی مقدار اور نوعیت متعین نہیں، اور نہ اس کو مکمل طور پر متعین کرنا ممکن ہی ہے، بلکہ

مختلف مقامات کے عرف کی رعایت کرتے ہوئے لباس کا فراہم کرنا واجب ہے، ظاہر ہے کہ کم سے کم ایسا لباس واجب ہے جو ستر کے تقاضا کو پورا کردے، رہ گیا لباس کا معیار تو یہ شوہر کی معاشی استطاعت اور عورت کے خاندان کے لوگوں کے معیار زندگی کے اعتبار سے وجب ہوگا۔ "یختلف ذالك یسارا او اعسارا وحالا وبلدا"۔ مالداری، تنگدستی، حالات زمانہ، شہر وغیرہ کیوجہ سے مختلف ہوتا ہے۔

سال میں کم سے کم دو جوڑے بنانے ضروری ہیں، اگر قبل از وقت کپڑا پھٹ گیا تو قانوناً نیا کپڑا دینا شوہر کی ذمہ داری نہ ہوگی۔لیکن اگر عورت کپڑے کی ضرورت مند ہو تو دیانۃً شوہر کا فریضہ ہے کہ وہ اس کے لئے کپڑا فراہم کرے، کپڑے میں یہ بھی ضروری ہے کہ جاڑے اور گرمی کے موسم کی ضروریات کے لحاظ سے کپڑا فراہم کئے جائیں۔

اسی طرح جوتا چپل جاڑے کے موسم کی رعایت کرتے ہوئے موزوں کا فراہم کرنا بھی شوہر کی ذمہ داری ہے۔ (شامی: ۶۴۹/۲)

آرائشی اشیاء

سامان آرائش میں بعض چیزیں تو لازمی درجہ کی ہیں، جیسے کنگھی، تیل، نہانے اور کپڑا دھونے کا صابن، ایسا خوشبودار پاؤڈر یا کریم جس سے پسینہ وغیرہ کی بو دور کی جاسکے ان کی فراہمی شوہر پر واجب ہے۔ایسی چیزیں جو اس درجہ ضروری نہیں ہیں بلکہ خصوصی آرائش کے درجہ میں آتی ہوں جیسے سرمہ، کاجل، خضاب، عطریات وغیرہ شوہر پر واجب نہیں، لیکن اگر شوہر خود بیوی سے ان چیزوں سے آراستہ ہونے کا تقاضہ کرتا ہو تو پھر اس کے لئے ان کو فراہم کرنا بھی واجب ہوگا۔(شامی: ۶۵۲/ ۲، ہندیہ: ۵۵۶/۱)

بستر اور فرش

تکیہ، بستر اور فرش کا انتظام بھی شوہر پر واجب ہے، اور یہ بھی ضروری ہے کہ شوہر اپنی حیثیت کے مطابق موسم کی رعایت کرتے ہوئے ان چیزوں کو فراہم کرے، خوشحال آدمی ہے تو ٹھنڈک میں اسپنج کا گدا، اور غریب آدمی ہے تو اونی فرش وغیرہ۔(ہندیہ: ۵۵۶/۱، المغنی: ۱۵۹/۸)

اسی طرح لحاف اوڑھنے کا انتظام اور عورت کے لئے ان چیزوں کا مستقل انتظام کہ اگر بیماری وغیرہ کی وجہ سے عورت، شوہر سے الگ سونا چاہئے تا کہ اسے دقت نہ ہو ضروری ہے۔ علامہ شامی نے نفقہ کے ذیل میں آنے والی ان تمام چیزوں کو اس طرح بیان فرمایا ہے۔ "والحاصل ان المراۃ لیس علیھا الا تسلیم نفسھا فی بیتہ وعلیہ لھا جمیع مایکفیھا بحسب حالھما من اکل وشرب ولبس وفرش" (شامی:۲/۶۵۲)

حاصل یہ ہے کہ عورت پر صرف یہ بات واجب ہے کہ شوہر کے گھر میں اپنے نفس کو حوالہ کر دے، اور عورت کے لئے شوہر کے ذمہ کھانا، پینا، لباس اور رہائش سے متعلق تمام چیزیں دونوں کے حالات کی رعایت کرتے ہوئے شوہر پر واجب ہے۔

پھر فقہاء نے یہ صراحت بھی کی ہے کہ اگر عورت کے پاس اپنے کپڑے اور بستر ہوں جب بھی اس کیلئے ان کا استعمال واجب نہیں اور نہ شوہر اس بہانہ اپنے فرائض سے سبکدوش ہوسکتا ہے۔ (حوالہ بالا)

رہائش

نفقہ میں رہائش کا انتظام بھی شامل ہے، اس کو فقہاء "سکنی" سے تعبیر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے بیوی کے لئے رہائش کے انتظام کو واجب قرار دیا ہے ارشاد فرمایا: "اسکنوھن من حیث سکنتم من وجدکم" (الطلاق:۶) رہائش گاہ کے سلسلہ میں حسب ذیل احکام ہیں۔

(۱)...... یہ ضروری نہیں کہ رہائشی مکان مملوکہ ہی ہو، کرایہ یا عاریت کا مکان ہو، یہ بھی کافی ہے "سواء کان ملکا لہ او اجارۃ او عاریۃ"۔ (شامی:۲/۶۶۲)

(۲)...... معیار کے اعتبار سے زن وشوہر دونوں کی رعایت ہو، "بقدر حالھما"

(۳)...... بیوی کو ایسا گھر فراہم کیا جائے جس میں اس کی خواہش کے بغیر اس کو دوسروں کے ساتھ رہنے پر مجبور نہ ہونا پڑے اس سلسلہ میں فقہاء نے خاصی تفصیلات ذکر کی ہیں اور ان میں کسی قدر اختلاف رائے بھی محسوس ہوتا ہے، جس کا حاصل یہ ہے۔

(الف)...... ایک صورت یہ ہے کہ مکان ایک ہی کمرہ کا ہو، اور اس میں زوجین کے ساتھ کوئی اور مرد

یا خاتون مقیم ہو یا ایسا بچہ جو جنسی تعلق کا شعور رکھتا ہو، بالاتفاق ایسا مکان سکنی کیلئے ناکافی ہے۔

(ب)......ایسا مکان کہ جس کے احاطہ میں کوئی اور شخص مقیم نہ ہو اور عورت کو وہاں رہنے میں خوف دامن گیر نہ ہو، یہ صورت بالاتفاق کافی ہے۔

(ج)......مکان کا ایک احاطہ ہو اس میں کئی علاحدہ کمرے ہوں ہر کمرہ مستقل طور پر مقفل کیا جا سکتا ہو، بیت الخلاء اور باورچی خانہ بھی الگ الگ ہو، دوسرے کمروں میں سوکن کے علاوہ دوسرے سسرالی رشتہ دار رہتے ہوں اور عورت کو ان سے کوئی اذیت نہ پہنچ رہی ہو، تو اس صورت میں یہ کافی ہو جائے گا، یہی راجح ہے، گو بعض فقہاء کے نزدیک اس صورت میں بھی وہ علاحدہ مکان کا مطالبہ کر سکتی ہے۔

(د)......مکان ان ہی خصوصیات کا حامل ہو، لیکن دوسرے کمرے میں سوکن مقیم ہو، تو اس صورت کے بارے میں بھی اختلاف ہے کہ شوہر بیوی کو اس میں اقامت پر مجبور کر سکتا ہے یا نہیں؟ قول راجح یہ ہے کہ مجبور نہیں کر سکتا ہے، کیونکہ سوکنوں کے درمیان اختلاف بہت شدید ہوتا ہے۔

(ہ)......ایک بڑا احاطہ ہو، متعدد کمرے ہوں اور بیت الخلاء مشترک ہو، شوہر غریب آدمی ہو، اس سے بہتر مکان لینے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہو تو اس صورت میں وہ اپنی بیوی کو اسی مکان میں رہائش پر مجبور کر سکتا ہے، یہ زیادہ صحیح قول ہے، گو اس میں بھی اختلاف ہے۔

(۴)...... یہ بھی ضروری ہے کہ مکان ایسی جگہ ہو جہاں صالحین کا پڑوس ہو، اور عورت خوف نہ محسوس کرتی ہو، اگر پڑوس میں لوگ نہ ہوں تو ضروری ہے کہ مکان محفوظ ہو، اور شوہر بیوی کے ساتھ ایسی خاتون کو بھی رکھے جس سے وہ مانوس ہو۔ (شامی: ٦٦٢/ ٢)

شوہر کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ بیوی کے ساتھ، بیوی کے رشتہ داروں اور کسی اور شوہر سے ہونے والی عورت کی اولاد کو اقامت سے منع کرے۔ البتہ بیوی کے والدین کو ہفتے میں ایک دن اور دوسرے محرم رشتہ داروں کو سال میں ایک دن آنے کا حق حاصل ہوگا، شوہر اس سے اس کو نہیں روک سکتا، البتہ ان کو اپنے گھر میں قیام پذیر ہونے سے روک سکتا ہے، اسی طرح بیوی کو بھی حق ہے کہ اگر والدین نہ آسکتے ہوں تو وہ ہفتہ میں ایک دن والدین سے ملاقات کے لئے جائے۔ یہ کچھ ہفتہ اور سال کی قید لازمی قید نہیں ہے،

بلکہ درحقیقت یہ ہر جگہ کے عرف پر موقوف ہے، "ینبغی ان یاذن لها فی زیارتهما فی الحین بعد الحین علی قدر متعارف" (شامی:۲/۶۶۴)

اگر بیوی کے والدین معذور ہوں اور کوئی دیکھ ریکھ کرنے والا نہ ہوتو عورت ان کی تیمار داری کرسکتی ہے، اور شوہر کو حق نہیں کہ وہ اس کو اس سے روکے۔ (ایضاً:۶۶۵/۲)

خادم کا انتظام

اگر شوہر کی معاشی حالت بہتر ہوتو بیوی کے لئے خادم کا انتظام کرنا بھی شوہر کی ذمہ داری ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اور اکثر فقہاء کے نزدیک ایک خادم کا نظم کافی ہے، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دو خادم کا نظم کرنا ہوگا ایک گھریلو کاموں کیلئے اور ایک باہر کے کاموں کیلئے۔ (ہدایہ مع الفتح:۳۸۷/۴)

مالکیہ کے نزدیک بھی دو خادم ہونا چاہئے، ہاں اگر گھر میں افراد خانہ زیادہ ہوں تو بالاتفاق ایک سے زیادہ خادم کا نظم کیا جانا چاہئے، خادم یا تو اس کا غلام ہو یا کوئی اور کام کرنے والی خاتون ہو، اگر کوئی مرد ہو لیکن اس عورت کا محرم ہوتو ظاہر ہے کہ یہ بھی کافی ہوگا۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ:۸۰۶/۷، فتح القدیر:۳۸۸/۴)

خادم کا نفقہ

اس خادم کا نفقہ بھی شوہر کے ذمہ واجب ہوگا، نفقہ سے مراد خوراک، پوشاک اور رہائش وغیرہ کا انتظام ہے، اور اس میں بھی زمانہ حال کی رعایت ضروری ہے؟ کیونکہ نفقہ بیوی کا ہو یا خادم کا مقدار کفایت مطلوب ہے، موجودہ حالت میں جو خادم اور خادمائیں اجرت پر رکھے جاتے ہیں ان کو متعینہ اجرت ادا کر دینا کافی ہوگا، اسی طرح اس دور میں بعض ایسی مشینی اشیا ایجاد ہوگئی ہیں جو جزوی اعتبار سے خادم کا کام کرتی ہیں، جیسے کپڑے دھلنے کی مشین وغیرہ تو ایسے شوہر کے لئے جو مستقل خادم کا نظم تو نہ کرسکتا ہو، لیکن اس طرح کی اشیاء ضرورت فراہم کرسکتا ہو، تو اس کی فراہمی اس پر واجب ہوگی۔

پکوان اور گھریلو کام

فقہاء کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ پکوان کرنا عورت کی ذمہ داری نہیں، اس لئے اسے اس پر مجبور نہیں کیا جاسکتا، لیکن یہ حکم قضاء ہے یعنی اگر کبھی اس مسئلہ پر زوجین میں نزاع پیدا ہوجائے اور معاملہ قاضی کے پاس جائے تو قاضی یہ ذمہ داری عورت پر لازم قرار نہیں دے گا، سوائے اس کے کہ عورت کھانا پکانے پر قدرت رکھتی ہو اور مرد اتنی صلاحیت نہیں رکھتا ہو کہ الگ سے طباخ کا انتظام کرے یا پکا ہوا کھانا مہیا کرے، لیکن دیانۃً بہر حال عورت پر کھانا پکانا اور امور خانہ داری کو انجام دینا واجب ہے، آنحضرت ﷺ نے خود حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو نکاح کے بعد تلقین فرمائی تھی کہ گھر کے کام وہ کریں اور باہر کے کام حضرت علی رضی اللہ عنہ، اسی لئے ابن ہمام نے لکھا ہے کہ "ان هذه الاعمال واجبة عليها ديانة ولا يجبرها القاضي"۔ یہ کام اس پر دیانۃً لازم ہیں قاضی اس کو مجبور نہیں کرے گا۔ (فتح القدیر: ۳۸۹/۴) جو حکم پکوان کرنے کا ہے وہی حکم کپڑے دھونے، گھر میں جھاڑو دینے اور بچے کو دودھ پلانے کا بھی ہے۔

(ایضاً: ۴۱۲/۴)

گذرے ہوئے دنوں کا نفقہ

بیوی کے نفقہ کے باب میں ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ گذرے ہوئے دنوں کا نفقہ شوہر کے ذمہ واجب الادا ہوتا ہے یا نہیں، یعنی اگر کسی شخص نے چھ ماہ یا ایک سال کا نفقہ ادا نہ کیا ہو اور عورت گذرے ہوئے دنوں کے نفقہ کی طالب ہو، تو اس مدت کا نفقہ ادا کرنا واجب ہوگا یا نہیں؟ حنفیہ کے نزدیک گذرے ہوئے دنوں کا نفقہ تین ہی صورتوں میں واجب ہوتا ہے، یا تو ان دنوں میں عورت نے قاضی کی اجازت سے قرض لے کر اپنی ضروریات پوری کی ہوں، یا قاضی نے اس مدت سے پہلے اپنے فیصلہ کے ذریعہ نفقہ متعین کر دیا ہو، اس کے باوجود شوہر نے نفقہ ادا نہیں کیا، یا زوجین کے درمیان ماہانہ نفقہ کی مقدار متعین ہوگئی اور اس پر باہم صلح ہوگئی، پھر اس کے باوجود شوہر نے نفقہ ادا نہیں کیا ان ہی تین صورتوں میں گذرے ہوئے دنوں کا نفقہ شوہر پر واجب ہوتا ہے اگر ان تینوں صورتوں میں سے کوئی صورت نہ پائی

جائے تو گذرے ہوئے دنوں کا نفقہ واجب نہیں ہوتا، پھر ان میں سے پہلی صورت قرض لینے کی ہے اس میں تو یہ شوہر یا بیوی کی موت یا طلاق کے باوجود نفقہ واجب الادا رہتا ہے، لیکن قاضی کے فیصلے اور باہمی صلح کی وجہ سے عائد ہونے والا نفقہ زوجین میں سے ایک کی موت یا طلاق گو طلاق رجعی ہو، کی وجہ سے ساقط ہو جاتا ہے۔ (شامی: ۶۵۷/ ۲)

حنفیہ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ نفقہ ایک طرح کا تبرع اور صلہ رحمی ہے نہ کی عوض؛ اس لئے ان خصوصی حالتوں کے سوا گذرے ہوئے دنوں کا نفقہ واجب نہیں ہوگا۔ (ہدایہ مع القدیر: ۳۹۳/ ۴)

دوسرے فقہاء مالکیہ شوافع اور حنابلہ وغیرہ کے نزدیک گذرے ہوئے دنوں کا نفقہ بھی واجب ہوتا ہے، اور شوہر اس سے اسی وقت بری الذمہ ہوسکتا ہے، جب ادا کردے یا بیوی ان دنوں کا نفقہ معاف کردے۔ (المغنی: ۱۶۶/ ۸)

ان حضرات کا نفقہ نظر یہ ہے کہ نفقہ عورت کے شوہر کے لئے محبوس رہنے کا عوض ہے لہٰذا یہ دَین واجب ہے، اور دین خواہ کوئی سا بھی ہو ان ہی دو صورتوں میں معاف ہوتا ہے، خیال ہوتا ہے کہ جمہور فقہاء کی رائے شریعت کے مزاج و مذاق اور اصول عامہ سے زیادہ قریب ہے، اور ہندوستان کے موجودہ حالات میں سے زیادہ قابل عمل بھی۔ اللہ تعالیٰ اعلم۔

اگر پیشگی نفقہ ادا کردیا یا نفقہ کی حقدار نہیں رہی؟

اگر کسی شخص نے پیشگی بیوی کا نفقہ ادا کردیا، اس کے بعد شوہر کا انتقال ہوگیا یا طلاق واقع ہوگئی، یا کسی وجہ سے بیوی نفقہ کی مستحق باقی نہ رہی، تو جتنے زیادہ دنوں کا نفقہ اس سے وصول ہو چکا ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس سے واپس نہیں لیا جاسکتا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک زائد ایام کا نفقہ اگر اصل شکل میں باقی ہے تو اس کو واپس کرنا ہوگا، اور اگر اسے خرچ کرلیا ہے، تو اس کی قیمت ادا کرنی ہوگی، یہی رائے دوسرے فقہا کی بھی ہے۔ (شامی: ۶۶۰/ ۲، الفقہ الاسلامی وادلتہ: ۸۱۸/ ۷)

نفقہ کب ساقط ہو جاتا ہے؟

نفقہ واجب ہونے کے بعد دو ہی صورت میں ساقط ہوتا ہے۔ زوجین میں سے کسی ایک کی موت کی وجہ سے یا بیوی کے شوہر کو بری الذمہ کر دینے کی صورت میں، حنفیہ کے یہاں چونکہ گذرے ہوئے دنوں کا نفقہ اسی وقت واجب ہوتا ہے، جب قاضی کی جانب سے نفقہ مقرر کیا گیا ہو۔ یا زوجین نے باہمی صلح کے ذریعہ نفقہ کی ایک مقدار طے کرلی ہو، یا عورت نے قاضی کی اجازت سے نفقہ کی تکمیل کیلئے قرض حاصل کیا ہو، اس لئے ان ہی صورتوں میں عورت کے گذرے ہوئے دنوں کے نفقہ سے بری الذمہ کرنے کا اثر پڑے گا، دوسرے فقہا کے نزدیک چونکہ یہ بھی عام دنوں کی طرح ہے اسی لئے گو قاضی وغیرہ کا فیصلہ نہ پایا جائے پھر بھی گذشتہ مدت کا نفقہ معاف کرنا مؤثر ہوگا۔

اگر قبل از وقت بیوی نفقہ معاف کردے

البتہ اگر مستقبل کا نفقہ عورت معاف کر دے تو بالاتفاق اس کا اعتبار نہیں اور آئندہ عورت دوبارہ نفقہ کی طلب گار ہوسکتی ہے، اسلئے کہ ابھی تو یہ نفقہ واجب ہی نہیں ہوا ہے، اور جو چیز واجب ہی نہیں ہوئی اس پر معافی کا ترتب کیسے ہوسکتا ہے؟ البتہ دو صورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں اول یہ کہ خلع یا طلاق کے عوض عورت نفقہ عدت معاف کر دے، دوسرے ایسی مدت کا نفقہ معاف کرے، جو عملاً شروع ہو چکی ہے، جیسے مہینہ شروع ہو چکا ہے، اور اس مہینہ کا نفقہ معاف کر دے۔ (بدائع:۲۹/۴)

نفقہ میں کس کا معیار معتبر ہے؟

نفقہ میں صرف شوہر کے معیار کی رعایت ہوگی یا شوہر و بیوی دونوں کی؟ اس میں اختلاف ہے، یعنی اگر بیوی خوش حال ہو اور اس کے گھر کا معیار زندگی اونچا ہو اور شوہر کی حالت اس سے مختلف ہو تو کس کا معیار معتبر ہوگا؟ اگر دونوں کے معیار زندگی میں یکسانیت ہو، دونوں خوش حال یا دونوں تنگدست ہوں تو ظاہر ہے کہ اسی معیار کے مطابق نفقہ واجب ہوگا، لیکن اگر دونوں کے معیار زندگی میں فرق ہو تو کس کا

اعتبار ہوگا؟ فقہاء حنفیہ میں خصاف (کہتے ہیں کہ دونوں کی رعایت رکھی جائے گی، مثلاً بیوی کسی ایسے گھر سے تعلق رکھتی ہو جس کا معیار زندگی اونچا ہے اور شوہر ایسے گھر سے تعلق رکھتا ہو جس کے یہاں معیار اس سے کمتر ہو، تو ان دونوں کے درمیانی معیار کا نفقہ مرد کو ادا کرنا ہوگا، صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے، امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایسی صورت میں شوہر کی معاشی حالت معتبر ہوگی، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: کہ اہل گنجائش اپنی گنجائش کے اعتبار سے نفقہ ادا کریں "لينفق ذو سعة من سعته" ہر وسعت رکھنے والا اپنی وسعت کے مطابق نفقہ دے۔ (الطلاق: ۷) اور علامہ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ یہی ظاہر روایت ہے، تحفۃ الفقہاء میں اسی کو قول صحیح قرار دیا گیا ہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے اس کی صراحت مروی ہے، اور بہت سے مشائخ حنفیہ اسی کے قائل ہیں، یہی قول دوسرے فقہا کا بھی ہے، اور غالباً یہ رائے قرآن وحدیث کی نصوص سے قریب تر ہے۔ (شامی: ۵/۶۴۵/۲) واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

اولاد کا نفقہ

شوہر پر بیوی کا نفقہ تو بطور معاوضہ کے واجب ہوتا ہے، بیوی اپنے آپ کو شوہر کے لئے محبوس رکھتی ہے اور شوہر اس کے بدلہ میں نفقہ ادا کرتا ہے، نفقہ کے واجب ہونے کا دوسرا سبب قرابت و رشتہ داری ہے، پھر قرابت کی بھی مختلف صورتیں ہیں، ان میں سب سے اہم قرابت ولاد ہے، قرابت ولاد سے مراد اولاد اور والدین ہیں، کیونکہ اولاد اور والدین کی حیثیت ایک دوسرے کے لئے ان کے وجود کے ایک حصہ کی ہے۔

(بدائع: ۴/۳۱)

فی الجملہ اولاد کا نفقہ باپ پر واجب ہونے کے سلسلہ میں فقہا امت کا اجماع واتفاق ہے۔

(المغنی: ۸/۱۶۹)

یہ خود قرآن کریم سے ثابت ہے۔ اسی لئے بچے کے دودھ پینے کی اجرت باپ پر واجب قرار دی گئی ہے۔ (الطلاق: ۶) بلکہ ان عورتوں کی کفالت بھی باپ کے ذمہ رکھی گئی ہے جو اس کے بچے کی پرورش کرنے میں مشغول ہوں اور ان کو دودھ پلاتی ہوں۔ (البقرہ: ۲۳۳) یہ حدیث سے بھی ثابت ہے، حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اخراجات کی ادائیگی میں کسی قدر تنگی سے کام لیا کرتے تھے، ان کی بیوی حضرت

ہندہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت ﷺ سے اس تنگی کی شکایت کی، اور دریافت کیا کہ کیا میں شوہر کی اجازت کے بغیر ان کے مال میں سے خرچ کر سکتی ہوں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اتنی مقدار میں لے سکتی ہو جو تمہارے اور تمہارے بچے کے لئے کفالت کر جائے۔ "خذی مایکفیك وولدك بالمعروف"۔

(بخاری شریف، باب اذا لم ینفق الرجل الخ، الحدیث: نمبر ۵۳۶۴)

کن صورتوں میں اولاد کا نفقہ واجب ہوگا اور کب واجب نہیں ہوگا۔ علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے اسکو بہتر تجزیہ کے ساتھ بیان فرمایا ہے خلاصہ یہ ہے کہ بحیثیت مجموعی چار حالتیں ہو سکتی ہیں۔

(۱)...... باپ مالدار ہو، بچے نابالغ ہوں اگر بچے خود اتنی جائداد کے مالک نہ ہوں، جس سے ان کی کفالت ہو سکے تو لڑکوں کے کمانے کے لائق ہونے تک اور لڑکیوں کی شادی تک باپ پر نفقہ کی ذمہ داری ہوگی، اور باپ کو تنہا کفالت کی ذمہ داری اٹھانی پڑے گی اور اگر بچے خود صاحب استطاعت ہوں اور مال ان کے پاس موجود ہو تو باپ ان ہی کا مال ان پر خرچ کر سکتا ہے، اور اگر مال ان کی دسترس میں نہ ہو اور قاضی کی اجازت سے باپ خرچ کرے یا اس نیت سے خرچ کرے کہ یہ پیسے بچے کی جائداد سے وصول کرنے ہیں اور اس نیت پر گواہ بھی بنالے تو بعد کو جب بچے کا مال حاصل ہو جائے وہ اس میں سے پیسہ وصول کر سکتا ہے، اور اگر قاضی کا فیصلہ بھی نہ ہو اور بعد میں وصول کرنے کی نیت سے گواہ بھی بنایا ہو تو قانوناً وہ اپنے پیسے واپس نہیں لے سکتا۔ اور دیانۃً اگر پہلے ہی سے واپس لینے کی نیت رہی ہو تو لے سکتا ہے۔

لڑکیاں بھی اگر سلائی وغیرہ کے ذریعہ اپنی ضرورت کے بقدر پیسے حاصل کرلیں تو باپ پر ان کا نفقہ واجب نہ ہوگا۔ (شامی کراچی: ۶۱۲ / ۳)

(۲)...... دوسری صورت یہ ہے کہ باپ مالدار ہو اور اولاد بالغ ہوں تو اگر بچے خود کفالت کے لائق اور صاحب معاش ہوں تو ان کی کفالت باپ کے ذمہ نہ ہوگی، اگر بچے محتاج ہوں تو:

(الف) نکاح تک لڑکیوں کا نفقہ باپ کے ذمہ ہوگا، اسی طرح شادی شدہ لڑکیاں مطلقہ یا بیوہ ہو جائیں تب بھی باپ ان کے نفقہ کا ذمہ دار ہوگا۔

(ب) لڑکے مفلوج، نابینا، فاتر العقل یا معذور ہونے کی وجہ سے معاش کی صلاحیت نہیں رکھتے

ہوں یا ابھی حصول تعلیم میں مشغول ہوں تو ان کا نفقہ بھی باپ کے ذمہ ہوگا۔

(۳)...... تیسری صورت یہ ہے کہ باپ خود مختار اور نفقہ ادا کرنے کی پوزیشن میں نہ ہو، بچے نابالغ ہوں لیکن مالدار یا نابالغ ہوں اور مالدار یا خود کسب معاش کے لائق، ان صورتوں میں باپ پر نفقہ کی ذمہ داری نہیں ہوگی۔

(۴)...... چوتھی صورت یہ ہے کہ باپ محتاج ہو، بچے بھی نابالغ ومحتاج ہوں یا بالغ ہوں لیکن کسب معاش نہیں کرسکتے، تو باپ کو کسب معاش کرنا چاہئے اور نہ کرے تو اسے اس پر مجبور کیا جائے گا اور اس پر مجبور کرنے کے لئے اسے قید کی سزا بھی دی جاسکتی ہے۔ پھر اگر باپ کفالت نہ کرسکتا ہو اور دادا یا ماموں یا چچا اس کی کفالت کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں تو اس پر ان لوگوں کی کفالت واجب ہوگی اور وہ اس پر مجبور کئے جائیں گے، البتہ جب اس کے والد کے حالات بہتر ہوجائیں تو ان قرابت داروں کو حق ہوگا کہ وہ اپنے کئے ہوئے اخراجات ان سے وصول کرلیں، دادا اور ماں دونوں خوش معاش ہوں، تو دونوں کو حصہ میراث کی نسبت سے نفقہ بھی ادا کرنا ہوگا، یہ ظاہر مذہب ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ایک قول کے مطابق تنہا دادا پر نفقہ کی ذمہ داری ہوگی، کیونکہ دادا باپ کے درجہ میں ہے۔

اگر کفالت کی کوئی صورت نہ ہو؟

اگر باپ غریب ہو، نفقہ ادا کرنے سے عاجز ہو اور کفالت کی کوئی اور راہ نہ ہو تو آخری درجہ میں بعض حضرات کی رائے ہے کہ نفقہ کی ذمہ داری بیت المال پر ہوگی، اور امام خصاف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایسی صورت میں لوگوں سے سوال کرنے اور اس طرح بچوں کی ضروریات پوری کرنے کی تدبیر اختیار کی جائے گی۔ (فتح القدیر: ۴۱۰/۱، شامی: ۶۷۱/۲)

اولاد کی اولاد کا نفقہ

نفقہ کے سلسلہ میں جو حکم اولاد کا ہے وہی حکم دوسری فروع یعنی سلسلہ اولاد کا بھی ہے، کہ اگر باپ نفقہ ادا کرنے پر قادر نہ ہو اور کسب معاش سے بھی عاجز ہو اور دادا نفقہ ادا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، تو دادا

کونفقہ ادا کرنا ہوگا، اسی طرح دادی اور نانی، ماں کے نہ ہونے کے وقت ماں کے درجہ میں ہوں گی، جیسے باپ کو بلاشرکت غیر اولاد کا نفقہ ادا کرنا ہے اسی طرح مذکورہ صورت میں دادا کو بھی بلاشرکت غیر پوتے، پوتی کا نفقہ ادا کرنا ہوگا۔ (بدائع: ۴/۳۲)

بچہ کو دودھ پلانے کی ذمہ داری

اسی سے بچہ کے دودھ کا مسئلہ بھی متعلق ہے، اگر کوئی حقیقی عذر نہ ہو تو بچہ کو دودھ پلانا ماں کا اخلاقی اور شرعی فریضہ ہے، اسی طرح اگر بچہ کسی اور کا دودھ نہیں پکڑتا ہو اور اس کے لئے دودھ کا کوئی معقول اور مناسب متبادل فراہم نہ ہوسکے تو ایسی صورت میں دودھ پلانا ماں پر قانونی فریضہ بھی ہے، البتہ اگر بچہ کے لئے ماں کے دودھ کا مناسب متبادل انتظام موجود ہو، مرد اس پر قادر ہو اور عورت نہیں پلانا چاہتی ہو تو شوہر قانوناً بیوی کو دودھ پلانے پر مجبور نہیں کرسکتا، کیونکہ دودھ بچے کے لئے نفقہ کے درجہ میں ہے اور بچہ کا نفقہ باپ پر ہے نہ کہ ماں پر، اگر ماں اس مرد کے نکاح میں رہتے ہوئے یا اس شخص نے طلاق دیدی اور عورت عدت کی حالت میں ہو اور وہ چاہتی ہو کہ دودھ پلا کر اس شخص سے دودھ پلانے کی اجرت وصول کریں تو یہ درست نہیں، اگر مرد نے اس کو قبول کرلیا ہو تب بھی اجرت کی ادائیگی اس پر واجب نہیں ہوگی، کیونکہ گو قانوناً اس پر دودھ پلانا واجب نہیں لیکن یہ اس کے اخلاقی فرائض میں داخل ہے۔

(ہدایہ مع الفتح: ۴/۴۱۲)

بیٹے کا نکاح

جیسے بیٹے کا نفقہ باپ پر واجب ہے، اسی طرح جب اولاد بالغ ہوجائے اور نکاح کی حاجت محسوس کرے تو اس کا نکاح کردینا بھی باپ کی اخلاقی ذمہ داری ہے، کیونکہ یہ بھی من جملہ ضروریات کے ہے، اور اس سے عفت و پاکدامنی متعلق ہے۔ حضرت رسول اللہ ﷺ نے باپ پر بچوں کے جو حقوق رکھے ہیں من جملہ ان کے ایک یہ بھی ہے کہ اس کے لئے مناسب رشتہ کا انتخاب کرکے نکاح کردے، نیز اللہ تعالیٰ ارشاد ہے کہ اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ: "قوا انفسکم واھلیکم

نارا» (التحریم:٦) میں بھی اس طرف اشارہ موجود ہے، البتہ حنفیہ اور شوافع وغیرہ کے نزدیک بیٹے کا نکاح باپ کی قانونی ذمہ داری نہیں، اور حنابلہ کے نزدیک یہ قانوناً بھی باپ پر واجب ہے۔

(المغنی:۱۷۲/۸، شرح المہذب:۳۱۰/۱۸)

تاہم اگر باپ نے، اپنے نابالغ بچے کا نکاح کردیا اور بچہ محتاج ہو یا نابالغ لیکن معذور ہو، تو باپ پر اس کی بہو کا نفقہ واجب ہوگا، اسی طرح اگر بیٹا غائب ہو اور بیوی کا نفقہ چھوڑ کر نہ گیا ہو، جب بھی باپ پر اس بہو کا نفقہ واجب ہے، اور قانوناً وہ اس پر مجبور کیا جائیگا۔(درمختار:۶۷۴/۲)

نفقہ میں والدین کو ترجیح ہے یا اولاد کو؟

اگر کسی شخص کے والدین بھی ہوں اور بچے بھی، اور وہ ان دونوں میں سے کسی ایک ہی کا نفقہ ادا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو تو اول تو یہ کوشش ہونی چاہئے کہ جہاں تک ممکن ہو دونوں کی پرورش کی جائے، لیکن اگر ایسا ممکن ہی نہ ہو تو جو بچے کسب معاش کے لائق نہیں وہ مقدم ہیں۔(ایضاً)

والدین کا نفقہ

قرابت کی وجہ سے جن لوگوں کا نفقہ واجب ہوتا ہے، ان میں والدین کا نفقہ واجب ہونے پر بھی فی الجملہ فقہاء کا اجماع و اتفاق ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم فرمایا ہے: "وبالوالدين احسانا" (الاسراء:۲۳) اور والدین کی کفالت حسن سلوک میں داخل ہے، اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے پاکیزہ کھانا وہ ہے جو آدمی کی اپنی کمائی کا ہو اور تمہاری اولاد بھی تمہاری کمائی ہے۔ "ان اطيب ما اكل الرجل من كسبه وان ولده من كسبه" (ابوداؤد، کتاب البیوع، حدیث نمبر:۳۵۲۸)

والدین کا نفقہ اس وقت واجب ہوتا ہے جب ان میں خود اپنی ضروریات مکمل کرنے کی صلاحیت نہ ہو، باپ اگر محتاج ہو اور کسب معاش کی صلاحیت رکھتا ہو، لیکن نہ کماتا ہو، جب بھی اس کا نفقہ بیٹے کے ذمہ واجب ہے، وہ اپنے باپ کو کمانے پر مجبور نہیں کرسکتا، یہ حنفیہ کی رائے ہے، حنابلہ وغیرہ کے

نزدیک بشمول والدین اقارب کا نفقہ اسی وقت واجب ہوتا ہے کہ وہ کمانے کی صلاحیت بھی نہ رکھتا ہو۔
(المغنی:۸/۱۶۹)

والدین کا نفقہ جس میں کھانا، پینا، رہائش سبھی شامل ہیں، بقدر کفالت واجب ہوتا ہے، اگر کسی شخص کے ماں باپ دونوں ہوں اور اس کی معاشی پوزیشن اچھی نہ ہو تو اول تو تنگی کے ساتھ سہی اسی میں دونوں کی کفالت کرنی چاہئے، لیکن اگر ایسا ممکن نہ ہو، تو نفقہ کے اعتبار سے ماں کا حق مقدم ہے، کیونکہ بظاہر ماں کے لئے کسب معاش دشوار ہے۔ (درمختار:۲/۶۷۳)

اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا کہ ہمارے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ آنحضرت ﷺ نے اس کے جواب میں تین دفعہ ماں کا اور چوتھی دفعہ باپ کا نام لیا۔ (ترمذی شریف، حدیث:۱۸۹۷)

لیکن اگر باپ کسب معاش سے معذور ہو اور ماں کسب معاش کی صلاحیت رکھتی ہو تو باپ کا حق مقدم ہوگا، کیونکہ باپ ہی نے بچپن میں اس کی کفالت کا فریضہ سرانجام دیا ہے، اسی لئے بعض فقہاء نے تو مطلقاً باپ کو ماں پر مقدم رکھا ہے، "قال بعضهم الاب احق"۔ (شامی:۲/۶۷۳)

باپ کا نکاح

اگر باپ نکاح کی حاجت رکھتا ہو اور خود اس موقف میں نہ ہو تو اس کا نکاح کرنا بھی اولاد کی ذمہ داری ہوگی؟ شوافع اور حنابلہ کے نزدیک بیٹے پر باپ کی شادی کا انتظام واجب ہوگا اور اس کے مہر کی ذمہ داری بھی اس کے بیٹے پر ہوگی۔ (شرح مہذب:۱۸/۳۱۰، المغنی:۸/۱۷۲)

حنفیہ کے یہاں دو قول ہیں ایک واجب ہونے کا دوسرا واجب نہ ہونے کا۔ (شامی:۲/۶۷۳)

اسی طرح علامہ ابن قدامہ نے ماں کے نکاح کے بارے میں بھی لکھا ہے کہ وہ بھی اولاد کے ذمہ ہوگا۔ (المغنی:۸/۱۷۲)

سوتیلی ماں کا نفقہ

اسی سے ایک دوسرا مسئلہ باپ کی بیوی یعنی سوتیلی ماں کے نفقہ کا متعلق ہے، اگر باپ میں نفقہ ادا کرنے کی صلاحیت نہ ہو تو مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کے نزدیک بیٹے پر اس کا نفقہ بھی واجب ہوگا، کیونکہ یہ بھی باپ کی ضروریات میں داخل ہے۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ: ۷/۷۷۷)

حنفیہ کا بھی ایک قول یہی ہے جس کو علامہ حصکفی نے ترجیح دی ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ اگر باپ مریض یا معذور ہونے کی وجہ سے محتاج خدمت ہو تب اس کی بیوی کا نفقہ بیٹے کے ذمہ ہے۔

(فتح القدیر: ۴/۴۱۸)

کیونکہ وہ گویا باپ کی خادمہ ہے، بہر حال جمہور کا مسلک قرآن وحدیث کے مزاج سے قریب تر ہے، کیونکہ والدین کے ساتھ حسن سلوک اور معروف رویہ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ حسن سلوک نہیں ہوسکتا کہ اس کی بیوی کو نفقہ سے محروم رکھا جائے، بلکہ فقہاء نے ان جزئیات سے اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے، کہ اگر والدین اپنی طبعی ضرورت اور خدمت کے لئے نکاح کے ضرورت مند ہوں، تو اولاد کو اس کی رعایت کرنی چاہئے۔

خادم کا نظم

جہاں والدین کی خوراک و پوشاک وغیرہ کی ضروریات کا پورا کرنا واجب ہے، وہیں اگر وہ خادم کے محتاج ہوں تو خادم کا نظم کرنا اور اس کے اخراجات کو برداشت کرنا بھی اولاد کے فرائض میں داخل ہے۔ (شامی: ۲/۶۷۳)

دادا، نانا وغیرہ کا نفقہ

نفقہ کے ان احکام میں جو والدین سے متعلق ہیں دادا، دادی، اور نانا، نانی بھی شامل ہیں، اگر وہ محتاج ہوں تو پوتے، پوتیاں اور نواسے، نواسیاں، ان کا نفقہ ادا کریں گے۔ (ہدایہ مع الفتح: ۴/۴۱۵)

تنہا اولاد......نفقہ کی ذمہ دار

والدین وغیرہ کا نفقہ ادا کرنے میں اولاد کے ساتھ کوئی اور شریک نہیں ہوگا، یعنی اولاد کو تنہا اپنے مال سے باپ کی کفالت کرنی ہوگی، والدین اور دادا، دادی وغیرہ کا نفقہ لڑکوں اور لڑکیوں دونوں پر واجب ہوتا ہے، اگر تنہا ایک لڑکا یا ایک لڑکی ہو تو پورا نفقہ اسی کے ذمہ ہوگا، اگر ایک سے زیادہ ہوں تو سب پر تقسیم ہو جائیگا، سب مل کر ادا کریں گے، پھر اس میں لڑکوں اور لڑکیوں کی ذمہ داری قول صحیح کے مطابق مساوی ہوگی، شوافع، حنابلہ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ایک قول (جو حسن بن زیاد سے منقول ہے) کے مطابق حصہ میراث کے تناسب سے لڑکوں کی ذمہ داری بمقابلہ لڑکیوں کے دوگنا ہوگی۔ (فتح القدیر: ۴۱۸/۴)

دوسرے رشتہ داروں کا نفقہ

اقرباء میں بیٹے، پوتے، نواسے اور نواسیوں کا ذیلی سلسلہ "فروع" کہلاتا ہے، باپ، ماں دادا، دادی، نانا، نانی اور ان کا آبائی سلسلہ "اصول" کہلاتا ہے، جن کے استحقاق نفقہ کی تفصیلات اوپر ذکر کی گئیں، کیا ان کے علاوہ دوسرے رشتہ داروں کا نفقہ بھی واجب ہوگا؟ اس سلسلہ میں اختلاف ہے، حنفیہ کے نزدیک ہر ذی رحم محرم رشتہ دار کا نفقہ واجب ہوتا ہے، بشرطیکہ وہ محتاج ہو، نابالغی، نابینائی، مرض یا عورت ہونے کی وجہ سے کسب معاش کرنے سے عاجز مسلمان ہو اور جس کے ذمہ نفقہ واجب قرار دیا جائے، وہ صاحب گنجائش ہو، صاحب گنجائش ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نصاب زکوۃ کا مالک ہو یعنی کسی بھی نوعیت کا اتنا مال ہو جو نصاب زکوۃ کی قیمت کو پہنچ جائے، یہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور اسی پر فتوی ہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اپنی اور اپنے اہل وعیال کی ایک ماہ کی ضروریات سے زیادہ مال اس کے پاس موجود ہو، اور جو روز کماتا روز کھاتا ہو، تو اس کے حق میں صاحب وسعت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہر دن نفقہ ادا کرنے کے بعد اس کے پاس بچ رہتا ہو۔ علامہ ابن الہمام کی رائے ہے کہ جو لوگ کسب معاش میں مشغول نہ ہوں ان کے حق میں تو خوش معاش ہونے یعنی فقہ کی اصطلاح میں "یسار" کا معیار مالک نصاب ہونا ہے، اور جو لوگ کسب معاش پر انحصار کرتے ہوں ان کے لئے وہ قول مناسب ہے جو امام

محمد رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔(فتح القدیر:۴۱۹،۲۳/۴)

ذی رحم محرم کے نفقہ کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ یہ میراث کے تناسب سے واجب ہوگا، یعنی جو رشتہ دار، اس محتاج شخص کی موت کی صورت میں اس سے جتنی میراث پاسکتے ہیں، اسی تناسب سے وہ نفقہ بھی ادا کریں، مثلاً اگر ایک شخص کی ایک حقیقی، ایک باپ شریک اور ایک ماں شریک بہن ہوں، تو حقیقی بہن پر تین خمس اور باپ شریک اور ماں شریک بہن پر ایک ایک خمس واجب ہوگا۔(شامی:۶۸۲/۲)

متفرق اہم احکام

نفقہ سے متعلق جو احکام ذکر کئے گئے ہیں، اس سلسلے میں کچھ ضروری اصول اس طرح ہیں:

(۱)...... بیوی کے علاوہ دوسرے اقرباء کا نفقہ اسی وقت واجب ہوتا ہے جب کہ وہ محتاج و ضرورت مند ہوں۔(بدائع:۳۵/۴)

(۲)...... بیوی اور والدین و اجداد کے سواء دوسرے اقرباء کا نفقہ اسی صورت میں واجب ہوگا، جب وہ خود کمانے پر قادر نہ ہوں اگر خود کمانے کی قدرت رکھتے ہوں تو ان کا نفقہ کسی اور پر عائد نہیں ہوگا۔ (ایضاً)

(۳)...... بیوی، والدین اور والدین کے رشتہ سے واجب ہونے والے نفقہ کے علاوہ دوسرے اقرباء کا نفقہ اسی وقت واجب ہوگا جب کہ اس سلسلے میں قاضی کا فیصلہ موجود ہو۔(ایضاً)

(۴)...... بیوی، اولاد اور والدین کے سوا دوسرے لوگوں کا نفقہ اسی وقت واجب ہوگا جب کہ وہ فقہ کی اصطلاح میں دولت مند (موسر) ہوں گو وہ کمانے پر قادر ہو، لیکن صاحب ثروت نہ ہو تو اس پر ان لوگوں کے سواء دوسروں کا نفقہ واجب نہ ہوگا۔

(۵)...... جیسا کہ ذکر کیا گیا خوشحالی سے مراد یہ ہے کہ کوئی بھی مال اس کے پاس نصاب کے بقدر ہو، جو کسی شخص پر زکوۃ حرام ہونے اور صدقۃ الفطر واجب ہونے کا نصاب ہے، یہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، اور بعض مشائخ نے اسی کو ترجیح دی ہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جس کے پاس اپنے ماں، باپ، بال، بچوں کے ایک ماہ کے نفقہ کے علاوہ مال

موجود ہو وہ خوشحال ہے۔اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ ہی کے قول کی طرف علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان ہے۔

(۶)...... بیوی، والدین اور اولاد یعنی زوجہ اصول و فروع کو چھوڑ کر دوسرے رشتہ داروں کا نفقہ اسی وقت واجب ہوتا ہے، جب کہ دونوں ہم مذہب ہوں، اسی لئے اگر کسی کا بھائی غیر مسلم ہو تو اس کا نفقہ اس پر واجب نہیں، یہ بھی ضروری ہے کہ دونوں ایک ہی ملک کے شہری ہوں، اگر ایک دارالاسلام کا ہو اور دوسرا دارالحرب کا، تو ایک کا نفقہ دوسرے پر واجب نہیں ہوگا، گو اس کا بھائی دارالحرب سے سفر کر کے وقتی طور پر دارالاسلام آگیا ہو۔(فتح القدیر:۴۲۲/۴)

(۷)...... بیوی کا گذرے ہوئے دنوں کا نفقہ قاضی کے فیصلہ کی وجہ سے واجب ہوتا ہے، مثلاً قاضی نے نفقہ کا فیصلہ کر دیا، لیکن چھ ماہ تک اس نے کا نفقہ ادا نہیں کیا تو اب اس پر یہ بات واجب نہیں رہی کہ اس گذری ہوئی مدت کا نفقہ ادا کرے، ہاں اگر قاضی کی اجازت سے وہ اپنی ضروریات کے لئے قرض لیتا رہا، تو اب اس قرض کی ادائیگی اس شخص کے ذمہ ہوگی۔(بدائع:۳۷/۴)

(۸)......اگر کوئی شخص غائب ہو اور اس کا مال موجود ہو تو قاضی اس مال میں سے بیوی، نابالغ اولاد اور والدین کا نفقہ دلائیگا، اور یہ ظاہر ہے کہ غیر شادی شدہ لڑکیاں بھی بشرطیکہ محتاج ہوں نابالغ بچوں ہی کے حکم میں ہیں۔

والدین وغیرہ نفقہ کے لئے اس کا منقولہ سامان قاضی کے فیصلہ سے فروخت کر سکتے ہیں، غیر منقولہ جائداد فروخت نہیں کر سکتے۔(فتح القدیر:۴۲۳/۴)

غلام کا نفقہ

جن لوگوں کا نفقہ کسی شخص سے متعلق ہوتا ہے ان میں ایک غلام بھی ہے، خواہ وہ غلام کا مکمل مالک ہو، یا صرف اس سے خدمت لینے کا مجاز ہو، اگر غلام کے نفقہ میں تنگی کی جائے تو قاضی اسے نفقہ ادا کرنے پر مجبور کرے گا، پھر بھی یہ عمل آوری نہ ہو، تو قاضی غلام کو حکم دے گا، کہ وہ خود اپنے آپ کو کمانے میں مشغول کرے اور اپنی ضروریات پوری کرے، اگر کمانے کے لائق بھی نہ ہو، تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک

قاضی اسے فروخت کر دینے کا حکم جاری کریگا، اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک خود قاضی اس غلام کو فروخت کریگا۔ (درمختار: ۲/۶۷۸/۸۸)

جانوروں کا نفقہ

اسلام دین رحمت ہے اور جیسے اس نے انسانوں کے ساتھ ظلم و جبر کو دور کیا ہے، اسی طرح حیوانات پر بھی اپنا دامن رحمت دراز کیا ہے، آنحضرت ﷺ نے جانور کو عذاب دینے سے منع فرمایا ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "لا تعذبوا خلق الله" اللہ کی مخلوق کو عذاب مت دو۔

نیز آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ ایک خاتون محض اس لئے جہنم میں داخل کی جائیگی کہ اس نے ایک بلی کو باندھ کر رکھا ہوگا، نہ خود کھانے کا انتظام کیا ہوگا اور نہ اسے چھوڑا ہوگا، یہاں تک کہ اس کی موت واقع ہوگئی۔ (مسند احمد، حدیث: ۷۸۳)

اس لئے جانور کا نفقہ بھی انسان پر واجب ہے، اور اس کو بھوکا رکھنا گناہ ہے، البتہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ وجوب دیانۃً ہے، قاضی جانور کے مالک کو اس پر مجبور نہیں کرسکتا، دوسرے فقہا کے نزدیک قاضی مالک کو اس پر مجبور کرے گا، یا تو جانور کو چارہ دے یا اسے فروخت کردے، حنفیہ میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی رائے ہے اور اسی کو طحاوی اور ابن ہمام نے ترجیح دی ہے۔

(فتح القدیر: ۴/۳۲۸)

یہ تو اس صورت میں ہے جب کہ کوئی شخص تنہا جانور کا مالک ہو اگر اس کی ملکیت میں دو آدمی شریک ہوں ایک فریق چارہ دیتا ہو اور دوسرا فریق اپنی باری میں بھوکا رکھتا ہو، تو بالاتفاق اس دوسرے شخص کو مجبور کیا جائے گا، یا تو اسے چارہ دے یا اپنا حصہ فروخت کردے تاکہ دوسرے فریق کو نقصان نہ پہنچے۔ (فتح القدیر: ۴/۳۲۸)

جمادات کے حقوق

فقہاء نے تو "جمادات" یعنی زمین و مکانات کے نفقہ کا بھی ذکر کیا ہے یعنی زمین اور مکانات کو

باقی اور محفوظ رکھنے کے لئے جو لوازم ہوں ان کو پورا کرنا ضروری ہے، اگر اس میں غفلت برتی جائے تو کراہت ہے، کیونکہ یہ مال کو ضائع کرنا ہے، تاہم یہ حکم قانونی وجوب کے درجہ میں نہیں ہے۔ (بدائع: ۴۰/۴) یہ سب تفاصیل قاموس الفقہ سے ماخوذ ہیں۔

{الفصل الاول}

بقدر ضرورت نفقہ دینا شوہر پر واجب ہے

{۳۱۹۹} **عَنْ** عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهَا قَالَتْ اِنَّ هِنْدًا بِنْتَ عُتْبَةَ قَالَتْ يَارَسُوْلَ اللهِ اِنَّ اَبَا سُفْيَانَ رَجُلٌ شَحِيْحٌ وَلَيْسَ يُعْطِيْنِيْ مَايَكْفِيْنِيْ وَوَلَدِيْ اِلَّا مَا اَخَذْتُ مِنْهُ وَهُوَ لَايَعْلَمُ فَقَالَ خُذِيْ مَا يَكْفِيْكِ وَوَلَدَكِ بِالْمَعْرُوْفِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۸۰۸/۲، باب اذالم ینفق الرجل، کتاب النفقات، حدیث نمبر: ۵۳۶۴، مسلم شریف: ۷۵/۲، باب قضیۃ ھند، کتاب الاقضیۃ حدیث نمبر: ۱۷۱۴۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہندہ بنت عتبہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بے شک ابوسفیان رضی اللہ عنہ ایک بہت بخیل آدمی ہیں اور مجھ کو اتنا نہیں دیتے ہیں جو مجھ کو اور میری اولاد کو کافی ہو جائے، سوائے اس کے کہ میں خود اس کے مال میں سے جو لے لوں حالاں کہ وہ جان نہ پائیں، حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ تم لے لو جو تم کو اور تمہاری اولاد کو کافی ہو جائے حکم شرع کے مطابق۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: هند بنت عتبة: یہ ابوسفیان کی بیوی ہیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں، فتح مکہ کے سال ابوسفیان کے مسلمان ہونے کے بعد یہ بھی مسلمان ہوگئیں، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

نکاح باقی رکھا "رجل شحیح" ابوسفیان ان کو ضرورت کے بقدر نفقہ نہیں دیتے تھے، لہٰذا حضور اکرم ﷺ کے پاس شکایت لے کر آئیں، اور بتایا کہ میرے شوہر ابوسفیان بڑے حریص آدمی ہیں، علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ "شحیح" کے اندر حرص کے ساتھ بخل کے معنی ہیں اور یہ لفظ اس شخص کے لئے ہے جس کی فطرت میں حرص اور بخل ہو، "ليس يعطيني ما يكفيني وولدي" ہند نے ابوسفیان کی مناسب نفقہ نہ دینے کی شکایت کی، اور آنحضرت ﷺ نے اس پر فیصلہ فرمادیا، معلوم ہوا کہ قاضی اپنے علم کی بنیاد پر فیصلہ کرسکتا ہے، "الا ما اخذت منه وهو لا يعلم" ہند کو مناسب نفقہ نہیں ملتا تھا، لہٰذا وہ شوہر کو بتائے بغیر شوہر کے مال میں سے کچھ لے لیتی تھیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "خذي" تم لے لیا کرو "ما يكفيك وولدك بالمعروف" شوہر کو بتائے بغیر اس کے مال میں سے بیوی لے تو سکتی ہے، لیکن اپنی اور اپنی اولاد کی ضرورت کے بقدر لے سکتی ہے اس سے زائد لینا جائز نہیں ہے، اور اس لینے میں بھی "المعروف" کی قید لگا کر اس طرف اشارہ کردیا کہ درمیانی مقدار لے بہت زیادہ نہ لے لے، آنحضرت ﷺ نے اچھی بیوی کی یہ صفت بیان فرمائی ہے کہ "ارعاه على زوج في ذات يده" خاوند کے مال کی بخوبی نگہبانی کرنے والی ہے۔ (مرقاۃ: ۶/۴۶۷، طیبی: ۶/۴۱۸)

نفقہ کا معیار

اس پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ عورت کا نفقہ خاوند پر واجب ہے، لیکن اس مسئلہ کے اندر اختلاف ہے کتنی مقدار واجب ہے جمہور کے نزدیک قدر کفایت کا اعتبار ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے تقدیر بالامداد کی ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت علامہ جوینی نے نقل کی ہے وہ جمہور کے ساتھ ہیں، دوسرا مسئلہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ نفقہ کے اندر عورت کے عُسر و یُسر کا لحاظ کیا جائے گا۔ یہی علامہ شوکانی نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور اکثر حنفیہ سے نقل کیا ہے۔ اور حافظ نے بھی حنفیہ کا مذہب یہ نقل کیا ہے کہ عورت کا اعتبار ہے لیکن یہ ہماری فروع کے خلاف ہے، کرخی کہتے ہیں کہ زوج کے حال کا اعتبار ہے، محقق ابن ہمام کی رائے ہے کہ یہی ظاہر روایہ ہے، صاحب بدائع نے اس کی تصحیح کی ہے، حنفیہ میں سے خصاف کی رائے ہے کہ دونوں کا یعنی زوج اور زوجہ کا اعتبار ہے صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ وعلیہ الفتوی ولوالجیہ کے اندر

ہے کہ یہی صحیح ہے، جولوگ کہتے ہیں کہ زوجہ کا اعتبار ہے وہ حدیث باب سے استدلال کرتے ہیں اور جو کہتے ہیں کہ زوج کا اعتبار وہ آیت کریمہ "**ولینفق ذو سعة من سعته**" سے استدلال کرتے ہیں اور جولوگ کہتے ہیں کہ زوج اور زوجہ دونوں کا اعتبار ہے وہ آیت کریمہ اور حدیث باب دونوں کو جمع کرتے ہیں اور یہ تمام اختلاف اسوقت ہے جب کہ زوج وزوجہ میں سے ایک معسر اور ایک موسر ہو ورنہ اگر دونوں برابر ہیں تو اسی اعتبار سے نفقہ واجب ہوگا۔ (تقریر حضرت شیخ زکریا قدس سرہ)

فوائد حدیث

اس حدیث میں کئی فوائد ہیں جو درج کرتے ہیں۔

(۱)......بیوی اور چھوٹی اولاد کا خرچہ خاوند پر لازم ہے۔

(۲)......خرچہ بقدر استطاعت ہوگا۔

(۳)......فتوی کے وقت اجنبی عورت کا کلام وگفتگو سننا جائز ہے۔

(۴)......اس طرح حکم دینے کے وقت بھی اجنبی عورت کا کلام سنا جاسکتا ہے۔

(۵)......فتوی طلب کرتے وقت انکشاف حقیقت کے لئے اس طرح کا تذکرہ بھی درست ہے جو سامنے اس کو ناگوار ہو۔

(۶)......جس کا کسی پر حق ہو اور وہ اسے نہ دیتا ہو تو صاحب حق کو اس کے مال میں سے اپنے حق کی مقدار سے لینا جائز ہے خواہ اس کا اذن نہ بھی ہو۔

(۷)......عورت کو کفالت اولاد میں اولاد پر بقدر کفایت انکے باپ کے مال سے خرچ کرنیکا حق ہے۔

(۸)......بیوی کو ضرورت کیلئے اپنے گھر سے نکلنا جائز ہے جب کہ خاوند اجازت دے یا وہ عورت خاوند کی رضامندی اس سلسلہ میں جانتی ہو۔

(۹)......قاضی کو حق ہے کہ وہ اپنے علم کے مطابق حکم دے اور گواہ نہ طلب کرے۔

(۱۰)......حق میں کمی کی شکایت اس کے سامنے جائز ہے، جو اس کا ازالہ کرنے کی قدرت رکھتا ہو۔

(مظاہر حق: ۲۰۳/ ۴)

010

اولاد پرخرچ کرنے کی تاکید

{۳۲۰۰} **وَعَنْ** جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَعْطٰی اللّٰہُ اَحَدَ کُمْ خَیْراً فَلْیَبْدَأْ بِنَفْسِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱۱۹/۲، باب الناس تبع لقریش، کتاب الامارۃ، حدیث نمبر: ۱۸۲۲۔

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جب اللہ تعالیٰ تم میں سے کسی کو مال عطا کرے تو پہلے اپنی ذات پر اور اپنے اہل وعیال پر خرچ کرے۔ (مسلم)

تشریح: فَلْیَبْدَأْ بِنَفْسِہٖ: آدمی کے پاس اگر دولت ہے تو اس کو چاہئے کہ اپنے آپ پر خرچ کرے اور نعمت کے اثرات کو ظاہر کرے، اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہوتے ہیں اور بطور شکر اگر نعمت کا اظہار ہے تو نعمت میں اضافہ ہوتا ہے، حدیث قدسی ہے "انفق یا ابن آدم انفق علیك" آدم کے بیٹے خرچ کرتا رہ میں تجھے دیئے جاؤں گا، (بخاری شریف)

اہل بیتہ: دیگر رشتہ داروں سے پہلے اپنے اہل خانہ کی ضروریات پوری کرنا چاہئے، اس میں صلہ رحمی ہے اور یہی شریعت کا حکم ہے، اپنی بیوی بچوں کی ضرویات اگر حسن نیت سے پوری کی جارہی ہیں تو اس میں بڑا ثواب ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ "اذا انفق المسلم نفقة علی اهله وهو یحتسبها کانت له صدقة" بندہ مسلم اپنے بیوی بچوں پر اللہ کا حکم پورا کرنے کی نیت سے خرچ کرتا ہے تو اللہ اس کو صدقہ کا ثواب عطا فرماتے ہیں، یہی حسن نیت کا کرشمہ اور یہ ہے "الدین یسر" دین آسان ہے۔ کی مثال صحابہ کرام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا خرچ کریں؟ تو اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ "قل العفو" آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایئے کہ جو بچ رہے وہ خرچ کرو، مطلب یہ ہے کہ جو مال آدمی کے رہنے اور اہل خانہ کے اخراجات سے زائد ہو اس کو نفلی صدقہ کے طور پر خرچ کرے، اس سے بھی معلوم

ہوا کہ پہلے اپنے بال بچوں کی فکر کیجائے پھر دیگر لوگوں کی طرف متوجہ ہوا جائے۔(مرقاۃ:۶/۴۶۸)

غلام کا نفقہ مالک پر واجب ہے

{۳۲۰۱} وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِلْمَمْلُوْكِ طَعَامُهٗ وَ كِسْوَتُهٗ وَلاَ یُكَلَّفُ مِنَ الْعَمَلِ اِلَّا مَا یُطِیْقُ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۲/۵۲، باب اطعام المملوک، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۱۶۶۲۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ غلام کا حق ہے کہ اس کو کھانا اور کپڑا دیا جائے اور اس کو ایسے کام پر مجبور نہ کیا جائے جو اس کے بس سے باہر ہو۔(مسلم)

تشریح: لِلْمَمْلُوْكِ طَعَامُهٗ وَ كِسْوَتُهٗ: شہر وعلاقہ کے اعتبار سے معروف طریقہ پر غلام کو کھانا اور لباس دینا آقا پر واجب ہے، بعض روایات میں ہے کہ "فلیطعمه من طعامه ولیلبسه من لباسه" یعنی آقا جو کھائے وہی غلام کو کھلائے اور جیسا لباس پہنے ویسا ہی پہنائے، یہ حکم اگر چہ مستحب ہے لیکن اس سے غلام کے سلسلہ میں اسلامی نقطہ نظر سمجھ میں آتا ہے، اسلام نے غلاموں کے لئے ایسے اصول و ضوابط عطا کئے ہیں جن کی نظیر ملنا ممکن نہیں ہے، انہی تعلیمات کا اثر تھا کہ بے شمار غلام مسلمان ہوئے اور اسلامی تاریخ میں ان کو نمایاں مقام ملا اور انہوں نے انسانیت کی بھرپور خدمات انجام دیں، "ولا یکلف من العمل" ان کو ایسے کام کا حکم نہ کرے جو وہ کر نہ سکتے ہوں، اگر کوئی بھاری کام کا حکم کرے تو پھر اس میں اس کی مدد کرے، تا کہ وہ بھاری کام آسان ہو جائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے حدیث مرفوع میں منقول ہے غلام کے لئے مالک پر تین باتیں لازم ہیں۔

(۱)......اس کی نماز کے بارے میں جلدی نہ کرے۔

(۲)......کھانا کھاتے ہوئے اپنے کسی کام کے لئے نہ اٹھائے۔

(۳)......اوراس کو اتنا کھانا دے جس سے اس کا پیٹ اچھی طرح بھر جائے۔

(مظاہر حق: ۲۰۴/۴، مرقاۃ: ۴۶۹/۶)

غلام کے ساتھ بہتر سلوک کی تاکید

{۳۲۰۲} **وَعَنْ** اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِخْوَانُکُمْ جَعَلَھُمُ اللّٰہُ تَحْتَ اَیْدِیْکُمْ فَمَنْ جَعَلَ اللّٰہُ اَخَاہُ تَحْتَ یَدَیْہِ فَلْیُطْعِمْہُ مِمَّا یَأْکُلُ وَلْیُلْبِسْہُ مِمَّا یَلْبَسُ وَلَا یُکَلِّفْہُ مِنَ الْعَمَلِ مَایَغْلِبُہُ فَاِنْ کَلَّفَہُ مَایَغْلِبُہُ فَلْیُعِنْہُ عَلَیْہِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حواله: بخاری شریف: ۸۹۴/۲، باب ماینهی عن السباب واللعن، کتاب الادب، حدیث نمبر: ۶۰۵۰، مسلم شریف: ۵۲/۲، باب اطعام المملوک مما یاکل، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۱۶۶۲۔

حل لغات: جهلی:

ترجمه: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ وہ تمہارے بھائی ہیں جن کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمہارے ماتحت کردیا ہے، تو اللہ تعالیٰ جس کے بھائی کو اس کے ماتحت بنادیں تو اس کو چاہئے کہ ماتحت کو وہی کھلائے جو خود کھائے اور وہی پہنائے جو خود پہنے اور اس کی طاقت سے باہر جو کام ہو اس کا پابند نہ کرے، اور اگر کسی ایسے کام کا اس کو مکلف کرے جو اس کے بس سے باہر ہو، تو پھر اس کام پر اس کی مدد کرے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: اخوانکم: غلام وباندی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطیہ اور انعام ہیں لہٰذا ان کے بارے میں بے جا تصرف ممنوع ہے، اللہ تعالیٰ کی قدرت میں یہ بھی تھا کہ آقا کو غلام اور غلام کو آقا بنادیتے اور کبھی کبھی ایسا کر بھی دیتے ہیں، لہٰذا آقا کو چاہئے کہ غلام کو اپنے جیسا انسان سمجھ کر اس کے ساتھ بہتر سلوک کرے۔

فلیطعمه مما یاکل: جوخود کھائے وہ اس کو کھلائے، یہ حکم بالاتفاق مستحب ہے واجب جو ہے وہ یہ ہے کہ ہر شہر وعلاقہ کے اعتبار سے معروف طریقہ پر غلام کے کھانے اور لباس کا آقا انتظام کرے، یہاں تک کہ اگر آقا اپنے نفس پر تنگی کرتا ہے، تقوی کی وجہ سے یا بخل کی وجہ سے تو غلام پر ایسی تنگی جائز نہیں ہے، بلکہ دستور کے مطابق ہی دینا ہوگا، اگر چہ اس صورت میں غلام کا نان ونفقہ آقا سے بہتر ہی کیوں نہ ہو جائے، حافظ ابن حجر (نے لکھا ہے کہ حدیث باب میں جو حکم ہے وہ وجوب کے لئے ہے، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ خادم کا کھانا آقا کے کھانے کے ہر اعتبار سے مماثل ہو، بلکہ مراد یہ ہے کہ آقا غلام کو اپنے کھانے کی جنس سے کھلائے، معلوم ہوا کہ حدیث میں جو حکم ہے اس کا تعلق ہمدردی اور مواسات سے ہے، ہر جہت سے برابری مقصود نہیں ہے، تاہم برابری کرنا افضل ہے۔

ولا یکلفه: غلام کو اس کی طاقت سے بڑھ کر کسی کام کا حکم کرنا بالاتفاق ناجائز ہے، اگر کوئی ایسا کرے تو خود یا دوسرے کسی سے اس کی اعانت کرے۔ (التعلیق:۹۱/۴، مرقاۃ:۴۶۹/۶)

غلام کو کھانا نہ دینا گناہ ہے

{۳۲۰۳} **وَعَنْ** عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُ جَاءَهُ قَهْرَمَانٌ لَهُ فَقَالَ لَهُ اَعْطَيْتَ الرَّقِيْقَ قُوْتَهُمْ قَالَ لَا قَالَ فَانْطَلِقْ فَأَعْطِهِمْ فَإِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَفٰى بِالرَّجُلِ اِثْمًا اَنْ يَّحْبِسَ عَمَّنْ يَمْلِكُ قُوْتَهُ وَفِيْ رِوَايَةٍ كَفٰى بِالْمَرْءِ اِثْمًا اَنْ يُّضَيِّعَ مَنْ يَّقُوْتُ۔ (رواہ مسلم)

حواله: مسلم شریف: ۱/۳۲۲، باب فضل النفقة علی العیال، کتاب الزکاۃ، حدیث نمبر: ۹۹۶۔

ترجمه: حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کا خزانچی ان کے پاس آیا تو انہوں نے اس سے دریافت کیا کہ کیا تم نے غلاموں کو ان کی روزی دے دی؟ انہوں نے عرض کیا کہ نہیں، فرمایا کہ جاؤ ان کو ان کا کھانا دو، کیوں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انسان کے گنہگار ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ جس کی روزی اس کے ذمہ ہو اس کو روک دے، ایک دوسری روایت میں

ہے کہ آدمی کے گنہگار ہونے کے لئے کافی ہے کہ جس کو وہ کھانا دیتا ہے اس کے کھانے کو ضائع کردے۔ (مسلم)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جن لوگوں کے نان ونفقہ کا انتظام کرنا انسان پر لازم ہے، ان کے نفقہ کی ادائیگی میں کوتاہی کرنا بہت بڑا گناہ ہے اور انسان کی تباہی کے لئے اور اس کی نیکیاں ضائع کرنے کے لئے کافی ہے، غلام کا نفقہ بھی آقا پر لازم ہے، اس لئے اس کی ادائیگی میں غفلت ناجائز ہے، جن کے نفقات کا انتظام لازم ہے، ان کے نفقوں کے انتظام کے بعد ہی دوسرے پر صدقات کرنے کا حکم ہے۔

غلام کے ساتھ کھانے میں عار محسوس نہ کرنا چاہئے

{۳۲۰۴} **وَعَنْ** اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَنَعَ لِاَحَدِكُمْ خَادِمُهٗ طَعَامَهٗ ثُمَّ جَاءَهٗ بِهٖ وَقَدْ وَلِیَ حَرَّهٗ وَدُخَانَهٗ فَلْيُقْعِدْهُ مَعَهٗ فَلْيَاكُلْ فَاِنْ كَانَ الطَّعَامُ مَشْفُوْهًا قَلِيْلًا فَلْيَضَعْ فِیْ يَدِهٖ مِنْهُ اُكْلَةً اَوْ اُكْلَتَيْنِ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۵۲/۲، باب اطعام المملوک، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۱۶۶۳۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جب تم میں سے کسی کا خادم اس کے لئے کھانا تیار کرے، پھر وہ اس کے پاس کھانا لے کر آئے تو جس کی خاطر اس نے گرمی اور دھواں برداشت کیا ہے، اس کو چاہئے کہ اس غلام کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھائے، اور اگر کھانا تھوڑا ہے تو اس کھانے میں سے ایک دو لقمے اس کے ہاتھ پر رکھ دے۔ (مسلم)

تشریح: فَلْيُقْعِدْهُ مَعَهٗ: شریعت محمدیہ سے پہلے غلاموں کے حقوق کا کوئی تصور نہیں تھا، ان کو جانور سے بدتر سمجھا جاتا تھا، ہمارے مذہب نے غلاموں کو اس قدر اہمیت دی کہ انسانی حقوق میں آقاؤں اور غلاموں میں بہت کم فرق رہ گیا، حدیث میں آقاؤں کو تاکید کی کہ غلاموں کو اپنے ساتھ

بٹھا کر کھانا کھلاؤ، اس میں کوئی عار محسوس نہ کر، اس کا مقصد بھی یہی ہے کہ آقاؤں کے دلوں میں غلاموں کے لئے جذبہ ترحم پروان چڑھے۔

فلیاکل: یعنی اس کو اپنے ساتھ کھلانے میں عار محسوس نہ کرے، جیسا کہ متکبرین کا طریقہ ہے، کیونکہ انسانی برادری کے لحاظ سے وہ تمہارا بھائی ہے، نیز اس میں یہ بھی فائدہ ہے کہ کھانے میں برکت ہوگی اس لئے کہ دستر خوان پر جتنے لوگ زیادہ ہوں اتنی ہی کھانے میں برکت ہوتی ہے، جیسا کہ روایت میں آیا ہے، کہ افضل طعام وہ ہے جس میں ہاتھ بہت پڑیں اور خادم کو اپنے ساتھ کھلانے یا اس کو چند لقمے دینے کا حکم استحباب کے لئے ہے۔ (التعلیق: ۴/۹۲)

فائدہ: اس سے غلام خوشدلی سے کھانا تیار کرے گا۔

(۲)...... آقا کی محبت میں اضافہ ہوگا۔

(۳)...... بعض دفعہ دشمن لوگ اس طرح کے خادم کو لالچ دیکر زہر وغیرہ دلواتے ہیں۔ مگر جب خادم کو معلوم ہے کہ مجھ کو ساتھ کھلائیں گے یا مجھ کو ایک دو لقمے کھانا پڑے گا تو پھر وہ اس طرح کی حرکت سے باز رہے گا۔

فرمانبردار غلام کے لئے دوہرا اجر ہے

{۳۲۰۵} **وَعَنْ** عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا نَصَحَ لِسَیِّدِهٖ وَاَحْسَنَ عِبَادَةَ اللّٰهِ فَلَهٗ اَجْرُهٗ مَرَّتَیْنِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۳۴۶، باب العبد اذا احسن، کتاب العتق، حدیث نمبر: ۲۵۴۶، مسلم شریف: ۲/۵۲، باب ثواب العبد وا جرہ، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۱۶۶۷۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جب غلام اپنے آقا کی خیر خواہی کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی اچھی طرح عبادت بھی کرتا ہے تو

اس کو دوہرا ثواب ملتا ہے۔(بخاری ومسلم)

تشریح: جوغلام اپنے ظاہری آقا اور حقیقی آقا دونوں کے حقوق ادا کرتا ہے، تو اس کو دوہرا اجر ملتا ہے، یعنی اسکے ہر نیک عمل کا دوگنا ثواب لکھا جاتا ہے۔

ان العبد اذا نصح لسیدہ: جوشخص غلام ہے اسکے دو آقا ہیں (۱) حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ، (۲) مجازی، شخص جس کا یہ مملوک ہے، دونوں کی اطاعت اس پر شرعی طور پر لازم ہے، ظاہر بات ہے کہ اس کے لئے سخت مشکلات ہیں، خاص طور پر اس کی شفقت اس وقت بڑھ جاتی ہے، جب کہ آقائے حقیقی و آقائے مجازی دونوں کے حقوق ادا کر رہا ہے، تو ایسا شخص یقینا دوہرے اجر کا مستحق ہے، اس کے ہر نیک کام کا ڈبل اجر ہے۔

ایک ثواب تو اپنے آقا کی خدمت کا ملے گا، اور دوسرا ثواب اللہ تعالیٰ کی عبادت کا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مالک کی خیر خواہی عبادت ہے کیونکہ اس پر بھی ثواب ملتا ہے اور حقیقت میں وہ بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے کیونکہ اسی کے فرمانے سے کرتا ہے جیسا کہ ماں باپ کی فرمانبرداری۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر عمل میں دوہرا ثواب ہے۔(مرقاۃ:۶/۴۷۲)

مثالی غلام

{۳۲۰۶} **وَعَنْ** اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نِعِمَّا لِلْمَمْلُوْكِ اَنْ یَّتَوَفَّاهُ اللّٰهُ بِحُسْنِ عِبَادَةِ رَبِّهٖ وَطَاعَةِ سَیِّدِهٖ نِعِمَّا لَهٗ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۳۴۶/۲، باب العبد اذا احسن، کتاب العتق، حدیث نمبر: ۲۵۴۹، مسلم شریف: ۵۳/۲، باب ثواب العبد و حرہ، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۱۶۶۷۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا ہی اچھا ہے غلام کے لئے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس حالت میں وفات دیں کہ وہ اپنے رب کی اچھی

طرح عبادت کرتا ہو، اور اپنے آقا کی فرمانبرداری کرتا ہو؟ اس کے لئے خوش نصیبی کی بات ہے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: جس طرح غلام کیلئے آقا حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی لازم ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر دنیوی آقا کی اطاعت اور اسکی خدمت بھی لازم ہے، یعنی آقا مجازی کی اطاعت بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی اطاعت میں داخل ہے اور اس میں بڑا اجر وثواب ہے ایسے میں غلام پوری زندگی اللہ تعالیٰ کے احکامات پر چلتا رہا اور اپنے مجازی آقا کی بھی خدمت کرتا رہا تو یہ بڑا خوش نصیب غلام ہے، اس کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت اجر وثواب کا وعدہ ہے، ایک شخص کو اس کے آقا نے آزاد کر دیا، تو غلام نے عرض کیا کہ آپ نے میرے ساتھ برا کیا، اس لئے کہ میرا اجر وثواب رب العالمین کے پاس کم ہوگیا، پہلے دوہرا اجر وثواب ملتا تھا اب ایک اجر ملے گا۔ (مرقاۃ: ۶/۴۷۲)

بھگوڑے غلام کی نماز قبول نہیں

{۳۲۰۷} **وَعَنْ** جَرِيْرٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَبَقَ الْعَبْدُ لَمْ تُقْبَلْ لَهٗ صَلَاةٌ وَفِیْ رِوَايَةٍ عَنْهُ قَالَ اَيُّمَا عَبْدٍ اَبَقَ فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ الذِّمَّةُ، وَفِیْ رِوَايَةٍ عَنْهُ قَالَ اَيُّمَا عَبْدٍ اَبَقَ مِنْ مَوَالِيْهِ فَقَدْ كَفَرَ حَتّٰی يَرْجِعَ اِلَيْهِمْ۔ (رواه مسلم)

حواله: مسلم شريف: ۵۸/۲، باب تسمية العبد الآبق، كتاب الايمان، حديث نمبر: ۱۶۷۰۔

ترجمه: حضرت جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جب غلام بھاگ جاتا ہے، تو اس کی کوئی نماز قبول نہیں ہوتی، ایک دوسری روایت میں ہے حضرت جریر سے ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو غلام بھاگ گیا اس سے ذمہ ختم ہوگیا، اور ایک تیسری روایت میں انہی سے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو غلام اپنے مالکوں کے یہاں سے بھاگ گیا، کافر ہوگیا، جب تک کہ ان کے پاس واپس نہ آجائے۔ (مسلم)

تشریح: خلاصہ حدیث یہ ہے کہ غلام کا آقا کے یہاں سے بھاگنا، بہت بڑا جرم ہے، ایسا جرم کرنے والا اگر اسکو حلال سمجھ کر کر رہا ہے، تو وہ کافر ہوگیا، لہٰذا اس کی نماز اور دوسری کسی نیکی کے قبول ہونے کا کوئی سوال نہیں ہے، اور اس کے ارتداد کی وجہ سے اس کی جان ومال کے تحفظ کی ذمہ داری بھی ختم ہوگئی، لہٰذا اس کا قتل جائز ہے، اور اگر حلال سمجھ کر نہیں بھاگا ہے تو اگرچہ کافر نہیں ہوا، لیکن اس نے کافروں جیسا عمل کیا اور کفر کے قریب ہوگیا۔

لم تقبل له صلاة: بھاگنے والے غلام کی نماز قبول نہ ہوگی، قبول کے دو معنی ہیں (۱) بمعنی صحت حدیث شریف کہ: "لاتقبل صلاة حائض الابخمار" بالغہ عورت کی نماز بغیر اوڑھنی کے قبول نہیں ہوتی، یعنی صحیح نہیں ہوتی ہے۔ (۲) بمعنی رضا وپسندیدگی، مثلاً حدیث ہے، "من اتی عرافا فسأله عن شیء لم تقبل له صلاة اربعین لیلة" جو شخص کاہن کے پاس جاکر اس سے غیب کی باتیں پوچھتا ہے، اسکی چالیس دن تک نماز قبول نہیں کی جاتی، یعنی اللہ تعالیٰ اس نماز کو پسند نہیں کرتے اور ثواب نہیں دیتے، حدیث باب میں قبولیت کے کون سے معنی مراد ہیں؟

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے کہ اگرچہ یہ نماز قانون اسلامی کے اعتبار سے فاسد نہ ہوگی، لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول بھی نہ ہوگی، معلوم ہوا کہ قبول کے دوسرے معنی مراد ہیں، یعنی یہ نماز کامل نماز کی حیثیت سے مقبول نہ ہوگی۔

فقد برأت منه الذمة: اگر غلام بھاگ گیا اور اس نے کوئی جرم کیا تو اس کا تاوان آقا پر نہیں ہے، آقا اس ذمہ داری سے بری ہے اور اس کے نفقہ کی ذمہ داری سے بھی بری ہے۔

فقد كفر: کفر کے قریب ہوگیا، یا مطلب یہ ہے کہ کفر والا کام کیا، یا پھر یہ مطلب ہے کہ ایسے شخص کے کفر کا اندیشہ ہے۔

حتی یرجع الیهم: غلام کو اگر اپنی غلطی کا احساس ہوگیا اور وہ آقا کے پاس لوٹ آیا تو اس کے حق میں جو وعید بیان ہوئی وہ ختم ہوجائے گی، اور آقا پر اس کا نفقہ واجب ہوجائے گا۔

(طیبی: ۴۲۳/ ۴، مرقاۃ: ۶/۴۷۳)

غلام پر زنا کی جھوٹی تہمت لگانا

{۳۲۰۸} **وَعَنْ** اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ قَذَفَ مَمْلُوْكَهُ وَهُوَ بَرِیْءٌ مِمَّا قَالَ جُلِدَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ كَمَا قَالَ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حواله: بخاری شریف: ۲/۱۰۱۱، باب قذف العبید، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۶۸۵۸، مسلم شریف: ۲/۵۳، باب التغلیظ علی من قذف الخ، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۱۶۶۰۔

ترجمه: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ جس شخص نے اپنے غلام پر تہمت لگائی، جب کہ غلام اس الزام سے بری ہے تو قیامت کے دن الزام لگانے والے کو کوڑے لگائے جائیں گے، اور اگر غلام اس کے کہنے کے مطابق ہے تو نہیں لگائے جائیں گے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: ضابطہ شرعی یہ ہے کہ اگر کوئی شخص دوسرے پر زنا کا الزام لگا رہا ہے اور دوسرا انکار کر رہا ہے تو مدعی سے چار گواہ پیش کرنے کا مطالبہ ہوگا، چار گواہ پیش نہ کر سکا تو جھوٹا الزام لگانے کے جرم میں اس پر حد قذف جاری ہوگی، لیکن اگر کسی نے اپنے غلام پر زنا کا الزام لگایا اور ثابت نہ کر سکا تو آقا کو دنیوی سزا تو نہیں دی جائے گی، لیکن میدان محشر میں اس کو سخت ندامت ہوگی، سب لوگوں کے سامنے اس پر حد قذف جاری ہوگی، البتہ اگر غلام نے واقعی زنا کیا ہوگا، تو آقا چاہے دنیا میں ثابت نہ کر سکا ہو، لیکن آخرت میں اس پر حد قذف جاری نہ ہوگی، اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ غلام کی عزت وآبرو کا بھی پاس ولحاظ کرنا چاہئے، اس کی عزت وآبرو پر کیچڑ اچھالنا بھی بہت بڑا گناہ ہے۔

جلد یوم القیامة: یہاں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ غلام پر زنا کی تہمت لگانے سے دنیا میں حد قذف جاری نہ ہوگی، اس لئے کہ حد قذف جاری ہونے کیلئے ضروری ہے کہ "مقذوف" یعنی جس پر الزام لگا ہے وہ "محصن" ہو اور "احصان القذف" کی تعریف ہے، "ان یکون المقذوف حرا عاقلا،

بالغا مسلما، عفیفا عن فعل الزنا"۔ اور چوں کہ غلام میں صفت "حر" نہیں ہوتی ہے، لہٰذا وہ محصن نہیں ہے، لیکن دنیا میں سزا سے بچ جانے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کے جھوٹ پر اس کا مواخذہ ہی نہ ہو، چنانچہ دنیا میں تو اس پر ملامت ہوگی اور آخرت میں اس پر حد قذف جاری ہوگی۔ "الا ان یکون" لیکن اگر غلام نے حقیقتاً زنا کیا ہے، تب آقا پر سزا جاری نہ ہوگی، معلوم ہوا کہ سچ اور جھوٹ اور صحیح وغلط کا مدار واقعہ کے مطابق ہونے یا نہ ہونے سے ہے نہ کہ کے اعتقاد سے۔ (مرقاۃ: ۶/۴۷۳)

غلام کو بے خطا مارنے کا کفارہ

{۳۲۰۹} **وَعَنِ** ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُمَا قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ ضَرَبَ غُلَامًا لَهُ حَدًّا لَمْ يَأْتِهِ اَوْ لَطَمَهُ فَاِنَّ كَفَّارَتَهُ اَنْ يُّعْتِقَهُ۔ (رواہ مسلم)

حواله: مسلم شریف: ۲/ ۵۱ باب صحبة المماليك، كتاب الايمان، حديث نمبر: ۱۶۶۰۔

ترجمه: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے اپنے غلام کو کسی ایسے جرم پر سزا دی جس جرم کا اس نے ارتکاب نہیں کیا، یا اس نے بے قصور غلام کو طمانچہ مارا تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اس کو آزاد کر دے۔ (مسلم)

تشريح: غلاموں کے ساتھ بہتر سلوک کرنے کی تاکید ہے، اور بدسلوکی پر سخت وعید ہے، ایک موقع پر آپ نے فرمایا کہ "لا یدخل الجنة سیئ الملکة" سیئ الخلق، آدمی جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ یعنی غلام کے ساتھ بدسلوکی کرنے والا جنت میں نہیں جائے گا یہاں دخول اولیٰ مراد ہے مطلب یہ ہے کہ اول مرحلہ میں داخل نہیں ہوگا، لہٰذا بلا سبب غلاموں کو مارنا پیٹنا اور ڈرانا دھمکانا حرام ہے، اگر کسی شخص نے بلاقصور غلام کو سزا دی ہے تو اب اخلاقی طور پر وہ غلام کو آزاد کرے، یہی اس کا کفارہ ہے۔ البتہ غلام کو آزاد کرنا واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے۔ (مرقاۃ: ۶/۴۷۴، طیبی: ۶/۴۲۴)

010

غلام کو مارنے کی ممانعت

{۳۲۱۰} **وَعَنْ** اَبِیْ مَسْعُوْدِ الْاَنْصَارِیِّ رَضِیَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ كُنْتُ اَضْرِبُ غُلَامًا لِیْ فَسَمِعْتُ مِنْ خَلْفِیْ صَوْتًا اِعْلَمْ اَبَا مَسْعُوْدٍ لَلّٰهُ اَقْدَرُ عَلَیْكَ مِنْكَ عَلَیْهِ فَالْتَفَتُّ فَاِذَا هُوَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللهِ هُوَ حُرٌّ لِوَجْهِ اللهِ فَقَالَ اَمَا لَوْ لَمْ تَفْعَلْ لَلَفَحَتْكَ النَّارُ اَوْ لَمَسَّتْكَ النَّارُ۔ (رواه المسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۲/ ۵۱، باب صحبة المماليک، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۱۶۵۹۔

ترجمہ: حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے غلام کو مار رہا تھا کہ اچانک میں نے اپنے پیچھے آواز سنی کہ ابومسعود جان لو اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر اس سے زیادہ قدرت رکھتے ہیں جتنی قدرت تم اس غلام پر رکھتے ہو، میں نے مڑ کر دیکھا تو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تھے میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ غلام اللہ کی رضا کے لئے آزاد ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم یہ نہ کرتے تو دوزخ کی آگ تمہیں جھلساتی، یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوزخ کی آگ تم کو پہنچتی۔ (مسلم)

تشریح: اقدر علیک منک علیه: غلام پر اللہ نے آقا کو قدرت عطا کی ہے، لیکن اس کو نہ بھولنا چاہئے کہ اللہ کی قدرت اس سے بہت زیادہ ہے، آقا کی قدرت ناقص ہے اور اللہ کی قدرت کامل ہے، جس اللہ نے تم کو قدرت دی ہے، تمہارے ظلم پر وہ تم کو محتاج بھی کرسکتا ہے، جب آقا کے دل و دماغ میں یہ بات سرایت کرجائے گی کہ وہ آخری طاقت نہیں ہے، اس سے زبردست طاقت اللہ کی ہے جو کہ اسکے ہر عمل کو دیکھ رہا ہے، اور وہ اس کا مؤاخذہ بھی کرسکتا ہے تو آقا کا غرور اور تکبر ختم ہوجائے گا، اور اس کے دل میں غلاموں اور باندیوں کے لئے رحم کا جذبہ پیدا ہوگا اور وہ بلاوجہ مارنے پیٹنے سے باز رہیگا، ''ھو حر لوجہ'' اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے آزاد ہے، ''للفحتك النار'' یعنی اگر اس کو ظلماً مارا ہوتا

اوروہ معاف نہ کرتا تو آگ تم کو جلاتی، غلام کو اگر مارا ہے تو اس کو آزاد کرنا مستحب ہے، لیکن واجب نہیں ہے، اس پر اجماع امت ہے۔ (مرقاۃ:۶/۴۷۵)

{الفصل الثانی}

تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے

{۳۲۱۱} **عَنْ** عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رَجُلاً أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ لِيْ مَالاً وَإِنَّ وَالِدِيْ يَحْتَاجُ إِلىٰ مَالِيْ قَالَ أَنْتَ وَمَالُكَ لِوَالِدِكَ إِنَّ أَوْلَادَكُمْ مِنْ أَطْيَبِ كَسْبِكُمْ كُلُوْا مِنْ كَسْبِ أَوْلَادِكُمْ۔ (رواہ ابوداؤد ابن ماجه)

حواله: ابو داؤد شریف: ۲/۴۹۸، باب في الرجل يأكل من مال ولده، كتاب الاجارة، حديث نمبر: ۳۵۳۰، ابن ماجه شریف: ۲/۱۶۶، باب ما للرجل من مال ولده، كتاب التجارات، حديث نمبر: ۲۲۹۲۔

ترجمه: حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ میرے پاس مال ہے اور میرے والد میرے مال کے محتاج ہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم اور تمہارا مال تمہارے والد کا ہے، بلاشبہ تمہاری اولاد پاکیزہ کمائی میں سے ہے، لہٰذا اپنی اولاد کی کمائی سے کھاؤ۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: إِنَّ أَوْلَادَكُمْ مِنْ أَطْيَبِ كَسْبِكُمْ: آنحضرت ﷺ نے بیٹے کو باپ کے حق میں سب سے پاکیزہ کمائی قرار دیا ہے، فقہا نے اس سے استدلال کر کے کہا ہے کہ باپ اپنی اولاد کے مال میں سے اس کی اجازت کے بغیر بھی لے سکتا ہے، اس لئے کہ بیٹے کی کمائی حقیقۃً باپ کی کمائی ہے تو یہ گویا اپنی ملک میں تصرف ہے، لیکن حنفیہ اس کو احتیاج کی قید کے ساتھ مقید کرتے ہیں، یعنی باپ اگر محتاج

ہے تو بیٹے کی اجازت کے بغیر اس کے مال میں تصرف کرسکتا ہے، غنی باپ کو اس کی اجازت نہیں، بیہقی میں روایت ہے، جس کا ایک جزیہ بھی ہے کہ "واموالھم لکم اذا احتجتم الیھا" یعنی اولاد کے اموال والدین کے ہیں، اگر والدین کو اس کی ضرورت ہو، معلوم ہوا کہ حکم عام نہیں ہے، بلکہ احتیاج کے ساتھ مقید ہے۔

فائدہ: اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اولاد پر والدین کا نفقہ اس وقت لازم ہے جب کہ والدین تنگ دست ہوں، غنی والدین کے ساتھ بھی خیر خواہی اور حسن سلوک کا حکم ہے، لیکن ان کا نفقہ اولاد پر واجب نہیں ہے۔

اختلاف ائمہ

اگر اولاد مالدار ہے تو والدین کا نفقہ ان پر واجب ہے اور انکے ماسوا کا بھی واجب ہے یا نہیں اس کے اندر اختلاف ہے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کے علاوہ کسی اور کا نفقہ واجب نہیں، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اصول وفروع کا نفقہ واجب ہے، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر موسر پر ہر معسر کا نفقہ واجب ہے بشرطیکہ ان میں وراثت کا سلسلہ جاری ہو اور دونوں کی ملت ایک ہو، امام صاحب فرماتے ہیں کہ ہر ذی رحم محرم کا نفقہ واجب ہے۔

(تقریر حضرت شیخ زکریا قدس سرہ، تفصیل ماقبل میں گذر چکی، مرقاۃ: ۶/۴۷۶)

یتیم کا مال ولی بقدر کفایت استعمال کرسکتا ہے

{۳۲۱۲} **وَعَنْہُ** عَنْ اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ اَنَّ رَجُلاً اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّیْ فَقِیْرٌ لَیْسَ لِیْ شَیْئٌ وَلِیْ یَتِیْمٌ فَقَالَ کُلْ مِنْ مَالِ یَتِیْمِكَ غَیْرَ مُسْرِفٍ وَلاَ مُبَادِرٍ وَلاَ مُتَاثِّلٍ۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی وابن ماجه)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۲/۳۹۷، باب ماجاء فی مال ولی الیتیم، کتاب الو صایا، حدیث نمبر: ۲۸۷۲، نسائی شریف: ۲/، بان ماللوصی من مال الیتیم، کتاب الو صایا،

حدیث نمبر: ۳٦٧٩،۱بن ماجۃشریف: ۲/۱۹۵، باب قوله ومن كان فقيراً، کتاب الوصایا، حدیث نمبر: ۲۷۱۸۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت رسول اکرم ﷺ کے پاس آیا اور اس نے عرض کیا کہ میں فقیر ہوں، میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے، اور میرے پاس پرورش کیلئے ایک یتیم ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یتیم کے مال میں سے کھالو لیکن فضول خرچی نہ کرنا، جلدی نہ کرنا، اور جمع نہ کرنا۔ (ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ)

تشریح: كل من مال يتيمك: یتیم کا سرپرست اس کی تربیت اور اس کے مال کی حفاظت کے لئے اپنا وقت صرف کرتا ہے، لہٰذا اگر وہ تنگ دست ہے تو حق المحنت لے سکتا ہے، اور اگر مالدار ہو تو نہ لے، اسی کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ "من كان غنياً فليستعفف ومن كان فقيرا فلياكل بالمعروف" (سورۃ النساء آیت: ٦) یعنی جو یتیم کا سرپرست اپنی ضروریات دیگر ذرائع سے پوری کرسکتا ہے، اس کو چاہئے کہ یتیم کے مال میں سے حق الخدمت نہ لے، کیونکہ یہ خدمت اس کا فریضہ ہے، لہٰذا اسکا معاوضہ لینا جائز نہیں ہے، البتہ جو سرپرست محتاج ہو اور دیگر ذرائع سے ضروریات پوری نہ کرسکتا ہو، وہ یتیم کے مال سے مناسب مقدار لے سکتا ہے، تاکہ اس کی ضروریات پوری ہوسکیں "غير مسرف ولا مبادر" قرآن کریم کی آیت "ولا تاكلوها اسرافا وبدارا ان يكبروا" (سورۃ النساء، آیت: ٦) کی طرف اشارہ ہے، یعنی یتیموں کے مالوں کو ضروریات سے زائد، اس خیال سے کہ یہ بالغ ہوجائیں گے تو ان کو دینا پڑیگا، اس لئے کہ بالغ ہونے سے پہلے جلدی جلدی کھا کر ختم کردیں ایسا نہ کرو، "ولا متاثل" قرآن کریم میں یہ لفظ نہیں ہے درحقیقت یہ کوئی مستقل حکم نہیں ہے بلکہ یہ "مبادر" ہی کی تفسیر و توضیح ہے، مقصد یہ ہے کہ یتیم کے مال کو رأس المال بنا کر اس سے نفع حاصل نہ کرو۔ (مرقاۃ: ۴/۷۷، ٦طیبی: ۴۲٦/۴)

فوائد حدیث: (۱) یتیم کا ولی اگر تنگ دست فقیر ہے تو وہ یتیم کے مال سے اپنی لازمی ضروریات پوری کرسکتا ہے، لیکن فضول خرچی کرنا جائز نہیں۔

(۲)......اسی طرح یہ سوچ کر یتیم بالغ ہوجائیگا تو اس کا مال اس کے حوالے کرنا پڑے گا اس لئے جلدی جلدی خوب خرچ کرلو، یہ بھی ناجائز ہے۔

010

(۳)......اسی طرح یتیم کے مال سے اپنا بینک بیلنس کرنا اپنے لئے خوب جمع کرنا حرام ہے، صرف اس کی اجازت ہے کہ اپنی فوری ضروریات یتیم کے مال سے پوری کرلو، وہ بھی اس وقت اجازت ہے جب کہ تنگ دست ہو۔

(۴)......یتیم کا سرپرست اگر خوش حال و مالدار ہے تو اس کے لئے یتیم کا مال استعمال کرنا قطعاً حرام ہے۔ (مرقاۃ: ۶/۴۷۷)

نماز اور ماتحتوں کا خیال رکھنا

{۳۲۱۳} **وَعَنْ** اُمِّ سَلَمَةَ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْهَا عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ کَانَ یَقُوْلُ فِیْ مَرَضِهِ الصَّلٰوۃَ وَمَامَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان وروی احمد وابوداؤد) عَنْ عَلِیٍّ نَحْوُهٗ۔

حوالہ: بیہقی فی شعب الایمان: ۶/۳۶۹، باب الاحسان الی الممالیک، احمد: ۶/۲۹۰، ابوداؤد شریف: ۲/۷۰۱، کتاب الادب، باب فی حق المملوک، حدیث نمبر: ۵۱۵۶۔

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مرض الوفات میں فرمایا کرتے تھے کہ نماز کی پابندی کرو اور جن کے تمہارے دائیں ہاتھ مالک ہیں ان کے حقوق ادا کرتے رہو۔ (بیہقی فی شعب الایمان) احمد اور ابوداؤد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی اسی کے مثل روایت نقل کی ہے۔

تشریح: اس حدیث میں نماز پر مداومت اختیار کرنے اور نماز کو بلا عذر شرعی ترک نہ کرنے کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھرپور تاکید فرمائی ہے، اور یہ اتنی اہم بات تھی کہ آپ نے مرض الوفات میں بھی بار بار اس کی تاکید فرمائی، اسی طرح غلاموں اور باندیوں کے ساتھ بہتر سلوک کی بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی ہے، علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث جوامع الکلم میں سے ہے، اس وجہ سے کہ نماز کی تاکید فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام اچھے کاموں کے کرنے اور تمام بری باتوں سے رکنے کا حکم کیا

ہے، اس لئے کہ نماز کی یہ خصوصیت ہے کہ "تنھی عن الفحشاء والمنکر" بے حیائی اور برائی باتوں سے روکتی ہے، اور "وماملکت ایمانکم" کے ذریعہ ان تمام چیزوں میں صحیح تصرف کرنے کی تاکید فرمائی ہے، جن کا آدمی مالک بنے، چنانچہ نماز کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور "ماملکت" کے ذریعہ مخلوق خدا پر شفقت کی تعظیم ہے۔ (طیبی: ۶/۴۲۷)

غلاموں کے ساتھ بدسلوکی پر وعید

{۳۲۱۴} **وَعَنْ** اَبِیْ بَکْرٍ الصِّدِّیْقِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَایَدْخُلُ الْجَنَّۃَ سَیِّئُ الْمَلَکَۃِ۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

حوالہ: ترمذی شریف: ۲/۱۶، باب ماجاء فی ادب الخدم، کتاب البر والصلۃ، حدیث نمبر: ۱۹۵۰، ابن ماجہ: ۲۶۲، باب الاحسان الی الممالیک، کتاب الادب، حدیث نمبر: ۳۶۹۱۔

ترجمہ: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: کہ غلاموں کو تکلیف پہنچانے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: لایدخل الجنۃ سیئی المملکۃ" غلاموں کے ساتھ بدسلوکی کرنے والا یقین کے ساتھ جنت میں داخل نہ ہوگا، ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ "حسن المملکۃ یمن وسوء الخلق شئوم" غلاموں کے ساتھ بہتر سلوک باعث خیر و برکت ہے اور ان کے ساتھ بدخلقی نحوست و ہلاکت کا ذریعہ ہے، حسن اخلاق والے کو آپ نے خوش خبری سنائی ہے کہ "وببیت فی اعلی الجنۃ لمن حسن خلقہ" (ابوداؤد) جس شخص نے اپنے اخلاق درست کرلئے اسکے لئے میں جنت میں اعلیٰ مقام پر محل کی ذمہ داری لیتا ہوں، جب کہ بدمزاج کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ "لایدخل الجنۃ الجواظ" جنت میں بدمزاج دخل نہ ہوگا۔ (ابوداؤد)

فائدہ: یہاں بھی دخول اولیٰ مراد ہے مطلب یہ ہے کہ اول مرحلہ میں داخل نہ ہوگا بلکہ بدخلقی سزا بھگتنے کے بعد داخل ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہر قسم کی بدخلقی بدمزاجی سے پوری پوری حفاظت فرمائے آمین۔

غلام کے ساتھ بہتر سلوک باعث خیر ہے

{۳۲۱۵} **وَعَنْ** رَافِعِ بْنِ مَكِيْثٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ حُسْنُ الْمَلَكَةِ يُمْنٌ وَسُوْءُ الْخُلُقِ شُوْمٌ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ) وَلَمْ اَرَ فِيْ غَيْرِ الْمَصَابِيْحِ مَازَادَ عَلَيْهِ فِيْهِ مِنْ قَوْلِهٖ وَالصَّدَقَةُ تَمْنَعُ مَيْتَةَ السُّوْءِ وَالْبِرُّ زِيَادَةٌ فِي الْعُمُرِ۔

حواله: ابو داؤد شریف: ۲/ ۷۰۲، باب فی حق المملوک، کتاب الادب: حدیث نمبر: ۵۱۶۲، المصابیح: ۲/ ۴۷۸۔

ترجمه: حضرت رافع بن مکیث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ غلاموں کے ساتھ حسن سلوک برکت کا باعث ہے اور بد خلقی نحوست ہے (ابو داؤد) اور میں نے مصابیح کے علاوہ اس حدیث پر یہ زیادتی نہیں دیکھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے صدقہ بری موت کو روکتا ہے اور بھلائی زیادتی عمر کا ذریعہ ہے۔

تشریح: حسن المملكة يمن: یہ بات تجربہ کی ہے کہ جو لوگ اپنے خادم اور ماتحت افراد کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں انکے زیر نگیں لوگ ان سے محبت والفت کرتے ہیں، اور بھرپور محنت و مشقت سے ان کی خدمت کرتے ہیں، جس کی بناء پر آقا کو ہر طرح کی خیر و برکت اور راحت و آرام نصیب ہوتا ہے، جبکہ غلاموں اور ماتحتوں کے ساتھ بدسلوکی کے برے نتائج سامنے آتے ہیں، اسی پر بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم دی ہے، اور بدخلقی سے روکا ہے، ایک موقع پر ایک صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ "کم نعفو عن الخادم" ہم اپنے خادموں کو کتنا معاف کریں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے انہوں نے پھر دریافت کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پھر خاموش رہے، ان صحابی نے تیسری مرتبہ دریافت کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ دن میں ستر مرتبہ درگذر کرو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا مقصد یہی ہے ہے کہ غلام کے حقوق ادا کرتے رہنا چاہئے، اور اس کی لغزشوں کو نظر انداز کرنا چاہئے اس میں عافیت ہے۔

و لم ار فی غیر المصابیح: یہ صاحب مشکوۃ کا صاحب مصابیح پر اعتراض ہے کہ

"والصدقة الخ" کے الفاظ حدیث کی دیگر کتابوں میں نہیں ہیں، یہ صرف مصابیح کا اضافہ ہے صاحب مرقات نے فرمایا کہ یہ الفاظ جامع صغیر میں موجود ہیں اور اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان ہی الفاظ میں روایت کیا ہے جو الفاظ صاحب مصابیح نے نقل کئے ہیں، لہٰذا صاحب مشکوۃ کا اعتراض درست نہیں ہے "والصدقة تمنع میتة السوء" مراد یا تو ناگہانی موت ہے، یا پھر وہ موت ہے جو اللہ تعالیٰ سے غافل ہو کر آئے، ناگہانی موت کے برا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اچانک آنے کی وجہ سے آدمی توبہ سے بھی محروم رہتا ہے۔ صدقہ کرتے رہنے سے جیسے دیگر بلاؤں سے حفاظت ہوتی ہے، ویسے ہی بری موت سے بھی حفاظت ہوتی ہے۔ "والبر زیادة فی العمر" مخلوق کے ساتھ حسن سلوک کرنا بھی نیکی ہے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت و بندگی بھی نیکی ہے۔ نیکی سے عمر میں اضافہ ہوتا ہے، عمر میں اضافہ کے دو مطلب ممکن ہیں (۱) عمر کو تقدیر میں اللہ معلق رکھتے ہیں کہ اگر نیک کام کرے گا تو زیادہ عمر ہوگی، نیک کام نہیں کریگا، تو عمر کم ہوگی۔ (۲) عمر میں برکت پیدا کرتے ہیں، مطلب یہ ہیکہ جو کام لمبی عمر میں طے پاتے ہیں، نیک کام کی بدولت مختصر عرصہ میں ہوجاتے ہیں۔ (مرقاۃ: ۶/۴۸۰، التعلیق: ۴/۹۵)

غلام پر رحم کی ترغیب

{۳۲۱۶} **وَعَنْ** اَبِیْ سَعِیْدٍ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا ضَرَبَ اَحَدُكُمْ خَادِمَهُ فَذَكَرَ اللهَ فَارْفَعُوْ اَيْدِيَكُمْ (رواه الترمذی والبیهقی فی شعب الایمان) لٰكِنْ عِنْدَهُ فَلْيُمْسِكْ بَدَلَ فَارْفَعُوْ اَيْدِيَكُمْ۔

حواله: ترمذی شریف: ۱۶/۲، باب ماجاء فی ادب الخادم، کتاب البر و الصلة، حدیث نمبر: ۱۹۵۰، بیهقی: ۳۷۷/۶، باب الاحسان الی الممالیک۔

ترجمه: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جب تم میں سے کوئی شخص اپنے خادم کو مارے اور وہ خادم اللہ کو یاد کرے، تو تم اپنے ہاتھوں کو اٹھالو۔ (ترمذی) بیہقی نے شعب الایمان میں اس روایت کو نقل کیا ہے، لیکن ان کے نزدیک

"فارفعوا ایدیکم" کی جگہ "فلیمسك" ہے یعنی رک جاؤ۔

تشریح: اذا ضرب احدکم: خادموں اور غلاموں کے حقوق میں سے یہ بھی ہے کہ آقاء ان کو بلاضرورت نہ ماریں اور اگر ضرورت پڑنے پر ماریں، تو جب وہ اللہ کا واسطہ دے کر معافی طلب کریں تو معاف کردیں، علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ مارنے سے رکنے کی تاکید اس وقت ہے جبکہ غلام کو تربیت دینے اور اصلاح کرنے کی غرض سے آقا مار رہا ہو اگر حدود شرعیہ اس پر جاری کر رہا ہو تو اس میں کسی قسم کی رعایت نہ کرے، سزا پوری کرنا چاہئے۔ (طیبی:۶/۴۲۹)

بچے کو ماں سے جدا کرنے پر وعید

{۳۲۱۷} **وَعَنْ** اَبِیْ اَیُّوْبَ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ فَرَّقَ بَیْنَ وَالِدَۃٍ وَوَلَدِھَا فَرَّقَ اللہُ بَیْنَہُ وَبَیْنَ اَحِبَّتِہٖ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ۔ (رواہ الترمذی والدارمی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۲/۲۴۱، باب ماجاء فی کراھیۃ الفرق بین الاخوین، کتاب البیوع، حدیث نمبر: ۱۲۸۳، دارمی: ۲/۲۹۹، باب النھی عن التفریق بین الوالدۃ وولدھا، کتاب السیر، حدیث نمبر: ۲۴۷۹۔

ترجمہ: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا، جس نے ماں اور اس کے لڑکے کو جدا کیا، تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کے اور اس کے رشتہ داروں کے درمیان تفریق کردیں گے۔

تشریح: من فرق بین والدۃ وولدھا: ماں اور اس کے چھوٹے بچے کے درمیان، اسی طرح دو بھائیوں، یا دو بہنوں، یا بھائی و بہن کے درمیان جدائی کرنا، جب کہ الگ رہنے میں ان کے لئے دشواری ہو ممنوع ہے، لہٰذا ایسا کرنے سے بچنا چاہئے، البتہ اگر بچہ سمجھدار اور خود کفیل ہو اور ماں بھی اس کی اجازت دے تو کوئی حرج نہیں ہے، ترمذی شریف میں ہے کہ حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے باندی اور اس کے بچہ کے درمیان بیع میں جدائی کی، تو لوگوں نے اس پر اعتراض کیا، حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے

فرمایا: "انی قد استأذنتها فی ذالك فرضیت" میں نے اس سلسلہ میں بچہ کی والدہ سے اجازت طلب کی تھی، تو اس نے خوشی سے اجازت دے دی تھی، "فرق الله بینه وبین احبته" قیامت کے دن اللہ تعالیٰ محبوبوں کو ایک پاس رکھیں گے، وہ ایک دوسرے کی شفاعت کریں گے، لیکن جولوگ دنیا میں اس جرم کا ارتکاب کریں گے، جس کی ممانعت حدیث باب میں ہے، تو اللہ تعالیٰ ان کو یہ سزا دیں گے کہ ان کے احباء سے ان کو محروم کردیں گے۔

ماں اور بیٹے کا تذکرہ اتفاقی ہے، ورنہ ہر ذی رحم نوعمر نابالغ کا یہی حکم ہے، خواہ ماں، باپ ہوں یا بہن بھائی یا دادا دادی یا ان کے علاوہ کوئی ذی رحم۔

نابالغ کی قید اس لئے لگائی جاتی ہے کہ بالغ کو جدا کرنے میں حرج نہیں ہے۔ احناف کے نزدیک درست ہے، یہ قید اگرچہ روایت میں موجود نہیں ہے، دو بڑے بھائیوں میں تفریق کو احناف درست مانتے ہیں مگر دو چھوٹے یا ایک چھوٹا ہو تو ان دو بھائیوں میں تفریق کو وہ بھی جائز قرار نہیں دیتے۔

ایک اختلاف

اس مسئلہ کے اندر اختلاف ہے کہ کن کن لوگوں کے درمیان تفریق جائز ہے، اور کس کے درمیان جائز نہیں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ والدین اور ولد کے درمیان تفریق جائز نہیں ہے، ائمہ ثلثہ کے نزدیک ذی رحم محرم کے درمیان تفریق جائز نہیں، بشرطیکہ وہ چھوٹے ہوں ان کے ماسواء میں جائز ہے، اب دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ کتنی مدت تک تفریق جائز نہیں ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب تک دانت نہ ٹوٹیں دودھ والے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ایک روایت سات سال کی اور ایک روایت آٹھ سال کی ہے، اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ والد اور ولد ایسے ہی والد اور والدہ کے اندر تفریق جائز نہیں ہے، خواہ وہ کتنے ہی بڑے ہو جائیں، امام صاحب فرماتے ہیں کہ احتلام یعنی بالغ ہونے تک تفریق جائز نہیں ہے، اب یہ کہ اگر باوجود جائز نہ ہونیکے اس نے بیع کے ذریعہ تفریق کردی تو کیا حکم ہے؟ حنفیہ کے یہاں منعقد ہو جائیگی اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایت منقول ہیں (۱) منعقد نہ ہوگی، (۲) منعقد ہو جائے گی۔ (مرقاۃ:۶/۴۸۱)

دو بھائی میں تفریق کرنا جائز نہیں

{۳۲۱۸} **وَعَنْ** عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ وَهَبَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُلَامَيْنِ اَخَوَيْنِ فَبِعْتُ اَحَدَهُمَا فَقَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَلِيُّ مَافَعَلَ غُلَامُكَ فَاَخْبَرْتُهُ فَقَالَ رُدَّهُ رُدَّهُ۔ (رواه الترمذی وابن ماجة)

حواله: ترمذی شریف: ۱/۲۴۱، باب ماجاء فی کراهية الفرق بين الاخوين، کتاب البیوع، حدیث نمبر: ۱۲۸۴، ابن ماجة شریف: ۲/۱۶۲، باب النهی عن التفریق بين الصبی، کتاب التجارات، حدیث نمبر: ۲۲۶۲۔

ترجمه: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو دو غلام بھائی عطا فرمائے، میں نے ان میں سے ایک کو بیچ دیا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ اے علی رضی اللہ عنہ تمہارے غلام نے کیا کیا؟ میں نے اس کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو واپس لے لو اس کو واپس لے لو۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: غلامین اخوین: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دو لڑکے عطا کئے تھے، جو کہ آپس میں بھائی تھے، "مافعل غلامك" حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان میں سے ایک کو بیچ دیا اور دوسرے کو اپنے پاس رکھا، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فروخت شدہ غلام کو نہیں پایا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ وہ غلام یہاں موجود نہیں ہے، اس نے کیا کیا؟ "فقال رده" جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ میں نے اس کو بیچ دیا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ فرمایا کہ اس کو واپس لو، اور جو بیع کر چکے ہو اس کو فسخ کرو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ بطور تاکید کے فرمایا یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے، کہ یہ حکم بطور وجوب کے ہے اور ایسی بیع مکروہ تحریمی ہے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ذی رحم محرم بچوں کے درمیان جدائی جس طرح بیع کے ذریعہ مکروہ ہے، اس طرح ہبہ وغیرہ کے ذریعہ بھی مکروہ ہے۔ (مرقاة: ۶/۴۸۲)

ماں اور بیٹے میں تفریق درست نہیں

{۳۲۱۹} **وَعَنْهُ** اَنَّهٗ فَرَّقَ بَيْنَ جَارِيَةٍ وَوَلَدِهَا فَنَهَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذَالِكَ فَرَدَّ الْبَيْعَ۔ (رواہ ابوداؤد منقطعا)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۳۶۸/۲، باب فی التفریق بین السبی، کتاب الجهاد، حدیث نمبر: ۲۶۹۶۔

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک باندی اور اسکے لڑکے کو جدا کر دیا، تو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا، لہذا انہوں نے بیع فسخ کر دی، اس روایت کو ابوداؤد نے "منقطعا" روایت کیا ہے۔

تشریح: فرق بین جاریة وولدها: یہ تفریق ماں اور بچے کے درمیان تھی، لہذا بالاجماع ممنوع ہے، حنفیہ کے نزدیک یہی حکم ہر ذی رحم محرم کا ہے، جبکہ شوافع کے نزدیک ممانعت کا تعلق قرابت اولاد کے ساتھ ہے، "فرد البیع" اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو تفریق کی تھی وہ بیع کے ذریعہ کی تھی، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر بیع کے ذریعہ اس قسم کی تفرق کی جائے تو بیع فاسد ہے، امام ابو یوسف و امام شافعی کا یہی مذہب ہے، امام صاحب کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے، فاسد نہیں ہے، "منقطعا" اس روایت کو میمون نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے، جبکہ حضرت میمون کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں ہے، لہذا حدیث منقطع ہے۔ (مرقاۃ: ۶/۴۸۲)

غلام کے ساتھ حسن سلوک آسانی موت کا سبب ہے

{۳۲۲۰} **وَعَنْ** جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ يَسَّرَ اللّٰهُ حَتْفَهٗ وَاَدْخَلَهٗ جَنَّتَهٗ رِفْقٌ بِالضَّعِيْفِ وَشَفَقَةٌ عَلَى الْوَالِدَيْنِ وَاِحْسَانٌ اِلَى الْمَمْلُوْكِ۔ (رواہ الترمذی) وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۲/۶۷، باب: ۱۵، ابواب القیامۃ، حدیث نمبر: ۲۴۹۴۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کے اندر تین عادتیں ہوں گی اللہ تعالیٰ اس کے لئے موت کو آسان فرمائیں گے، اور اس کو اپنی جنت میں داخل کریں گے۔(۱) کمزوروں کے ساتھ نرمی کرنا، (۲) والدین کے ساتھ مہربانی کرنا، (۳) غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کرنا۔(ترمذی) ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: کمزوروں اور ناداروں کے کام آنا چاہئے، ان کے ساتھ شفقت ومحبت کا معاملہ کرنا چاہئے والدین چوں کہ انسان کے دنیا میں آنے کا سبب ہیں، لہٰذا ان کے ساتھ ہر حال میں حسن سلوک کرنا چاہئے، ان کی اطاعت وفرمانبرداری میں تھوڑی سی بھی غفلت سے بچنا چاہئے، اسی طرح غلاموں اور باندیوں کے جو حقوق ہیں ان کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرنا چاہئے، جو شخص ان نصائح پر عمل کرے گا، دنیا میں اس کو عزت کی زندگی اور راحت کی موت نصیب ہوگی۔ اور آخرت میں اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے جنت عطا فرمائیں گے۔

یسر اللہ حتفہ: جس میں تین باتیں جمع ہوں گی، اللہ تعالیٰ اس پر موت کو آسان فرمائیں گے، ترمذی میں یہاں پر "نشر اللہ علیہ کتفہ" کے الفاظ ہیں یعنی اللہ تعالیٰ اس پر اپنی عنایات مبذول فرمائیں گے، "ادخلہ" اس کو جنت میں دخول اولین نصیب ہوگا، "رفق بالضعیف" جسم کے اعتبار سے مال کے اعتبار سے جسمانی قوت کے اعتبار سے یا کسی اور اعتبار سے جو کمزور ہو اس کے ساتھ نرمی کرنا، نرمی اور مہربانی عمومی طور پر اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ "من اعطی حظہ من الرفق فقد اعطی حظہ من الخیر ومن حرم حظہ من الرفق فقد حرم حظہ من الخیر" جس شخص کو نرمی سے حصہ دیا گیا، اس کو دنیا وآخرت کی بھلائی میں سے حصہ دیا گیا اور جو شخص نرمی میں سے اپنے حصہ سے محروم رہا وہ دنیا وآخرت کی بھلائی میں سے اپنے حصہ سے محروم رہا، حاصل یہ کہ نرمی ومہربانی تمام بھلائیوں کے حصول کا ذریعہ ہے۔

وشفقة علی الوالدین: والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہئے، اوران کی نافرمانی سے بچنا چاہئے، ایک موقع پرآنحضرت ﷺ نے فرمایا: "رضا الرب فی رضا الوالد وسخط الرب فی سخط الوالد" خدائے پاک کی خوشنودی والد کی خوشنودی میں خدائے پاک کی ناراضگی والد کی ناراضگی میں ہے۔مقصد یہ ہے کہ جوشخص اللہ تعالیٰ کو راضی رکھنا چاہتا ہے اس کو چاہئے کہ وہ اپنے والد کو راضی اور خوش رکھے، یہی حکم ماں کا بھی ہے، اوراگرکسی کے والدین ناراض ہیں تواس کوسمجھ لینا چاہئے کہ اس سے اللہ بھی ناراض ہے۔

احسان الی الممالیک: غلام کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہئے اس کے حقوق کو ادا کرتے رہنا چاہئے، جو یہ تین امور انجام دیگا، اس کو اللہ کا فضل میسر آئے گا۔ (مرقاۃ: ۶/۴۸۳)

مطلب یہ ہے کہ جوشخص یہ تین کام انجام دیے گا، (۱) کمزوروں کے ساتھ نرمی (۲) والدین کے ساتھ مہربانی (۳) غلام کے ساتھ حسن سلوک، اس کیلئے دو چیزوں کا وعدہ ہے (۱) اس کی موت آسان ہوگی (۲) اسکو جنت میں داخل کیا جائے گا اوران دونوں چیزوں کا اہم ہونا ظاہر ہے۔

نمازی کو مارنے کی ممانعت

{۳۲۲۱} **وَعَنْ** اَبِیْ اُمَامَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَهَبَ لِعَلِیٍّ غُلَامًا فَقَالَ لَا تَضْرِبْهُ فَاِنِّیْ نُهِیْتُ عَنْ ضَرْبِ اَهْلِ الصَّلٰوةِ وَقَدْ رَأَیْتُهُ یُصَلِّیْ هٰذَا لَفْظُ الْمَصَابِیْحِ وَفِی الْمُجْتَبٰی لِلدَّارِ قُطْنِیْ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ نَهَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ضَرْبِ الْمُصَلِّیْنَ۔

حواله: دار قطنی ۴۸۰/۲، باب النفقات وحق المملوک، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۲۵۲۰۔

ترجمه: حضرت امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلا شبہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایک غلام عطا فرمایا، پھرآنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس کو مارنا نہیں، اس وجہ سے کہ مجھے نماز ادا کرنے والوں کو مارنے سے روکا گیا ہے، اورمیں نے اس کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا

010

ہے، یہ مصابیح کے الفاظ ہیں، اور دارقطنی کی تصنیف مجتبیٰ میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازیوں کو مارنے سے منع فرمایا ہے۔

تشریح: نماز کا پابند آدمی اکثر ایسے امور انجام نہیں دیتا کہ اس کو مارنے کی ضرورت پڑے، تاہم اگر اس سے کوئی غلطی ہو بھی جائے تو اس کو معاف کرنا چاہئے، مخلوق خدا کے درمیان نماز کی تعظیم وتوقیر کا لحاظ کرتے ہوئے اس کو مارنے سے اعراض کیا جائے، البتہ حدود شرعیہ کے نفاذ میں کوئی رعایت نہیں برتی جائے گی۔

عن ضرب المصلین: نمازیوں کو مارنے سے منع کیا گیا ہے، مطلب یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو نمازی آدمی کی کوتاہیوں کو معاف کرنا چاہئے اور اس سے درگذر کرنا چاہئے۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے امید ہے کہ آخرت کے عذاب سے بھی نمازیوں کو محفوظ رکھیں گے، کیونکہ جب دنیا میں نمازیوں کو مارنے سے روکا ہے تو آخرت میں نمازیوں کو اللہ تعالیٰ ذلیل نہیں فرمائیں گے۔

(مرقاۃ: ۳۸۳/۶، التعلیق: ۹۵/۴)

غلام کو دن میں ستر مرتبہ معاف کرو

{۳۲۲۲} **وَعَنْ** عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُمَا قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ كَمْ نَعْفُوْ عَنِ الْخَادِمِ فَسَكَتَ ثُمَّ اَعَادَ عَلَيْهِ الْكَلَامَ فَصَمَتَ فَلَمَّا كَانَتِ الثَّالِثَةُ قَالَ اُعْفُوْ عَنْهُ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعِيْنَ مَرَّةً۔ (رواہ ابوداؤد والترمذی) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو۔

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۷۰۲/۲، باب فی حق المملوک، کتاب الادب، حدیث نمبر: ۵۱۶۴، ترمذی شریف: ۱۶/۲، باب ماجاء فی العفو عن الخادم کتاب البر والصلۃ حدیث نمبر: ۱۹۴۹۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے کہ ایک آدمی حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ہم غلاموں کو کتنا معاف کریں؟

010

آنحضرت ﷺ خاموش رہے دوبارہ یہی دریافت کی تو آنحضرت ﷺ خاموش رہے، جب تیسری مرتبہ دریافت کیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ روزانہ ستر مرتبہ ان کو معاف کرو۔ (ابوداوٗد شریف) ترمذی نے اس روایت کو عبداللہ بن عمرو سے روایت کیا ہے۔

تشریح: غلام کی غلطیوں اور کوتاہیوں سے جہاں تک ممکن ہوسکے صرف نظر کرنا چاہئے، خادموں اور ماتحتوں کو بہت زیادہ معاف کرنا اللہ کو پسند بھی ہے، اور اس وصف کی وجہ سے ماتحت افراد اپنے آقا سے دلی محبت کرتے ہیں اور ان کی اطاعت وفرماں برداری میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے ہیں، یوں آقا کو ہر طرح کی راحت وسکون میسر آتا ہے۔

فسکت: آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ خادم کو کتنا معاف کریں؟ ظاہر بات ہے کہ یہ سوال آنحضرت ﷺ کو پسند نہیں آیا، اس لئے کہ معاف کرنا ایک پسندیدہ عمل ہے، جتنا ممکن ہو اسکو اختیار کرنا چاہئے اس کی تحدید نامناسب ہے، لہٰذا آنحضرت ﷺ نے جواب دینے سے گریز کیا، یہ بھی ممکن ہے کہ وحی کے انتظار میں آنحضرت ﷺ نے سکوت کیا ہو، یہاں خادم سے نوکر اور غلام دونوں مراد ہیں۔

کل یوم سبعین مرۃ: یعنی اگر ماتحت افراد سے ستر مرتبہ قصور ہو تو بھی معاف کردو، یہاں ستر سے خاص عدد مراد نہیں ہے، بلکہ تکثیر مقصود ہے، یعنی اگر زیرنگیں لوگ بار بار غلطی کریں تو بھی معاف کردو یہی بہتر ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ سات ستر اور سات سو کے اعداد عربی میں زیادتی اور کثرت بیان کرنے کے لئے استعمال ہوئے ہیں، تھوڑی تکثیر کے لئے سات، درمیانی تکثیر کے لئے ستر، اور بے حد تکثیر کیلئے سات سو آتا ہے۔

حدیث میں سزا دینے سے رکنے اور معاف کرنے کو اختیار کرنے کی جو تاکید ہے، اس سے مراد انتقاماً مارنا اور سزا دینا ہے، اگر کوئی آقا یہ خیال کرے کہ اصلاح کے لئے مارنا مناسب ہے یا ضروری، معاف کرنا مفید نہیں ہے تو مارنا ہی بہتر ہے کوئی مضائقہ نہیں۔ (التعلیق: ۴/۹۶، مرقاۃ: ۶/۴۸۴)

تنبیہ: جب غلام کو دن میں ستر مرتبہ معاف کرنے کا حکم ہے تو اپنی بیوی اپنے بچوں اپنے تلامذہ کو ان سے کوتاہی سرزد ہونے پر کتنا معاف کرنا چاہئے اور آج ہمارا طرز عمل کیا ہے، غور کرنے کی ضرورت ہے۔

اطاعت شعار غلام کی قدر کرنا چاہئے

{٣٢٢٣} **وَعَنْ** اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لاَئَمَكُمْ مِنْ مَمْلُوْكِيْكُمْ فَاَطْعِمُوْهُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ وَاكْسُوْهُ مِمَّا تَكْسُوْنَ وَمَنْ لَا يُلَائِمُكُمْ مِنْهُمْ فَبِيْعُوْهُ وَلاَ تُعَذِّبُوْا خَلْقَ اللّٰهِ۔ (رواه احمد وابوداؤد)

حواله: مسند احمد، ١٦٨/٥، ابوداؤد شریف: ٢/٢٠٢، باب فی حق المملوک کتاب الادب، حدیث نمبر: ٥١٥٧۔

ترجمه: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ تمہارے غلاموں میں جو تمہاری مرضی کے مطابق ہوں ان کو اسی میں سے کھلاؤ جو تم کھاتے ہو، اور ان کو اسی میں سے پہناؤ جو تم پہنتے ہو، اور ان میں جو تمہاری مرضی کے مطابق نہ ہو اس کو فروخت کردو اور اللہ کی مخلوق کو عذاب نہ دو۔ (احمد، ابوداؤد)

تشریح: آقا و غلام سب کے سب انسان ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں، اس وصف میں سب ہی مشترک ہیں، آقا کو مالک ہونے کی وجہ سے غلام پر کچھ فضیلت ہے، لہٰذا آقا کو چاہئے کہ اپنے ان غلاموں کو جو اس کی مرضی کے موافق ہوں بہتر انداز میں رکھے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرے اور جو غلام مرضی کے مطابق نہ ہو، اس کو اذیت نہ دے بلکہ اس کو بیچ دے، ممکن ہے جو اس کو خریدے اس کے مزاج کے مطابق ہو۔ کیونکہ اپنے پاس رکھنے میں بار بار تنبیہ اور پٹائی کی نوبت آئے گی، جب کہ اسکی ممانعت ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "ولا تعذبوا خلق الله" اگرچہ یہ غلام ہیں لیکن اللہ کی مخلوق ہیں، لہٰذا ان کو تکلیف مت پہنچاؤ۔ (مرقاۃ: ٦/٤٨٥)

جانوروں کے ساتھ حسن سلوک

{٣٢٢٤} **وَعَنْ** سَهْلِ بْنِ الْحَنْظَلِيَّةِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ مَرَّ رَسُوْلُ

اللهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبَعِيْرٍ قَدْ لَحِقَ ظَهْرُهُ بِبَطْنِهِ فَقَالَ اِتَّقُوْا اللّٰهَ فِي هٰذِهِ الْبَهَائِمِ الْمُعْجَمَةِ فَارْكَبُوْهَا صَالِحَةً وَاتْرُكُوْهَا صَالِحَةً۔ (رواه ابوداؤد)

حواله: ابو داؤد شریف: ۲/۳۴۵، باب مایؤمر به عن القیام علی الدواب، کتاب الجهاد، حدیث نمبر: ۲۵۴۸۔

ترجمه: حضرت سہل بن حنظلیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے اونٹ کے قریب سے گذرے جس اونٹ کی کمر اس کے پیٹ سے لگی ہوئی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان بے زبان جانورں کے بارے میں اللہ سے ڈور، اچھی حالت میں ان پر سواری کرو، اور اچھی حالت میں ان کو چھوڑ دو۔(ابوداؤد)

تشریح: جانوروں کے کھانے پینے کا خیال رکھنا مالکوں پر واجب ہے، جو مالک جانوروں کی اچھی طرح دیکھ ریکھ نہیں کرے گا، اور انکی بھوک و پیاس کا خیال نہیں کریگا، وہ گنہگار ہوگا، جانور جب تھکے بھوکے پیاسے یا بیمار ہوں تو ان پر سوار نہ ہونا چاہئے، جب وہ تندرست ہوں اور بار برداری کے قابل ہوں، تب ہی ان پر بوجھ لادا جائے، اور ان پر سوار ہوا جائے،

قد لحق ظهره ببطنه: بھوک کی شدت کیوجہ سے اور پیٹ خالی ہونے کی بنا پر اونٹ کی کمر پیٹ سے لگ رہی تھی۔

اتقو الله: ان بے زبان جانوروں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو، جو قادر الکلام نہ ہو اس کو عجم اور معجم کہتے ہیں، چونکہ جانور بول نہیں پاتے اس لئے ان کو "معجمة" کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں کے ساتھ زیادتی اور ظلم کرنے پر سخت وعیدیں بھی سنائی ہیں، اور ان کے ساتھ بہتر سلوک پر خوش خبری بھی دی ہے، ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بنی اسرائیل کے اس آدمی کا واقعہ سنایا، جس نے پیاسے کتے کو پانی پلایا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی بخشش کر دی تھی، صحابہ رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا ہمارے لئے جانوروں کی خدمات میں ثواب ہے؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "كل ذات كبد رطبة اجر" ہر تر جگر والے کی خدمت میں ثواب ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی تعلیم کا اثر تھا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "کنا

اذا نزلنا منزلا لا نسبح حتی نحل الرحال" یعنی ہم صحابہ کرام کا معمول تھا کہ جب سفر میں کسی منزل پر اترتے تو پہلے اونٹوں پر سے کجاوے اور سامان اتارتے، اس کے بعد نماز وغیرہ پڑھتے تھے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام جانوروں کی راحت کا کس قدر خیال رکھتے تھے "فارکبوھا صالحة" جب جانوروں سے سواری کی جائے تو اس وقت ان پر سوار ہوا جائے جب کہ وہ تر و تازہ اور صحت مند ہوں "اتر کوھا صالحة" ان کے تھک کر چور ہو جانے سے پہلے ان پر سوار ہونے سے رک جانا چاہئے۔ (التعلیق:۹۶/۴)

{الفصل الثالث}

مال یتیم کے بارے میں ہدایات

{۳۲۲۵} **عَنِ** ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُمَا قَالَ لَمَّا نَزَلَ قَوْلُهُ تَعَالیٰ وَلاَ تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ إِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ وَقَوْلُهُ تَعَالیٰ إِنَّ الَّذِيْنَ يَأْكُلُوْنَ أَمْوَالَ الْيَتَامیٰ ظُلْمًا اَلْآيَةِ انْطَلَقَ مَنْ كَانَ عِنْدَهُ يَتِيْمٌ فَعَزَلَ طَعَامَهُ مِنْ طَعَامِهِ وَشَرَابَهُ مِنْ شَرَابِهِ فَإِذَا فَضَلَ مِنْ طَعَامِ الْيَتِيْمِ وَشَرَابِهِ شَيْءٌ حَبَسَ لَهُ حَتّٰی يَأْكُلَهُ أَوْيَفْسُدَ فَاشْتَدَّ ذَالِكَ عَلَيْهِمْ فَذَكَرُوْا ذَالِكَ لِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّی اللهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالیٰ وَيَسْأَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتَامیٰ قُلْ إِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ وَإِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ فَخَلَطُوْا طَعَامَهُمْ بِطَعَامِهِمْ وَشَرَابَهُمْ بِشَرَابِهِمْ۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۳۹۶/۲، باب مخالطة الیتیم فی الطعام، کتاب الوصایا، حدیث نمبر: ۲۸۷۱، نسائی شریف: ۲/، باب ماللوصی من مال الیتیم اذا قام علیه، کتاب الوصایا، حدیث نمبر: ۳۶۷۹۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنا حکم نازل فرمایا کہ "لا تقربوا مال الیتیم الا بالتی ھی احسن" [یتیموں کے مال کے پاس مت جاؤ مگر بہت اچھے طریقے سے]، اور اللہ تعالیٰ کا فرمان "ان الذین الخ" [اور جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں الخ]، تو جس کے پاس بھی کوئی یتیم تھا اس کا کھانا اور اس کا پینا اپنے کھانے اور پینے سے الگ کر دیا، چنانچہ جب یتیم کے کھانے پینے سے کچھ بچ جاتا تو اسی کے لئے رکھ دیا جاتا، یہاں تک کہ وہ اس کو کھالیتا یا وہ خراب ہو جاتا، یہ چیز جب لوگوں کے لئے دشوار ہوئی تو اس کا ذکر حضرت رسول اکرم ﷺ سے کیا تو اللہ تعالیٰ نے حکم نازل فرمایا "ویسئلونك عن الیتمیٰ الخ" [آنحضرت ﷺ سے پوچھتے ہیں یتیموں کے بارے میں آنحضرت ﷺ فرمایئے کہ ان کے ساتھ خیر خواہی کرنا بہتر ہے، اور اگر تم ان کا خرچ ملا لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں]، تو انہوں نے ملا لیا اپنے کھانے کو ان کے کھانے کے ساتھ اور اپنے پینے کی چیز کو ان کے پینے کی چیز کے ساتھ۔ (ابوداؤد، نسائی)

تشریح: فعزل طعامه: جو لوگ یتیم بچوں کے سرپرست تھے، شروع میں وہ بچوں کا کھانا اپنے کھانے کے ساتھ شرکت میں تیار کراتے تھے، اس میں یتیموں کا بڑا فائدہ تھا، الگ سے کھانا پکانے کے جو مزید اخراجات ہوتے ہیں وہ یتیموں کے بچ جاتے تھے، لیکن جب آیات مذکورہ کا نزول ہوا، تو یتیموں کے سرپرستوں نے احتیاطاً یتیموں کے کھانے پینے کا مستقل نظم کیا، اپنے کھانے پینے سے الگ ان کا انتظام شروع کیا، "حبس له" جب الگ سے یتیموں کا کھانا پکنے لگا تو اکثر کچھ نہ کچھ بچتا ایسے میں یتیموں کو باسی کھانا پڑتا، اور کبھی کھانا خراب ہو کر ضائع بھی ہوتا، اس میں یتیموں کا سخت نقصان ہوتا، آپ ﷺ سے اس کا ذکر کیا گیا تو اس پر وہ دوسری آیت نازل ہوئی، جس کا ذکر حدیث میں ہے اس آیت کے نزول کے بعد حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسے پہلے یتیموں کے ساتھ شرکت میں کھانے پینے کا نظم کرتے تھے، از سر نو شروع کیا۔

خلاصہ حدیث یہ ہے کہ یتیم کے مال کو ہڑپ کرنا سخت گناہ کا باعث ہے اور یتیم کے مال سے پیٹ بھرنا درحقیقت اپنے پیٹ میں آگ کے انگارے بھرنا ہے، اور یتیموں کے مالوں کیساتھ اختلاط سے اصل مقصود یتیموں کو فائدہ پہنچانا ہو ان کی خیر خواہی اور ہمدردی پیش نظر ہو اپنے مفاد کا تحفظ پیش نظر نہ ہو۔

تفریق ڈالنے والا ملعون ہے

{۳۲۲۶} **وَعَنْ** اَبِیْ مُوْسیٰ رَضِیَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ فَرَّقَ بَیْنَ الْوَالِدِ وَوَلَدِهٖ وَبَیْنَ الْاَخِ وَبَیْنَ اَخِیْهِ۔

(رواه ابن ماجه والدارقطنی)

حواله: ابن ماجه: ۱۶۲، باب النهی عن التفریق بین السبی، کتاب التجارات، حدیث نمبر: ۲۲۵۰، دارقطنی: ۲/۲۷، کتاب البیوع۔

ترجمه: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص پر لعنت فرمائی ہے کہ جو باپ اور بیٹے کے درمیان جدائی یا دو بھائیوں کے درمیان جدائی ڈالے۔ (ابن ماجہ، دارقطنی)

تشریح: جس شخص کی ملکیت میں باپ اور اس کا کم سن بچہ جمع ہوں یا دو بھائی جمع ہوں اور وہ دونوں چھوٹے ہوں یا ان میں سے ایک چھوٹا ہو، تو بیع یا ہبہ کے ذریعہ ان میں جدائی کرنا درست نہیں ہے، اگر کسی نے بیع کی تو اس کو چاہئے کہ بیع فسخ کردے۔

من فرق بین الوالد وولده: جس بیع کے ذریعہ تفریق کی گئی ہو وہ بیع امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے، جب کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایسی بیع فاسد ہے، جس طرح باپ اور اس کے کمسن بچہ کے درمیان تفریق ممنوع ہے، اسی طرح ذی رحم محرم کے درمیان تفریق ممنوع ہے، بعض لوگوں نے تفریق سے مراد پھوٹ ڈالنا لیا ہے، یعنی ایسے شخص پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت لعنت فرمائی ہے، جو لگائی بجھائی کرکے رشتہ داروں میں پھوٹ ڈالے۔

دو رشتہ دار قیدیوں میں تفریق کرنا

{۳۲۲۷} **وَعَنْ** عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَتٰی بِالسَّبِیِّ اَعْطَی اَهْلَ الْبَیْتِ جَمِیْعًا کَرَاهِیَةَ

اَنْ يُّفَرِّقَ بَيْنَهُمْ۔ (رواه ابن ماجه)

حواله: ابن ماجه شريف: ۱۶۲، باب النهي عن التفريق بين السبي، كتاب التجارات، حديث نمبر: ۲۲۴۹۔

ترجمه: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب قیدی لائے جاتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں سے کسی ایک کو سارے گھر والوں کو اکٹھا عطا کر دیتے تھے، اس وجہ سے کہ انکے درمیان جدائی ڈالنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند نہ تھا۔ (ابن ماجہ)

تشریح: اگر کسی کی ملکیت میں چند ذی رحم محرم جمع ہوں، تو بیع یا ہبہ کے ذریعہ ان میں جدائیگی نہ ڈالی جائے، اور اگر کہیں سے قید ہو کر چند ذی رحم محرم غلام آئیں، تو ان کو کسی ایک ہی فوجی کے حوالہ کیا جائے، ان کو منتشر نہ کیا جائے، تاکہ وہ وحشت کا شکار نہ ہوں۔

جمیعاً: یہ حال ہے تاکید کے لئے، مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک گھر کے چند افراد کسی غزوہ سے گرفتار ہو کر یا کسی طور پر قید ہو کر آتے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو کسی ایک شخص کو عطا کرتے، ان کو مختلف لوگوں پر تقسیم کر کے ان کے درمیان جدائیگی نہیں ڈالتے تھے، کیونکہ ان کو الگ کرنے سے ان کو تکلیف ہوگی، ان کی تکلیف اور وحشت کی وجہ سے ان کو الگ الگ کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند نہیں تھا۔

فائدہ: غلاموں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت وشفقت ظاہر ہے۔

برے کون لوگ؟

{۳۲۲۸} **وَعَنْ** اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلَا اُنَبِّئُكُمْ بِشِرَارِكُمُ الَّذِيْ يَأْكُلُ وَحْدَهُ وَيَجْلِدُ عَبْدَهُ وَيَمْنَعُ رِفْدَهُ۔ (رواه رزين)

حواله: رزین۔

ترجمه: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا: کہ کیا میں تم کو نہ بتاؤں کہ تم میں کون برا ہے؟ وہ شخص جو اکیلا کھاتا ہے، اپنے غلام کو مارتا ہے اور اپنی بخشش کو روکتا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں چندان خصلتوں کا تذکرہ ہے، جو انتہائی معیوب ہیں، جس انسان کے اندر یہ خصلتیں ہوں گی وہ انسان مبغوض ہوگا۔

(۱)......سب سے الگ ہو کر کھانا یہ حرص اور بدخلقی اور تنہائی کی دلیل ہے، اسلئے بہت بری خصلت ہے۔

(۲)......غلام کو بلا وجہ مارنا، بہت نازیبا حرکت ہے، اور اس بات کو فراموش کرنا ہے کہ جتنی قدرت اس غلام پر میری ہے، اس سے بہت زیادہ قدرت اللہ کو مجھ پر ہے۔

(۳)......اپنی بخشش وسخاوت سے لوگوں کو محروم رکھنا، اور کسی کو فائدہ نہ پہنچانا بھی انسانیت کیخلاف ہے، اس سے انسان برا شمار ہوتا۔

ویمنع رفده: اپنی عطایا اور بخشش سے مستحق لوگوں کو محروم رکھتا ہے، یعنی یہ شخص بخیل بھی ہے حریص بھی ہے، اور بدخلق بھی ہے، اس لئے سخت ناپسندیدہ ہے صاحب مرقات نے روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کیا میں ایسے شخص کے بارے میں تم کو نہ بتاؤں جو تم لوگوں میں سب سے برا ہے، یہ وہ شخص ہے جس نے اکیلے کھایا، اپنے عطیہ کو روکے رکھا، اکیلے سفر کیا اور اپنے غلام کو مارا کیا میں تم کو اس سے زیادہ برے کو نہ بتاؤں؟ یہ وہ شخص ہے جو لوگوں سے نفرت کرتا ہے اور لوگ اس سے نفرت کرتے ہیں، اور کیا میں اس سے بھی زیادہ برے کو نہ بتاؤں؟ یہ وہ شخص ہے جس نے اپنی آخرت دوسرے کی دنیا کے لئے فروخت کردی اور کیا میں تم کو اس سے زیادہ برے شخص کو نہ بتاؤں؟ وہ شخص ہے جس نے دین کے ذریعہ دنیا کمائی۔ (مرقات: ۶/۳۸۸)

مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں میں یہ تین خصلتیں موجود ہوں وہ دنیا کے بدترین لوگ ہیں اس لئے کہ ان سے کسی مخلوق کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ اور اپنے ماتحتوں کو نفع پہنچانے کے بجائے الٹا انہیں تکلیف پہنچاتا ہے۔

غلام سے بداخلاقی جنت سے محرومی ہے

{۳۲۲۹} **وَعَنْ** اَبِی بَکْرٍ الصِّدِّیْقِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ سَیِّئُ الْمَلَکَۃِ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَلَیْسَ اَخْبَرْتَنَا اَنَّ ھٰذِہِ الْاُمَّۃَ اَکْثَرُ الْاُمَمِ مَمْلُوْکِیْنَ وَیَتَامٰی قَالَ نَعَمْ فَاَکْرِمُوْھُمْ کَکَرَامَۃِ اَوْلَادِکُمْ وَاَطْعِمُوْھُمْ مِمَّا تَاْکُلُوْنَ قَالُوْا فَمَا تَنْفَعُنَا الدُّنْیَا قَالَ فَرَسٌ تَرْبِطُہٗ تُقَاتِلُ عَلَیْہِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَمَمْلُوْکٌ یَکْفِیْکَ فَاِذَا صَلّٰی فَھُوَ اَخُوْکَ۔ (رواہ ابن ماجہ)

حوالہ: ابن ماجہ شریف: ۲۶۲، باب الاحسان الی ممالیک، کتاب الادب، حدیث نمبر: ۳۶۹۱۔

ترجمہ: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ غلاموں کے ساتھ بدسلوکی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا، لوگوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خبر نہیں دی کہ اس امت میں دیگر امتوں کے مقابلہ میں غلاموں اور یتیموں کی تعداد زیادہ ہوگی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں، لہٰذا تم ان پر اسی طرح مہربانی کرو جیسی مہربانی اپنی اولاد کے ساتھ کرتے ہو اور اسی میں سے ان کو کھلاؤ جو تم کھاتے ہو، لوگوں نے عرض کیا کہ دنیا میں کون چیز ہمیں نفع پہنچانے والی ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ گھوڑا جس کو تم اللہ کے راستے میں جہاد کرنے کے لئے پالتے ہو، اور ایک غلام جو تمہیں کفایت کرے، جب وہ نماز پڑھے وہ تمہارا بھائی ہے۔ (ابن ماجہ)

تشریح: لایدخل الجنۃ: غلاموں کو بلا سبب مارنا پیٹنا اور ان کے حقوق ادا نہ کرنا یہ غلام کے ساتھ بدسلوکی ہے، ایسے شخص کو جنت میں دخول اولی نصیب نہیں ہوگا، اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد جنت میں داخلہ ملے گا۔

نعم: یعنی اس امت میں غلاموں اور یتیموں کی تعداد زیادہ ہوگی، وجہ جہاد وقتال ہے، اب

چوں کہ مسلمان اس فریضہ سے غافل ہیں، لہٰذا ان کو غلام بھی میسر نہیں ہیں۔

کرامة اولادکم: مطلب یہ ہے کہ بڑوں اور بزرگوں کی طرح غلاموں کی عزت وتوقیر کرنا مقصود نہیں ہے، بلکہ اولاد کے مانند ان کے ساتھ شفقت ومحبت کرنے کی تاکید ہے۔

واطعموہم مماتاکلون: غلاموں کی کثرت کے متعلق صحابہ رضی اللہ عنہم کا دریافت کرنا اس مقصد سے تھا کہ جب ان کی کثرت ہوگی، تو ان کے ساتھ بدسلوکی کا امکان قوی ہے، ایسے میں تو ہمارے لئے سخت دشواری ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑا حکیمانہ جواب دیا کہ اگر کسی شخص کی اولاد زیادہ ہو تو کیا اس کی محبت میں کمی ہوتی ہے، لہٰذا غلاموں سے اولاد کی طرح محبت کرو، ان کے اوپر اولاد کے مانند شفقت کرو۔

فرس ترتبطہ: جو گھوڑا جہاد کی غرض سے تیار کیا جاتا ہے، اس سے دینوی ہزاروں منافع بھی حاصل ہوتے ہیں، سب سے بڑھ کر اسی کے ذریعہ سے مال غنیمت کا حصول ہوتا ہے، دشمن پر رعب پڑتا ہے، جس کی وجہ سے اس کی طرف سے امن رہتا ہے۔

ومملوک یکفیک: یعنی وہ دینوی امور جن کی وجہ سے آخرت کی بھرپور تیاری نہیں ہو پاتی ہیں، ان کی انجام دہی کے لئے ایک غلام کافی ہے۔

فاذا صلی: یعنی اگر وہ غلام نماز کا پابند ہے تو زیادہ قدر کے لائق ہے، اس لئے اس کو اپنا بھائی سمجھ کر برتاؤ کرو یعنی اس کیساتھ شفقت ومحبت کا بھائی جیسا معاملہ کرو۔ (مرقاۃ:۶/۴۸۹، طیبی:۶/۴۳۴)

{باب بلوغ الصغیر وحضانته فی الصغر}

چھوٹے بچہ کا بلوغ اور حق پرورش

اس باب کے تحت کل چھ روایتیں درج کی گئی ہیں، جو بلوغ اور بچوں کے حق پرورش وتربیت کے متعلق ہیں۔

بلوغ

شرع اسلامی میں انسان اسی وقت تمام احکام کا مکلف اور پابند ہوتا ہے، جب وہ بالغ ہو جائے، اس لئے کہ بلوغ عام حالات میں فہم وشعور، جسمانی نشو ونما اور صلاحیت کی ایک منزل تک پہنچ جانے کی علامت ہے، چنانچہ بالغ ہونے کے بعد حسب صلاحیت تمام عبادتیں اس پر فرض ہوجاتی ہیں، نکاح وطلاق، خرید وفروخت، ہبہ ووصیت، وقف وعاریت، اجارہ وکفالت وغیرہ جملہ معاملات میں وہ مختار ہو جاتا ہے، نابالغی کی حالت میں باپ دادا کے علاوہ کسی اور ولی کے نکاح کی صورت میں بالغ ہوتے ہی اسے اختیار حاصل ہوتا ہے کہ چاہے تو اس نکاح کو باقی رکھے، ورنہ رد کردے اسے فقہ کی اصطلاح میں "خیار بلوغ" کہتے ہیں۔

علامات بلوغ

بلوغ کی ایک علامت تو مرد وعورت کے درمیان مشترک ہے اور وہ ہے بیداری یا نیند کی حالت میں انزال منی، کچھ علامتیں عورتوں کے ساتھ مخصوص ہیں حیض (ماہواری کا جاری ہونا) اور حاملہ ہوجانا۔

(قدوری: ۹۳، کتاب الحجر، ہندیہ، ۳/ ۹۰۳)

اس کے علاوہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے زیر ناف سخت بال کے اُگ آنے کو بھی بلوغ کی

علامت قرار دیا ہے، سخت بال سے مراد یہ ہے کہ صرف سبزہ نہ ہو، چھاتیوں کے ابھار کو بھی بعض حضرات نے عورتوں کے بلوغ کی علامت قرار دیا ہے، بعض فقہاء کے یہاں بغل اور مونچھوں کے بال کو بھی علامت بلوغ میں شمار کیا گیا ہے۔ (الجوہرۃ النیرۃ)، ائمہ ثلاثہ کے یہاں بھی موئے زیر ناف علامت بلوغ ہے۔ (حاشیہ الشرح الصغیر للصاوی: ۴۰۴/ ۳)

اور اگر عام عادت کے لحاظ سے یہ علامات بروقت ظاہر نہ ہوں تو اب عمر کے اعتبار سے بلوغ کا فیصلہ کیا جائے گا، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ۱۸ر سال میں لڑکوں اور ۱۷ر سال میں لڑکیوں کے بلوغ کا فیصلہ کیا جائے گا، امام شافعی، امام مالک، امام احمد، قاضی ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کے نزدیک ہر دو کے لئے عمر بلوغ ۱۵ر سال ہے۔ (قدوری: ۹۳) اور اسی پر فتویٰ ہے۔ (فتاوی ہندیہ ۶۰۲/ ۳)

دراصل اس مسئلہ کا تعلق ہر جگہ کے جغرافیائی اور موسمی حالات، غذا، ماحول اور معاشرت وغیرہ سے ہے اور فقہ سے زیادہ اس مسئلہ کا تعلق طب سے ہے۔

بلوغ کی کم سے کم عمر احناف کے نزدیک لڑکوں کے لئے ۱۲ر سال ہے اور لڑکیوں کے لئے ۹ر سال، اس سے کم عمر میں اگر بلوغ کا دعویٰ کریں تو معتبر نہ ہوگا، سوائے اس کے کہ ظاہری حالات اور قرائن سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہو اور اس صورت میں اس کے ساتھ احکام بالغوں جیسے ہوں گے۔

(فتاوی ہندیہ ۶۰۲/ ۳، قاموس الفقہ: ۳۲۶/ ۲)

حضانت (پرورش)

حضانت "حضن" سے ماخوذ ہے، حضن کے معنی پہلو کے حصہ کے ہیں، پرندے جب اپنے انڈے پروں کے نیچے ڈھانپ لیتے ہیں، تو عربی زبان میں کہا جاتا ہے "حضنت الطائر بیضها" (فقہ السنہ: ۳۳۸/ ۲) عورت کا بچہ کی پرورش کرنا ٹھیک اسی ممتا کا مظہر ہے۔ جو ایک بے زبان مادہ کو اس بات پر مجبور کرتا ہے، کہ وہ انڈوں یا چھوٹے بچوں کو اپنی آغوش محبت میں سمیٹ لے، فقہ کی اصطلاح میں نابالغ لڑکی، یا کم عقل بالغ لڑکے اور لڑکی جن میں تمیز کی صلاحیت نہ ہو، کی پرورش، ان کی مصلحتوں کی نگرانی، موذی اور مضر چیزوں سے حفاظت اور ایسی جسمانی، نفسانی اور عقلی تربیت کہ وہ مقتضیات زندگی کی

تکمیل کر سکے اور اپنے فرائض ادا کرنے کا اہل ہو جائے۔ "حضانت" ہے۔

(الاحکام الفقہیہ فی المذاہب الاسلام الاربعۃ للشیخ محمد عارف: ۲/۴۳۵)

حضانت: یعنی حق پرورش کے مسئلہ میں کئی باتیں قابل توجہ ہیں:

(۱)......حضانت کے حق دار کون لوگ ہیں؟

(۲)......جن لوگوں کو حق پرورش اصولی طور پر حاصل ہے، اس حق سے فائدہ اٹھانے کے لئے ان میں کن شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے؟

(۳)......حق پرورش کی مدت کیا ہے؟

(۴)...... پرورش کس جگہ کی جائے گی؟

نیچے ان ہی مسائل پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالی جائے گی۔

پرورش کے حقدار

پرورش کا حق عمر کی ایک حد میں عورتوں کو اور اس کے بعد مردوں کو حاصل ہوتا ہے، البتہ حق پرورش کے معاملہ میں شریعت نے عورتوں کے طبعی رفق، شفقت اور چھوٹے بچوں کی طبعی صلاحیت، نیز خود ماں کی ممتا اور اس کے جذبات مادری کی رعایت کرتے ہوئے عورتوں کو اولیت دی ہے، علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں: "الاصل فیھا النساء لانھن اشفق وارفق واھدی الی تربیۃ الصغار"۔ (بدائع زکریا: ۳/۴۵۶)

اس بات پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ حق پرورش میں ماں سب سے پہلے اور مقدم ہے، اس کے بعد پھر جو رشتہ کے اعتبار سے زیادہ قریب ہو، چنانچہ ماں کے بعد نانی چاہے وہ بالائی پشت کی ہو، نانی نہ ہو تو دادی اور دادی میں بھی یہی ترتیت ہے، کہ وہ دادی نہ ہو تو پردادی بہن سے زیادہ مستحق ہے، دادی کے بعد بہن، بہن کے بعد خالہ، خالہ کے بعد پھوپیوں کا درجہ ہے، بہن، خالہ پھوپی، ان سب میں یہ ترتیب بھی ہے کہ ماں باپ دونوں کی شرکت کے ساتھ جو رشتہ ہو وہ مقدم ہے، اس کے بعد ماں شریک اور اس کے بعد باپ شریک کا درجہ ہے۔ (ہدایہ: ۲/۴۳۴)

اگر خواتین میں کوئی مستحق نہ ہو تو پھر حق پرورش ان مردوں کی طرف لوٹے گا جو عصبہ رشتہ دار ہوں اور ان رشتہ داروں میں جو وارث ہونے کے اعتبار سے مقدم ہوگا وہی حق پرورش کا بھی ذمہ دار ہوگا، فقہاء نے مردوں میں حق پرورش کی ترتیب یوں لکھی ہے، باپ، دادا، پردادا وغیرہ، اس کے بعد سگا بھائی، پھر باپ شریک چچا، پھر چچازاد بھائی، اس کے بعد باپ شریک چچا کا لڑکا، بشرطیکہ جس کی پرورش کی جارہی ہو وہ لڑکا ہو، لڑکی نہ ہو، انکے بعد باپ کے چچا اور دادا کے چچا وغیرہ کا حق ہے۔ (بدائع: ۴۳/۴)

اگر ایک ہی درجہ کے ایک سے زیادہ مستحق پرورش موجود ہوں اور سب پرورش کے خواہاں ہوں تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ورع وتقویٰ اور اس کے بعد کبر سنی کی بناء پر ترجیح دی جائے گی جب کہ حنابلہ کے نزدیک قرعہ اندازی سے کام لیا جائیگا، لڑکی کے عصبہ رشتہ داروں میں اگر کوئی محرم موجود ہو، مثلاً صرف چچازاد بھائی ہو تو اب اس کی پرورش و پرداخت کی ذمہ دار قاضی کی طرف منتقل ہوجائے گی اور وہ جسے مناسب سمجھے گا حوالہ کردے گا، اگر چاہے تو کسی رشتہ دار یا خود چچازاد بھائی کے حوالہ کرے اور چاہے تو کسی اور قابل اعتماد مسلمان خاتون کی پرورش میں دیدے۔ (بدائع: ۴۳/۴)

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ماں کی طرف سے جو مرد رشتہ دار ہیں، جیسے ماں کا شریک بھائی، نانا، ماموں ان کو کسی طرح حق پرورش حاصل نہیں ہوتا، البتہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بچی کا حق پرورش بمقابلہ چچازاد بھائی کے ماموں کو ہوگا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا بھی قول راجح یہی ہے، کہ پدری رشتہ دار نہ ہو تو مادری رشتہ داروں میں مردوں کو حق پروش حاصل ہوسکتا ہے۔

(بدائع: ۴۳/۴، المغنی: ۶۲۳/۷)

حق پرورش کیلئے شرطیں

حق پرورش کے لئے ضروری ہیکہ جس کی پرورش کی جائے وہ نابالغ ہو اور اگر بالغ ہو تو عقل کے اعتبار سے متوازن نہ ہو (معتوہ) بالغ اور ذی ہوش (رشید) لڑکے اور لڑکیاں، والدین میں سے جس کے ساتھ رہنا چاہیں رہ سکتے ہیں، لڑکے ہوں تو ان کو تنہا بھی رہنے کا حق حاصل ہے، لڑکی ہو تو اس کو تنہا رہنے کی اجازت نہ ہوگی۔ (المغنی: ۶۱۴/۷)

حق پرورش کے لئے کچھ شرطیں وہ ہیں جو عورتوں اور مردوں دونوں کے لئے ضروری ہیں، کچھ شرطیں مردوں سے متعلق ہیں، اور کچھ عورتوں سے متعلق، عورتوں اور مردوں کے لئے مشترکہ اوصاف میں سے یہ ہے کہ پرورش کرنے والا عاقل و بالغ ہو۔ (بعض لوگوں نے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ فاسق نہ ہو، لیکن حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے کہ فسق جتنا عام ہے، اس کے تحت اس قسم کی شرط لگانا بچوں کے حق میں مفید نہ ہوگا، اس لئے بھی کہ اکثر اوقات فاسق و فاجر ماں باپ بھی اپنے بچوں کے لئے فسق و فجور کی راہ کو پسند نہیں کرتے۔ (المغنی: ۶۱۲۲/۲، فقہ السنہ: ۳۴/ ۲)

حقیقت یہ ہے کہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی رائے عین قرین قیاس ہے، بشرطیکہ پرورش کرنے والی ایسی پیشہ ور فاسقہ نہ ہو کہ اس سے اپنے زیر پرورش بچوں کو غلط راہ پر ڈال دینا غیر متوقع نہ ہو۔

(شامی: ۶۳۳/ ۲)

ائمہ ثلثہ کے نزدیک حق پرورش کے لئے مسلمان ہونا بھی ضروری ہے۔ (المغنی: ۶۱۶/ ۷)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جب تک بچوں میں دین کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا نہ ہو جائے کافرہ ماں کو بھی بچہ پر حق پرورش حاصل ہے۔ یہی رائے فقہائے مالکیہ میں ابن قاسم مالکی کی ہے، ہاں البتہ اگر عورت اسلام سے مرتد ہو جائے تو اس کو حق پرورش احناف کے یہاں بھی باقی نہ رہے گا۔

(ہدایہ: ۴۳۷/ ۲، شرح المہذب: ۱۸)

غلامی بھی حق پرورش میں مانع ہے، غلام یا باندی اس حق سے محروم رہیں گے، کہ وہ بچہ کی مناسب پرورش و پرداخت کے لئے وقت فارغ نہیں کر سکتے۔ (بدائع: ۴۲/ ۴)

عورتوں کے لئے حق پرورش کی خاص شرط یہ ہے کہ وہ بچہ کی محرم رشتہ دار ہو، "ان تکون المرأة ذات رحم محرم من الصغار"۔ (بدائع: ۴/ ۴۱)

دوسرے اس نے کسی ایسے مرد سے نکاح نہ کیا ہو، جو اس زیر پرورش بچہ کا محرم نہ ہو، اگر ایسے اجنبی شخص سے نکاح کر لیا تو اس کا حق پرورش ختم ہو جائے گا، ہاں اگر اس کا نیا شوہر بچہ کا محرم ہو، جیسے بچہ کے چچا سے نکاح کر لے، یا بچہ کی نانی اس کے دادا سے نکاح کرلے تو اس کے حق پرورش پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، روایت موجود ہے کہ ایک خاتون کو حق پرورش دیتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: "انت

احق به مالم تنکحی"۔ تو اس کی زیادہ حقدار ہے جب تک تو نکاح نہ کرے۔

(شرح المھذب:۱۸/۳۲۵،بدائع:۴/۴۲)

مردوں کو حق پرورش حاصل ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اگر زیر پرورش لڑکی کا مسئلہ ہو تو وہ مرد اس کا محرم ہوتا ہو۔البتہ اگر کوئی دوسرا پرورش کنندہ موجود نہ ہو،اور قاضی مناسب سمجھے اور مطمئن ہو تو وہ چچازاد بھائی کے پاس بھی لڑکی کو رکھ سکتا ہے،لڑکی کا حق پرورش جس کو دیا جائے ضروری ہے کہ وہ مرد امین اور قابل اعتماد ہو، یہاں تک کہ بھائی اور چچا ہی کیوں نہ ہو،لیکن فسق وخیانت کی وجہ سے اس پر اطمینان نہ محسوس کیا جائے تو اسے حق پرورش حاصل نہ ہو سکے گا۔"فان کان لا یؤتمن لفسقه ولخیانته لم یکن له فیها حق"۔ (بدائع:۴/۴۳)

مالکیہ کے یہاں یہ بھی شرط ہے کہ اس مرد کیساتھ کوئی بھی ایسی خاتون ماں،بیوی وغیرہ موجود ہوں،جو اس بچہ کی پرورش کرسکیں،تنہا مرد بچہ کی پرورش کرنے کا حق دار نہیں۔(الفقہ الاسلامی وادلتہ:۷/۷۳۰)

حضانت کے سلسلہ میں جو شرطیں مطلوب ہیں اگر ان میں سے کوئی موجود نہ ہو،جس کی وجہ سے حق حضانت سے محروم کردیا گیا،لیکن پھر یہ رکاوٹ ختم ہوگئی،مثلاً ماں نے کسی اجنبی سے شادی کی،لیکن اس سے طلاق واقع ہو چکی ہے،یا پاگل ہوگیا تھا اور اب صحت مند ہو چکا ہے،تو اس کا حق پرورش لوٹ آئے گا،البتہ ان شرطوں کے نہ پائے جانے کے علاوہ ایک اور سبب ہے جو حق پرورش سے محروم کردیتا ہے،اور وہ ہے پرورش کرنے والے کا طویل سفر کرنا،امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں چھ برید اور واضح ہو کہ ہر برید بارہ میل کا ہوتا ہے،کا سفر حق حضانت کو ختم کردیتا ہے،حنفیہ کے یہاں اتنی دور کا سفر کرے کہ بچہ کا باپ دن کو نکل کر اور بچہ کو دیکھ کر رات کو واپس نہ آسکے تو ماں کا حق پرورش ختم ہو جائے گا،دوسری خواتین کا حق پرورش تو اس شہر سے محض منتقل ہو جانے ہی سے ختم ہو جائے گا،خواہ اس کی دوری کچھ بھی ہو،شوافع کے یہاں ایسی جگہ کا سفر حق پرورش کو ختم کردیتا ہے،جہاں قیام،خوف سے خالی نہ ہو،(مکان مخوف) یا معمولی جگہ ہو لیکن مستقل طور پر نقل سکونت کی نیت ہو،فقہاء حنابلہ کی رائے شوافع سے قریب ہے۔(ایضاً)

حق پرورش کی مدت

ماں اور دادی، نانی کو اس وقت تک لڑکوں کا حق پرورش حاصل ہوگا، جب تک کہ خود ان میں کھانے پینے، استنجاء کرنے اور کپڑے پہننے وغیرہ کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔ امام ابوبکر خصاف رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی مدت کا اندازہ سات آٹھ سال سے کیا ہے، اور اسی سات سال والے قول پر فتوی ہے، اس کے بعد چونکہ لڑکوں کو تہذیب وثقافت اور آداب واخلاق کی ضرورت ہے۔ اس لئے بچے باپ کے حوالے کر دئے جائیں گے، لڑکیاں ہوں تو بالغ ہونے کے بعد باپ کے حوالے کر دی جائیں گی، دادی، نانی اور ماں کے سوا دوسری پرورش کنندہ خواتین لڑکیوں کو اس عمر تک اپنے پاس رکھیں گی، جب تک اس کی طرف مردوں کا شہوت کے ساتھ میلان نہ ہو سکے وہ عمر اشتہا کو نہ پہنچ جائے۔ (ہدایہ:۴۳۵/۲)

یہ رائے احناف کی ہے، مالکیہ کے یہاں لڑکے کے بالغ ہونے اور لڑکی کے نکاح اور شوہر کے اس سے دخول تک ماں کا حق پرورش باقی رہے گا۔ (الشرح الصغیر:۷۸۵/۲)

البتہ احناف اور مالکیہ کے نزدیک ماں اور باپ میں سے کسی کو اختیار نہیں دیا جائے گا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک لڑکے اور لڑکی جب ان کی عمر سات آٹھ سال ہو جائے اور عقل و تمیز پیدا ہو جائے تو قاضی بچوں کو اختیار دے گا اور وہ والدین میں سے جس کے ساتھ رہنا چاہیں اس کے ساتھ رہیں گے۔ (شرح المہذب:۳۳۷/۱۸) یہی رائے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ (المغنی:۱۹۱/۸) البتہ یہ ضرور ہے کہ وہ جس کا بھی انتخاب کرے اس کے پاس رہے گا، لیکن دوسرے کو بھی اس سے ملاقات اور آمد ورفت کا حق رہے گا۔ (شرح المہذب:۳۳۷/۱۸)

پرورش کس جگہ کی جائے؟

بچہ کے والدین میں اگر رشتہ نکاح موجود ہو تو ظاہر ہے کہ بچہ کی پرورش ایسی جگہ ہوگی جہاں زوجین موجود رہیں، اگر شوہر زوجین کے مقام سکونت سے دوسری جگہ تنہا چھوٹے بچے کو لے جائے تو اس کے لئے اس کی اجازت نہیں، اور عورت شوہر کی اجازت کے بغیر خود کہیں جائے اور بچہ کو لے جائے تو یہ بھی

جائز نہیں، مسئلہ اس وقت پیدا ہوتا ہے، جب کہ زوجین میں علاحدگی ہو چکی ہو، اور عدت بھی گذر چکی ہو، ایسی صورت میں بچہ کی پرورش کہاں ہونی چاہئے، علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر تفصیل سے گفتگو کی ہے، جس کا خلاصہ اس طرح ہے کہ:

(۱)......اگر عورت دارالحرب کی رہنے والی ہو تو وہ بچہ کو دارالحرب نہیں لے جاسکتی۔

(۲)......عورت ایسی معمولی مسافت پر بچہ کو لے جاسکتی ہے کہ باپ روز اپنے بچہ کو دیکھ کر واپس آسکے۔

(۳)......بچہ کو دوسرے شہر لے جانا چاہے اور اس کی دوری زیادہ ہو تو وہ ایسے شہر تک بچہ کو لے جاسکتی ہے جہاں اس کا میکہ ہو اور وہیں اس مرد کے ساتھ عورت کا نکاح ہوا ہو، اگر میکہ ہو، لیکن مقام عقد نہ ہو، یا مقام عقد ہو لیکن وہاں عورت کا میکہ نہ ہو، دونوں صورتوں میں بچہ کو وہاں منتقل کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔

(۴)......عورت بچہ کو شہر سے دیہات منتقل کرنا چاہے جہاں اس کا میکہ بھی ہے، لیکن وہ مقام عقد نہیں ہے، تو گو یہ دیہات شہر سے قریب ہو پھر بھی عورت بچہ کو یہاں منتقل کرنے کی مجاز نہیں کہ اہل دیہات کے اخلاق وعادات اہل شہر سے کمتر ہوتے ہیں۔ (بدائع: ۴۴،۴۵/ ۴)

چند ضروری احکام

حضانت سے متعلق چند ضروری اور متفرق احکام نیچے لکھے جاتے ہیں۔

☆......حق پرورش صرف ماں کا حق نہیں، بلکہ بچہ کا بھی ہے حق ہے۔ لہٰذا اگر عورت اس شرط پر خلع کرے کہ وہ حق پرورش سے دست بردار ہو جائے گی تو خلع درست ہو جائے گا، لیکن یہ شرط باطل ہو جائے گی، اور عورت کا حق پرورش باقی رہے گا۔ (البحر الرائق: ۱۸۰/ ۴)

☆......ہاں اگر عورت خود بچہ کی پرورش نہ کرنا چاہے اور بچہ کی بقاء کے لئے ماں کا پرورش کرنا ضروری نہ ہو، مثلاً وہ دوسری عورت کا بھی دودھ پی لیتا ہو تو ماں کو پرورش پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

☆......عدت گذر جانے کے بعد تین واجبات کی ادائیگی والد کے ذمہ ہوگی، عورت کو پرورش کی اجرت، بچہ کے اخراجات اور بچہ دودھ پیتا ہو تو عورت کے مطالبہ پر اس کی مستقل اجرت۔ (منحۃ الخالق علی البحر: ۱۸۰/ ۴)

☆...... نیز احناف اور مشہور قول کے مطابق مالکیہ اس مکان کا کرایہ بھی بچہ کے باپ کی ذمہ رکھتے ہیں، جس میں بچہ اور اس کی پرورش کے لئے عورت قیام پذیر ہو۔ (الفقہ الاسلام ادلتہ: ۷۳۵/۷،) یہ سب تفاصیل قاموس الفقہ: ۲۶۲، ۲۶۷/۳، سے ماخوذ ہیں۔

{الفصل الاول}

عمر بلوغت

{۳۲۳۰} **عَنِ** ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ عُرِضْتُ عَلیٰ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَامَ اُحُدٍ وَاَنَا ابْنُ اَرْبَعَ عَشْرَۃَ سَنَۃً فَرَدَّنِیْ ثُمَّ عُرِضْتُ عَلَیْہِ عَامَ الْخَنْدَقِ وَاَنَا ابْنُ خَمْسَ عَشْرَۃَ سَنَۃً فَاَجَازَنِیْ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِیْزِ ھٰذَا فَرْقُ مَابَیْنَ الْمُقَاتِلَۃِ وَالذُّرِّیَّۃِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۳۶۶، باب بلوغ الصبیان، کتاب الشھادات، حدیث نمبر: ۲۶۶۴، مسلم شریف: ۲/۱۳۱، باب بیان سنن البلوغ، کتاب الامارۃ، حدیث نمبر: ۱۸۶۸۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوہ احد کے موقع پر مجھ کو جناب حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا اس وقت میری عمر ۱۴/سال تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو واپس کر دیا، پھر غزوہ خندق کے موقع پر مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا جب کہ میری عمر ۱۵/سال تھی، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو اجازت دیدی، حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مجاہدں اور نابالغوں کی عمر میں یہی فرق ہے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: لڑکا اور لڑکی کب بالغ ہوتے ہیں؟ بچے کی بلوغ علامات یہ ہیں (۱) احتلام (۲) احبال (۳) انزال عند الوطی، اور بچی کے بلوغ کی علامات یہ ہیں (۱) حیض (۲) حبل (۳) احتلام۔ بچہ

جب ۱۲؍سال اور بچی ۹؍سال کی ہوجائے تو اس کے بعد ان علامات میں سے کوئی علامت نمایاں ہوتو اس کے بلوغ کا فیصلہ کردیا جائے گا، وہ بچہ اور بچی بالغ شمار ہوں گے، اس میں جمہور کا اتفاق ہے، اس میں معتد بہ اختلاف نہیں ہے۔ (المغنی لابن قدامۃ: ۵۰۸ / ۴، کتاب الحجر)

البتہ یہاں دو باتوں میں اختلاف ہوا ہے ایک یہ کہ اگر مذکورہ بالا علامات میں سے کوئی علامت ظاہر نہ ہوتو کس عمر میں بچے اور بچی کے بلوغ کا حکم ہوگا اس میں ائمہ کا اختلاف ہوا ہے۔

صاحبین کا مذہب یہ ہے کہ بچے اور بچی میں اگر علامت بلوغ ظاہر نہ ہوتو دونوں پندرہ سال کی عمر میں بالغ شمار ہوں گے، اوزاعی امام احمد اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہم کا بھی یہی مذہب ہے، داؤد ظاہری کے نزدیک بلوغ کے لئے عمر کی کوئی تحدید نہیں ہے، جب تک مذکورہ بالا علامات میں سے کوئی علامت ظاہر نہ ہو اس وقت تک بالغ نہیں ہوگا، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی اسی طرح ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ بچہ سترہ یا اٹھارہ سال علیٰ اختلاف الروایتیں بالغ ہوگا، اور بچی سترہ سال کی۔ (مذاہب از مغنی: ۵۰۹ / ۴،)

حنفیہ کے یہاں مفتی بہ صاحبین کا قول ہے کہ کوئی علامت بلوغ ظاہر نہ ہونے کی صورت میں بچہ اور بچی دونوں پندرہ سال کی عمر میں بالغ ہوں گے۔ خلاصہ یہ کہ معمول بہ جمہور کی ہاں بچہ اور بچی دونوں کے لئے پندرہ سال کا قول ہے اور زیر بحث حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ سے جمہور کی تائید ہوتی ہے۔

نیز دوسری حدیث ہے "اذا استکمل للمولود خمس عشرۃ سنۃ کتب مالہ وما علیہ واقیمت علیہ الحدود" جب کسی بچہ کی عمر کے پندرہ برس پورے ہوجائیں تو اس کیلئے (اس کے نیک اعمال کا اجر اور برے اعمال کا) عقاب لکھا جاتا ہے اور اس پر حد بھی قائم کی جاتی ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ حد بلوغ پندرہ سال ہے۔ (شامی: ۱۰۷ / ۵، کتاب الحجر فصل بلوغ الغلام اشرف التوضیح: ۵۰۰ / ۲)

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا کہ حسن بن صالح کہتے ہیں کہ میری پڑوسن اکیس سال کی عمر میں نانی بن گئی، اس کی صورت یہ ہوئی کہ وہ نو سال کی عمر میں بالغ ہوگئی، اسی سال اس کا نکاح ہوگیا، دس سال کی عمر میں بچی پیدا ہوگئی، وہ بھی نو سال کی عمر میں بالغ ہوگئی، اس کے بعد اس کا نکاح ہوگیا دس سال کی عمر میں اس کی بچی پیدا ہوئی تو میری پڑوسن اکیس سال کی عمر میں نانی بن گئی۔

انبات علامت بلوغ ہے یا نہیں؟

دوسرے اس بات میں اختلاف ہوا ہے کہ انبات یعنی زیر ناف بالوں کا اگنا علامت بلوغ ہے یا نہیں؟ حنفیہ کے یہاں انبات علامت بلوغ نہیں ہے۔(در المختار:۱۰۷/۵)

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک انبات یعنی سخت بال اگنا علامت بلوغ ہے، بالوں کی روئیں سی اگنا کسی کے نزدیک بھی علامت بلوغ نہیں ہے۔(مذاہب از المغنی: لابن قدامۃ:۵۰۸/۴)

مغنی میں شافعیہ کا قول بھی نقل کیا گیا ہے اور ''روح المعانی'': ۱۲۸/۴، میں شافعیہ کی طرف انبات کے معتبر ہونے کی نسبت پر کلام بھی کیا گیا ہے۔

ائمہ ثلاثہ کا استدلال بنو قریظہ کے مشہور واقعہ سے ہے، جس میں جس قیدی کے زیر ناف بال اُگے ہوں اس کے قتل کا حکم دیا گیا اور جس کے زیر ناف بال نہ اُگے ہوں اس کو چھوڑ دینے کا فیصلہ فرمایا، ان حضرات کا کہنا یہ ہے کہ اس موقعہ پر انبات کے ذریعہ بلوغ کا فیصلہ کیا گیا تھا، حنفیہ کی طرف سے اس کے دو جواب ہیں:

(۱) اس موقعہ پر ایک تو ضرورت کی وجہ سے انبات کی بنیاد پر بلوغ کا فیصلہ کیا گیا تھا کہ احتلام اور عمر وغیرہ دوسری علامات بلوغ کا علم نہیں تھا، اس لئے ضرورۃً انبات کو ہی بنیاد بنایا گیا کہ عموماً انبات بوقت بلوغ ہی ہوتا ہے، ایک وقتی ضرورت کی وجہ سے کئے گئے فیصلہ کو عام قاعدہ نہیں بنایا جاسکتا ہے۔

(۲) قتل کا مدار بالغ یا نابالغ ہونا نہیں تھا، بلکہ مدار یہ تھا کہ جس سے اندیشۂ فساد ہو اس کو قتل کر دیا جائے، جس سے اندیشہ فساد نہ ہو اس کو چھوڑ دیا جائے، اس کا اندازہ انبات سے لے لیا گیا، انبات سے بلوغ یا عدم بلوغ کا فیصلہ نہیں کیا گیا۔ بلکہ اس کو جنگ کی طاقت ہونے یا نہ ہونے کی علامت قرار دیا گیا ہے، لہٰذا اس واقعہ کا علامت بلوغ ہونے یا نہ ہونے سے کوئی تعلق نہیں۔(اشرف التوضیح:۵۰۱/۲)

خالہ بچے کی پرورش کی زیادہ حق دار ہے

{۳۲۳۱} وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ صَالَحَ النَّبِيُّ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمَ الْحُدَیْبِیَۃِ عَلٰی ثَلاَثَۃِ اَشْیَاءَ عَلٰی اَنَّ مَنْ اَتَاہُ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ رَدَّہُ اِلَیْھِمْ وَمَنْ اَتَاھُمْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ لَمْ یَرُدُّوْہُ وَعَلٰی اَنْ یَدْخُلَھَا مِنْ قَابِلٍ وَیُقِیْمُ بِھَا ثَلاَثَۃَ اَیَّامٍ فَلَمَّا دَخَلَھَا وَمَضَی الْاَجَلُ خَرَجَ فَتَبِعَتْہُ اِبْنَۃُ حَمْزَۃَ تُنَادِیْ یَا عَمِّ یَا عَمِّ فَتَنَاوَلَھَا عَلِیٌّ فَاَخَذَ بِیَدِھَا فَاخْتَصَمَ فِیْھَا عَلِیٌّ وَزَیْدٌ وَجَعْفَرٌ فَقَالَ عَلِیٌّ اَنَا اَخَذْتُھَا وَھِیَ بِنْتُ عَمِّیْ وَقَالَ جَعْفَرٌ بِنْتُ عَمِّیْ وَخَالَتُھَا تَحْتِیْ وَقَالَ زَیْدٌ بِنْتُ اَخِیْ فَقَضٰی بِھَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِخَالَتِھَا وَقَالَ الْخَالَۃُ بِمَنْزِلَۃِ الْاُمِّ وَقَالَ لِعَلِیٍّ اَنْتَ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْکَ وَقَالَ لِجَعْفَرٍ اَشْبَھْتَ خَلْقِیْ وَخُلُقِیْ وَقَالَ لِزَیْدٍ اَنْتَ اَخُوْنَا وَمَوْلاَنَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۶۱۰، باب عمرۃ القضاء کتاب المغازی، حدیث نمبر: ۴۲۵۱، مسلم شریف: ۲/۱۰۴، باب صلح الحدیبیۃ، کتاب الجھاد والسیر، حدیث نمبر: ۱۷۸۳۔

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے دن تین چیزوں پر صلح کی، (۱) مشرکین میں سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے گا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ان کی طرف واپس کر دیں گے، (۲) مسلمانوں میں سے جو ان کی طرف جائے گا وہ لوگ اس کو نہیں لوٹائیں گے، (۳) مکہ میں آئندہ سال آئیں گے، اور یہاں تین دن قیام کریں گے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں گئے اور مدت گذرنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نکلے تو حمزہ رضی اللہ عنہ کی صاجزادی پیچھے سے پکارتی ہوئی آئی، اے چچا جان! اے چچا جان!! تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسکو لے لیا اور اس کا ہاتھ پکڑ لیا، پھر اس کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت زید اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہما میں اختلاف ہوا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے اس کو لیا ہے اور یہ میرے چچا کی بیٹی ہے، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا میرے چچا کی لڑکی ہے، اور اس کی خالہ میرے نکاح میں ہے اور حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا یہ میری بھتیجی ہے، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا فیصلہ اس کی خالہ کے حق میں کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خالہ ماں کے درجہ میں ہوتی ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت

علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں، اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم سیرت وصورت میں مجھ سے بہت مشابہت رکھتے ہو اور حضرت زید رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم ہمارے بھائی اور محبوب ہو۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: صالح النبی صلی اللہ علیہ وسلم: صلح حدیبیہ کے موقع پر جن شرائط پر صلح ہوئی، ان میں سے تین کا یہاں ذکر ہے۔

من اتاہ من المشرکین: قریش میں سے اگر کوئی شخص اپنے ولی کی اجازت کے بغیر مدینہ چلا جائے تو اس کو واپس کرنا ہوگا۔

ومن اتاہم من المسلمین: مسلمانوں میں سے اگر کوئی شخص مدینہ سے مکہ آجائے تو اس کو واپس نہ کیا جائے گا۔

وعلی ان یدخلہا: مسلمان اس سال بغیر عمرہ کے واپس چلے جائیں، عمرہ کیلئے آئندہ سال آئیں اور صرف تین دن قیام کرکے واپس چلے جائیں، جنگی ہتھیار ہرگز ساتھ نہ لائیں، چوں کہ یہ شرطیں مسلمانوں کے خلاف تھیں، اور بظاہر اس میں مسلمانوں کی ذلت تھی، لہٰذا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سخت ناگوار لگیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ نبی برحق نہیں ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں نہیں! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کیا ہم حق پر اور وہ باطل پر نہیں ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیوں نہیں! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کیا ہمارے مقتولین جنت میں اور ان کے مقتولین جہنم میں نہیں جائیں گے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں نہیں! اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا پھر دین میں ہم اس ذلت کو کیوں گوارا کررہے ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وانا عبد اللہ ورسولہ لن اخالف امرہ ولن یضیعنی: میں خدا کا بندہ اور اس کا رسول ہوں اور اس کے حکم کی ہرگز نافرمانی نہیں کرسکتا، اللہ تعالیٰ مجھ کو ضائع نہیں فرمائیں گے، سفر سے واپسی پر سورہ فتح نازل ہوئی، جس میں فتح مبین کی خوش خبری تھی۔

فلما دخلہا: صلح حدیبیہ کے اگلے سال عمرہ کے لئے آپ تشریف لائے، اسی کو عمرۃ القضا کہتے

ہیں، اس کو عمرۃ الصلح اور عمرۃ القصاص بھی کہتے ہیں، "ومضی الاجل خرج" حسب وعدہ آنحضرت ﷺ مکہ میں تین دن رہے، اور معاہدہ کی مدت پوری ہوتے ہی آنحضرت ﷺ واپسی کے لئے چل پڑے۔

فتبعته ابنة حمزة: حضور ﷺ جب عمرہ سے فارغ ہو کر مکہ سے روانہ ہونے لگے تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی آنحضرت ﷺ کے پیچھے پیچھے آئیں اور آنحضرت ﷺ کو چچا جان کہہ کر پکارنے لگیں، ان صاحبزادی کے نام کے بارے میں مختلف اقوال ہیں (۱) عمارہ (۲) امامہ (۳) امۃ اللہ (۴) سلمی (۵) فاطمہ مشہور پہلا قول ہے۔ (فتح الباری: ۵۵/۷)

سوال: حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی رشتے میں حضور ﷺ کی بہن تھی، پھر انہوں نے حضور ﷺ کو چچا کہہ کر کیوں پکارا؟

جواب: اس کی دو وجہیں ہیں (۱) چچا کہنا عرب کے محاورے کی بنا پر تھا، اس لئے کہ عرب محاورے کے اعتبار سے چھوٹا بڑے کو چچا کہتا ہے۔

(۲)...... آنحضرت ﷺ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے رضائی بھائی تھے، اس مناسبت سے آنحضرت ﷺ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بچی کے چچا تھے اس رشتے سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی نے آنحضرت ﷺ کو یا عم یعنی اے چچا جان! کہہ کر پکارا۔

فتناولها علی: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس بچی کو لے لیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس لے آئے اور کہا کہ اپنے چچا کی بیٹی کو لو، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ان کو اپنے کجاوے میں اٹھالیا، مدینہ پہنچ کر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بچی کی پرورش کے مسئلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے درمیان اختلاف ہوا، تینوں صحابہ رضی اللہ عنہم کی خواہش تھی کہ اس بچی کی پرورش میرے گھر ہو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ دونوں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے سگے بھتیجے تھے، اور دونوں ہی لڑکی کے چچازاد بھائی تھے، لہٰذا دونوں کا دعویٰ برابر تھا، لیکن حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے اپنے دعویٰ کو مزید پختہ کرنے کیلئے کہا کہ بچی کی خالہ میری بیوی ہیں لڑکی کی ماں سلمہ بنت عمیس تھیں اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں ان کی بہن اسماء بنت عمیس تھیں، حضرت زید بن

حارثہ رضی اللہ عنہ نے کہا یہ میرے بھائی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہے لہٰذا چچا ہونے کے ناطے میں اس کی کفالت کا سب سے زیادہ مستحق ہوں، حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے اپنے کو کس رشتے سے حمزہ کا بھائی کہا؟ صاحب مرقاۃ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زید تینوں رضاعی بھائی تھے، اور یہ بھی نقل کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں ہجرت سے پہلے بعض صحابہ کے درمیان مواخات قائم کرائی تھی تو حضرت زید رضی اللہ عنہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما کے درمیان مواخات قائم کرائی تھی، انہی رشتوں کی بنا پر حضرت زید رضی اللہ عنہ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی کو اپنی بھتیجی بتایا تھا۔

فقضی بہا النبی صلی اللہ علیہ و سلم لخالتہا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کیا کہ خالہ ماں کے درجہ میں ہوتی ہے اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی بیوی چونکہ بچی کی خالہ ہیں لہٰذا بچی جعفر کے حوالہ کی جاتی ہے، فیصلہ فرمانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تینوں صحابہ رضی اللہ عنہم کی دل داری بھی فرمائی۔

انت منی وانا منک: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خوش کرنے اور ان حزن کو دور کرنے کے لئے یہ بات فرمائی، مقصد یہ تھا کہ میرا تم سے خصوصی اور بڑا والہانہ تعلق ہے۔

اشبہت خلقی: یہ کلمات حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے لئے فرمائے، یعنی اخلاق و کردار اور جسمانی شکل وصورت میں تم مجھ سے بہت مشابہ ہو، عرب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شکل وصورت میں مشابہت رکھنے والے تیرہ اصحاب تھے، جن میں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد چار باقی رہ گئے تھے، باقی پہلے رحلت فرما گئے تھے، (فتح الباری: ۷/۵۰۵)

انت اخونا ومولانا: زید دینی اور رضاعی بھائی تھے اور چوں کہ حضرت کو ان سے خصوصی محبت بھی تھی اس لئے ان کو "مولانا" فرمایا مشہور تو یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے بڑی محبت تھی چونکہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے تھے۔ (مرقاۃ: ۶/۳۵۹)

سوال: ماں کے نہ ہونے کی صورت میں بچہ کی پرورش کا حقدار کون ہے؟

جواب: اگر بچہ کی ماں موجود نہیں ہے تو سب سے زیادہ مستحق نانی ہے، اس کے بعد اس کی سگی بہن ہے، سگی بہن کو خالہ پر فوقیت حاصل ہے، اس لئے کہ بہن باپ کی بیٹی ہے، جب کہ خالہ نانا کی بیٹی ہے،

لہٰذا بہن اقرب ہے، البتہ اگر علاتی بہن ہے تو اس پر خالہ مقدم ہوگی، کیوں کہ خالہ ماں سے زیادہ قریب ہے۔

سوال: حق پرورش کی مدت کتنی ہے؟

جواب: عام طور پر سات سال کی عمر میں بچہ اپنے ہاتھ سے کھانے پینے لگتا ہے اور استنجاء کے بعد خود پاکی حاصل کر لیتا ہے، لہٰذا اس عمر میں حق پرورش ختم ہو جاتا ہے، اور اگر لڑکی ہے تو ماں اور نانی کو اس کی پرورش کا حق اس وقت تک حاصل رہے گا، جب تک کہ لڑکی بالغ نہ ہو جائے۔

{الفصل الثانی}

کمسن بچہ کی پرورش کی سب سے زیادہ مستحق ماں ہے

{۳۲۳۲} **عَنْ** عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ اِمْرَأَةً قَالَتْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اِبْنِيْ هٰذَا كَانَ بَطْنِيْ لَهٗ وِعَاءً وَثَدْيِيْ لَهٗ سِقَاءً وَحِجْرِيْ لَهٗ حِوَاءً وَاِنَّ اَبَاهُ طَلَّقَنِيْ وَاَرَادَ اَنْ يَنْزِعَهُ مِنِّيْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْتِ اَحَقُّ بِهٖ مَالَمْ تَنْكِحِيْ۔ (رواه احمد وابوداؤد)

حواله: مسند احمد: ۱۸۲/۲، ابو داؤد شریف: ۳۱۰/۱، باب من احق بالولد، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۲۲۸۶۔

ترجمه: حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد اور وہ اپنے دادا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک عورت نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! یہ میرا بیٹا ہے، میرا پیٹ اس کے لئے برتن تھا اور میرا پستان اس کے لئے مشک تھا اور میری گود اس کیلئے آرام گاہ تھی، اور بلاشبہ اس کے باپ نے مجھ کو طلاق دے دی ہے اور اس بچہ کو مجھ سے چھین لینا چاہتا ہے، حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ تم اس لڑکے کی زیادہ مستحق ہو جب تک کہ تم کسی سے نکاح نہ کرو۔ (احمد، ابو داؤد)

011

تشریح: اگر زوجین کے درمیان طلاق وغیرہ کے ذریعہ سے تفریق ہو جائے تو کمسن بچہ کی ماں زیادہ حقدار ہے لہٰذا باپ کے لئے ماں سے بچوں کو چھیننا جائز نہیں ہے، البتہ اگر ماں کسی ایسے شخص سے شادی کر رہی ہے، جو کہ بچہ کا محرم نہیں ہے، تو ماں کا استحقاق ختم ہو جائے گا، کیونکہ غیر محرم کے نکاح میں جا کر بچہ پر بھرپور توجہ ممکن نہ رہے گی، اور چونکہ شوہر بچہ کا محرم نہیں ہے، لہٰذا وہ بھی زیادہ شفقت نہ کریگا۔

مسئلہ حضانت میں ائمہ کے مذاہب

حضانت کا تعلق صبی غیر ممیز سے ہوتا ہے، یعنی اگر زوجین میں جو کہ اس بچہ کے ابوین ہیں کسی وجہ سے فرقت ہو جائے تو اب وہ صبی کس کی پرورش میں رہے گا، اس پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے۔

الام احق بالولد من الاب مالم تنکح: یعنی چھوٹے بچہ کی حضانت کا استحصاق باپ کو نہیں بلکہ ماں کو ہے جب تک وہ دوسرا نکاح نہ کرے لیکن اب آگے مسئلہ کی تفصیل میں اختلاف ہے پس حنفیہ کے نزدیک حق حضانت ماں کے لئے ہے، غلام یعنی لڑکے میں "الی سن التمیز" سن تمیز کو پہنچنے تک اور اس کے بعد پھر باپ کے لئے ہے، اور لڑکی میں اس کے بلوغ تک حق حضانت ماں کے لئے ہے "وبعدہ للاب"

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک غلام اور بنت دونوں میں سن تمیز تک ماں کے لئے ہے "ثم التخییر" یعنی سن تمیز کو پہنچنے کے بعد غلام اور بنت دونوں کو اختیار ہوگا، والدین میں سے جس کے پاس رہنا چاہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک "کمافی کتبھم" غلام میں تو اسی طرح ہے، یعنی سن تمیز کے "بعد تخییر" اور بنت میں ماں کے لئے سن تمیز تک اس کے بعد باپ کے لئے "ولا تخییر"

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ جاریہ میں حق حضانت ماں کیلئے ہے اگر چہ بالغ ہو جائے جب تک کہ نکاح نہ کرے، اور غلام میں ماں کیلئے حق حضانۃ اس کے بلوغ تک ہے، قالہ الخطابی اور مالکیہ کی بعض کتب الرسالۃ "لابن ابی زید" میں اس طرح ہے کہ لڑکی کے لئے حق حضانت ماں کیلئے اس کے بلوغ تک ہے، اور لڑکی کیلئے نکاح کے بعد اس کے دخول تک۔ (الدر المنضود:۱۳۹/۴)

کسی عورت کے زوج اول سے ولد ہوتو وہ کب تک وہ اس کی حقدار رہتی ہے اس میں اختلاف ہے امام احمد اور حسن بصری کے نزدیک مطلقاً وہ عورت ولد کی حقدار ہوگی خواہ دوسرے شوہر سے شادی کرلے لیکن جمہور علماء کے نزدیک جب تک دوسری جگہ شادی نہ کرے حقدار رہتی ہے، دوسری جگہ شادی کرلینے سے ولد کی حقدار نہیں رہتی، اور یہی امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا بھی قول ہے، حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے استدلال کیا کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شادی کی اور ان کے زوج اول کی طرف سے ولد ان کی کفالت میں رہے، جمہور دلیل پیش کرتے ہیں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی حدیث مذکور سے کہ آپ نے فرمایا: "انت احق بہ مالم تنکحی" تو یہاں عدم نکاح کی قید لگائی۔

ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کا جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ دوسرا کوئی قریبی رشتہ دار نہیں تھا، یا ان کے درمیان کوئی مناسبت نہ تھی، پھر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مطلقاً نکاح کرلینے سے حق ختم ہو جاتا ہے، خواہ ذی رحم سے کیوں نہ ہو۔ کیونکہ حدیث مذکور مطلقاً "مالم تنکح" آیا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ولد کے ذی رحم محرم کے ساتھ نکاح کرنے سے حق ساقط نہیں ہوتا ہے، مثلاً اس کے چچا سے نکاح ہوگیا، وہ دلیل پیش کرتے ہیں مصنف عبدالرزاق میں ابوسلمہ کی حدیث سے کہ "جاءت امرأة الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقالت ان ابی انکحنی رجلا لا اریدہ وترك عم ولدی فاخذ منی ولدی فدعا اباھا ثم قال لھا اذھبی فانکحی عم ولدك" ایک عورت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور حاضر ہوکر اس نے عرض کیا کہ میرے باپ نے میرا نکاح ایسے شخص سے کردیا جس کو میں نہیں چاہتی اور میرے بیٹے کے چچا کو چھوڑ دیا اس نے میرے بیٹے کو لے لیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے باپ کو بلایا اور پھر اس عورت سے فرمایا جا اور اپنے بیٹے کے چچا سے نکاح کرلے۔ تو یہاں ولد کے عم کے ساتھ نکاح کرنے کا حکم دیا تاکہ اس کا حقدار رہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ تفصیلی حدیث سے مطلق حدیث کو مقید کیا جائے گا، تاکہ احادیث میں تعارض نہ رہے، دوسری بات یہ ہے حق ساقط ہونے کی علت عدم شفقت ہے اور ذی رحم سے شادی ہونے سے شفقت باقی رہے گی، لہٰذا حق ساقط نہیں ہوگا، اور اختلاف اس وقت ہے جب ولد غیر

ممیز ہو، اگر وہ ممیز ہو تو اس کو خیار دیا جائے گا، جس کے پاس چاہے رہے، کما یجی فی حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ۔ (درس مشکوۃ:۴۶/۳)

سن شعور پر بچے کو چناؤ کا اختیار

{۳۲۳۳} **وَعَنْ** اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيَّرَ غُلَامًا بَيْنَ اَبِيْهِ وَاُمِّهٖ. (رواه الترمذی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۲۵۲/۱، باب ماجاء فی تخییر الغلام، کتاب الاحکام، حدیث نمبر: ۱۳۵۷۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بچہ کو اس کے ماں اور باپ کے درمیان اختیار دیا ہے۔ (ترمذی)

تشریح: اتنی بات پر تو ائمہ کا اتفاق ہے کہ جب میاں، بیوی میں طلاق کی وجہ سے فرقت ہو جائے تو چھوٹے بچے اور بچی کی حضانت کی حقدار اس کی ماں ہوگی، بشرطیکہ ماں بچے کے کسی غیر ذی رحم محرم سے شادی نہ کرے اگر اس نے بچے کے غیر ذی رحم محرم سے نکاح کرلیا تو اس کا حق حضانت ختم ہو جائیگا، البتہ حضانت کی تفصیلات میں کچھ اختلاف ہے۔

تخییر غلام کی بحث

حنفیہ کے یہاں جب تک بچہ سن تمیز کو نہ پہنچ جائے اس وقت تک ماں حضانت کی حقدار رہوگی جب سن تمیز کو پہنچ جائے یعنی خود کھا پی سکے کپڑے وغیرہ پہن سکے، اور استنجاء کر سکے، اس وقت باپ اسکی پرورش کا حقدار ہوگا، بعض نے تمیز کے لئے سات سال کی عمر بھی مقرر کی ہے۔ خلاصہ یہ کہ حنفیہ کسی صورت میں بچے کی تخییر کے قائل نہیں ہیں یہی مالکیہ کا مذہب ہے کہ وہ تخییر غلام کے قائل نہیں۔

حنابلہ کے اور شافعیہ کے یہاں سات سال تک تو ماں حقدار رہے گی، سات سال کا ہو جانے پر بچے کو اختیار دیا جائے گا ماں باپ میں سے جس کو وہ اختیار کرے وہ پرورش کا حقدار ہوگا۔ (مذاہب از المغنی لابن قدامۃ:۶۱۳/۷)

حنفیہ اور مالکیہ کی دلیل

وہ تمام روایات جن میں تخییر استہام کے بغیر آنحضرت ﷺ نے ماں یا خالہ وغیرہ کو حضانت کا مستحق قرار دیا، حنفیہ کے دلائل ہیں، مثلاً یہاں مشکوۃ میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث جس میں بنت حمزہ کو خالہ کے حوالے کر کے فرمایا: "الخالة بمنزلة الام" خالہ ماں کے درجے میں ہے۔ ایسے ہی اس کے بعد "عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده" کی حدیث ان دونوں حدیثوں میں بغیر تخییر کے ماں اور خالہ کو حق حضانت دیا گیا ہے۔

شافعیہ وحنابلہ کی دلیل

شافعیہ اور حنابلہ کا استدلال زیر بحث حدیث سے ہے جس میں ایک بچے کو آنحضرت ﷺ نے ماں باپ کے پاس جانے کا اختیار دیا۔

جوابات

(۱)......وہ دونوں ماں باپ قرعہ اندازی اور تخییر پر برضا ورغبت آمادہ تھے، اس لئے آنحضرت ﷺ نے بطور صلح اور قطع منازعت کے طور پر اس طرح فرمایا: بطور حجت شرعیہ کے قرعہ اندازی نہیں فرمائی۔ اس کی تائید طحاوی کی اس روایت سے ہوتی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں:

انه علیه السلام قال لهما: هل لكما ان تخيرا فقالا: نعم" حضرت نبی کریم ﷺ نے دونوں (ماں باپ) سے فرمایا: کیا تم اس سے خوش ہو کہ اس (بچہ) کو اختیار دیدیا جائے، دونوں نے جواب دیا جی ہاں (ہم اس سے خوش ہیں) (اعلاء السنن: ۲۸۵/۱۱، مشکل الآثار للطحاوی: ۱۸۰/۴)

(۲)......آنحضرت ﷺ نے باپ کو مطمئن کرنے کے لئے ایسا فرمایا اور ساتھ ہی دعاء فرمادی کہ یہ بچہ ماں کو اختیار کرے اور قرائن سے اندازہ بھی ہو چکا تھا کہ یہ بچہ ماں کو اختیار کریگا۔

(۳)......بعض نے کہا ہے کہ یہ بچہ بالغ ہو چکا تھا اس لئے اس کو اختیار دیا گیا، اور بالغ میں کسی کا اختلاف

نہیں، اگلی روایت میں عورت کے الفاظ ''وقد نفعنی وسقانی من بئر ابی عنبۃ'' کہ وہ بچہ کنویں سے پانی لا کر مجھے پلاتا ہے گو بالغ ہونے کی واضح دلیل نہیں، مگر اس کے بڑے ہونے کا ایک قرینہ ضرور ہے۔

(۴)......آپ نے دونوں غلاموں کو دعاء دی تھی اس لئے وہ تو جہاں رہیں گے، محفوظ رہیں گے، بخلاف دوسرے بچوں کے کہ وہ اپنے باپ کے پاس رہ کر زیادہ محفوظ اور تربیت یافتہ ہو سکتے ہیں۔

(اشرف التوضیح:۵۰۲/ ۲)

حدیث کی مزید توضیح

خیر غلاما: آنحضرت ﷺ نے ایک لڑکے کو اس بات کا اختیار دیا کہ وہ والدین میں سے جس کو چاہے انتخاب کرلے، اس حدیث کو سمجھنے کے لئے پہلے ابوداؤد کی ایک روایت کا ترجمہ پیش ہے، رافع بن سنان کہتے ہیں کہ میں تو اسلام لے آیا، لیکن میری بیوی نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا، ان دونوں کے درمیان ایک بچی تھی جس کے بارے میں ان دونوں کا اختلاف ہوا، بچی کی ماں کہتی تھی کہ یہ بچی میری ہے، میرے پاس رہے گی، اور رافع کہتے تھے کہ یہ میری بچی ہے میرے پاس رہے گی، آنحضرت ﷺ نے ان دونوں کے درمیان فیصلہ فرمایا: کہ ان دونوں میاں بیوی کو آمنے سامنے فاصلہ پر بٹھایا اور اس بچی کو ان دونوں کے بیچ میں بٹھا دیا اور آنحضرت ﷺ نے ان دونوں سے فرمایا: کہ ہر ایک تم میں سے اس بچی کو اپنی طرف بلائے، چنانچہ ان دونوں نے اس بچی کو اشارہ سے بلایا وہ بچی فطرتاً اپنی ماں کی طرف مائل ہونے لگی، حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی کہ اس بچی کو ہدایت فرما، آنحضرت ﷺ کی دعا کے بعد بچی ماں کے بجائے باپ کی طرف مائل ہوگئی، اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ تخییر بچوں کو ملے گی، لیکن ظاہر بات ہے کہ اس حدیث کا تعلق اس مسئلہ سے قطعاً نہیں ہے جو مسئلہ حدیث باب میں زیر بحث ہے، اختلاف رائے بچوں کے مدت حضانت پورا کر لینے کے بعد ماں باپ میں سے کسی ایک کے انتخاب کا ہے، اس مسئلہ میں شوافع کی رائے یہ ہے کہ لڑکا اور لڑکی دونوں کو اختیار ملے گا وہ ماں باپ میں سے کسی ایک کا انتخاب کریں، جب کہ حنفیہ کہتے ہیں کہ اختیار نہیں ہے، بلکہ باپ مدت

حضانت گذرنے کے بعد حقدار ہے، اور جہاں تک حدیث باب میں تخییر ہے اس سے استدلال درست نہیں ہے اس لئے کہ یہ اختیار آنحضرت ﷺ نے ایک بہت چھوٹے بچہ کو دیا تھا، ابو داؤد شریف کی روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اختیار دینے کا معاملہ بہت چھوٹی عمر کی بچی کا تھا، لہٰذا ان روایات سے استدلال درست نہیں ہے، آنحضرت ﷺ کا یہ اختیار دینا آنحضرت ﷺ کی خصوصیت میں سے تھا، عام حکم یہی ہے کہ حضانت میں ماں مستحق ہے اس کے بعد باپ حقدار ہے۔

بچے نے ماں کو اختیار کیا

{۳۲۳۴} **وَعَنْهُ** قَالَ جَاءَتْ اِمْرَأَةٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ اِنَّ زَوْجِیْ یُرِیْدُ اَنْ یَذْهَبَ بِابْنِیْ وَقَدْ سَقَانِیْ وَنَفَعَنِیْ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا اَبُوْكَ وَهٰذَا اُمُّكَ فَخُذْ بِیَدِ اَیِّهِمَا شِئْتَ فَاَخَذَ بِیَدِ اُمِّهٖ فَانْطَلَقَتْ بِهٖ۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی والدارمی)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۱/۳۱۱، باب من احق بالولد، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۲۲۷۷، نسائی شریف: ۲/۹۵، باب اسلام احد الزوجین، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۳۴۹۶: دارمی: ۲/۲۲۳، باب فی تخییر الصبی بین ابویہ، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۲۲۹۳۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں ایک عورت آئی اور اس نے عرض کیا کہ میرا شوہر میرے لڑکے کو لے جانا چاہتا ہے، جب کہ میرا لڑکا مجھ کو پانی پلاتا ہے اور مجھ کو نفع پہنچاتا ہے، حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہ تمہارا باپ ہے اور یہ تمہاری ماں ہے ان میں سے جس کا ہاتھ تم چاہو پکڑلو، اس لڑکے نے اپنی ماں کا ہاتھ پکڑ لیا، چنانچہ ماں اس کو لے کر چلی گئی۔ (ابو داؤد، نسائی، دارمی)

تشریح: اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ زوجین کے درمیان اگر تفریق ہوگئی ہے تو مدت حضانت کے بعد بچہ کو اختیار ملے گا کہ جس کے پاس اس کا جی چاہے رہے، اگر ماں کے پاس بچہ رہنا

چاہتا ہے تو ماں اس کی حقدار ہے۔ باپ کے پاس رہنے کا خواہش مند ہے تو باپ مستحق ہے۔

اس معاملہ میں آنحضرت ﷺ کی جانب سے تخییر پائی گئی، جیسا کہ گذشتہ حدیث میں نقل ہوا ہے کہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، مدت حضانت کے بعد امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ تخییر کے قائل ہیں، جبکہ حنفیہ کے نزدیک بچہ کا حقدار باپ ہے، یہ روایت بظاہر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے خلاف ہے، کیونکہ وہ تخییر کے قائل نہیں ہیں، لہٰذا حنفیہ کے طرف سے اس کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ تخییر کا جو مسئلہ مختلف فیہ ہے وہ ''صبی ممیز'' کے بارے میں ہے، اور حدیث باب میں جس لڑکے کا ذکر ہے وہ صبی نہیں بلکہ کبیر تھا، کیونکہ وہ لڑکا دور دراز کے کنواں "بئر ابی عنبۃ" سے پانی کھینچ کر لاتا تھا، اور ظاہر بات ہے کہ ولد کبیر یعنی بالغ لڑکے کے بارے میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے، اس لئے کہ اس کو تو اختیار ہوتا ہی ہے کہ وہ جہاں چاہے رہے۔ (مزید تشریح نیچے کی حدیث میں ملاحظہ فرمائیں)

{الفصل الثالث}

بالغ بچوں کو اختیار

{۳۲۳۵} **عَنْ** هِلَالِ بْنِ أُسَامَةَ عَنْ أَبِي مَيْمُوْنَةَ سُلَيْمَانَ مَوْلَى لِأَهْلِ الْمَدِيْنَةِ قَالَ بَيْنَمَا أَنَا جَالِسٌ مَعَ أَبِي هُرَيْرَةَ جَاءَ تْهُ اِمْرَأَةٌ فَارِسِيَّةٌ مَعَهَا ابْنٌ لَهَا وَقَدْ طَلَّقَهَا زَوْجُهَا فَادَّعَيَاهُ فَرَطَنَتْ لَهٗ تَقُوْلُ يَا أَبَاهُرَيْرَةَ زَوْجِي يُرِيْدُ أَنْ يَذْهَبَ بِابْنِيْ فَقَالَ أَبُوْهُرَيْرَةَ اسْتَهِمَا عَلَيْهِ رَطَنَ لَهَا بِذَالِكَ فَجَاءَ زَوْجُهَا وَقَالَ مَنْ يُحَاقُّنِيْ فِي ابْنِيْ فَقَالَ أَبُوْهُرَيْرَةَ اللّٰهُمَّ إِنِّي لَا أَقُوْلُ هٰذَا إِلَّا إِنِّيْ كُنْتُ قَاعِداً مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَتَتْهُ اِمْرَأَةٌ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللهِ إِنَّ زَوْجِيْ يُرِيْدُ أَنْ يَذْهَبَ بِابْنِيْ وَقَدْ نَفَعَنِيْ وَسَقَانِيْ مِنْ بِئْرِ أَبِيْ عِنَبَةَ وَعِنْدَ النَّسَائِيْ مِنْ عَذْبِ الْمَاءِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَهِمَا عَلَيْهِ

فَقَالَ زَوْجُهَا مَنْ يُحَاقُّنِيْ فِيْ وَلَدِيْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا اَبُوْكَ وَهٰذِهٖ اُمُّكَ فَخُذْ بِيَدِ اَيِّهِمَا شِئْتَ فَاَخَذَ بِيَدِ اُمِّهٖ۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی) لٰكِنَّهٗ ذَكَرَ الْمُسْنَدَ وَرَوَاهُ الدَّارِمِيْ عَنْ هِلَالِ بْنِ اُسَامَةَ۔

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۱/ ۳۰۱، باب من احق بالولد، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۲۲۷۷، نسائی شریف: ۲/ ۹۵، باب اسلام لزوجین، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۳۴۹۶، دارمی: ۲/ ۲۲۳، باب فی تخییر الصبی بین ابویہ، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۲۲۹۳۔

ترجمہ: حضرت ہلال بن اسامہ حضرت ابومیمونہ سلیمان رضی اللہ عنہ سے جو کہ اہل مدینہ کے مولی تھے روایت نقل کرتے ہیں کہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک ایرانی عورت آئی اس کے ساتھ اس کا لڑکا بھی تھا، اور اس عورت کے شوہر نے اس کو طلاق دیدی تھی، اور دونوں لڑکے کے دعویدار تھے، اس عورت نے فارسی میں بات کرتے ہوئے کہا اے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ! میرا شوہر میرا لڑکا لینا چاہتا ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فارسی میں بات کرتے ہوئے کہا کہ اس کے سلسلہ میں قرعہ اندازی کرلو، پھر اس کا شوہر بھی آگیا اور اس نے کہا کہ میرے لڑکے کے سلسلہ میں مجھ سے کون جھگڑتا ہے؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یااللہ میں یہ بات اپنی طرف سے نہیں کہتا ہوں، اصل بات یہ ہے کہ میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک عورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور اس نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! میرا شوہر مجھ سے میرا لڑکا لینا چاہتا ہے، جب کہ وہ لڑکا مجھ کو نفع پہنچاتا ہے، اور عنبہ کے کنویں سے پانی پلاتا ہے، اور نسائی شریف کی روایت میں الفاظ ہیں "من عذب الماء" یعنی میٹھا پانی پلاتا ہے، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم دونوں اس کے بارے میں قرعہ اندازی کرلو، اس عورت کا شوہر بولا کہ میرے لڑکے کے بارے میں کون جھگڑا کرتا ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تمہارا باپ ہے، اور یہ تمہاری ماں ہے تم ان میں سے جس کا ہاتھ پکڑلو۔ چنانچہ اس لڑکے نے اپنی ماں کا ہاتھ پکڑلیا۔ (ابوداؤد، نسائی، دارمی)

تشریح: مضمون حدیث یہ ہے کہ ابومیمونہ کہتے ہیں کہ میں ایک روز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

کے پاس تھا، ان کے پاس ایک فارسی عورت آئی جس کے ساتھ اس کا بیٹا تھا، اور اس عورت کو اس کے زوج نے طلاق دی تھی، اس عورت نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فارسی زبان میں کہا کہ میرا شوہر میرے اس بیٹے کو لینا چاہتا ہے، اس پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فارسی زبان میں فرمایا: کہ قرعہ اندازی کرلو، اسی دوران اس کا شوہر بھی آ گیا، اور کہنے لگا "من یحاقنی فی ولدی" کہ کون میرے بیٹے کے بارے میں حق کا دعوی کر رہا ہے، اس پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں جو قرعہ اندازی کا فیصلہ کر رہا ہوں اپنی طرف سے نہیں بلکہ اسی طرح کا واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیش آیا تھا، اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی استہام یعنی قرعہ اندازی کا فیصلہ فرمایا تھا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کے باوجود اس عورت کے شوہر نے یہی کہا تھا "من یحاقنی فی ولدی" اس کے بعد پھر یہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لڑکے کو اختیار دیا کہ یہ تیری ماں بیٹھی ہے اور یہ تیرا باپ، ان میں سے جس کا جی چاہے ہاتھ پکڑ لے، اس نے ماں کا ہاتھ پکڑ لیا اور وہ اس کو لے کر چلی گئی۔

حدیث کی توجیہ حنفیہ کے نزدیک

اس واقعہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے تخییر پائی گئی جس کے امام شافعی تو مطلقاً قائل ہیں اور امام احمد صرف غلام میں، اور بہر حال حنفیہ کے خلاف ہے اس لئے وہ تخییر کے قائل نہیں، اس کا جواب ہماری طرف سے یہ دیا گیا ہے کہ تخییر کا مسئلہ صبی ممیز میں ہے اور یہاں اس قصہ میں وہ بیٹا صبی نہیں تھا بلکہ کبیر تھا اس لئے کہ روایت میں ہے، "وقد سقانی من بئر ابی عنبة وقد نفعنی" بیر ابی عنبہ نہ جانے کہاں اور کتنی دور ہوگا جہاں سے کھینچ کر یہ لڑکا پانی پلاتا تھا، اور بالغ ہونے کے بعد تو سبھی کے نزدیک لڑکے کو اختیار ہوتا ہے چاہے جس کے پاس رہے۔

اس حدیث سے متعلق ایک سوال تو یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس معاملہ میں صرف استہام کا فیصلہ فرمایا اور اس کی دلیل میں جو حدیث انہوں نے ذکر کی اس میں استہام کے بعد آخری فیصلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تخییر کا ہے تو دونوں فیصلوں میں موافقت نہ رہی اس کا جواب حضرت نے بذل میں یہ دیا ہے، کہ ابو داؤد کی اس حدیث میں اختصار ہے، علامہ زیلعی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے فیصلہ میں بھی تخییر کا ذکر ہے۔ "کما فی روایة ابن حبان"

دوسرا سوال یہ ہوسکتا ہے کہ اگر اصل حکم یہاں تخییر ہی تھا تو پھر آپ نے شروع میں استہام کا حکم کیوں فرمایا تھا؟ اس کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ استہام کا مشورہ آپ نے اصلاح ذات البین کے طور پر دیا تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (الدر المنضود:۱۴۰/۴)

{کتاب العتق}

اس کتاب کے شروع میں بھی چند باتوں کو بطور فائدہ لکھا جا رہا ہے تاکہ اس کتاب کے ذیل میں آنے والی احادیث کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

{۱}......ما قبل سے مناسبت

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے قبل طلاق کو بیان کیا تھا اور اب عتق کو بیان فرما رہے ہیں دونوں کے درمیان مناسبت ازالۂ ملک یعنی ملک کا زائل ہونا ہے، طلاق میں "ملك بضعه" کا ازالہ ہوتا ہے اور عتق میں "ملك رقبه" کا اس لئے مصنف رحمۃ اللہ علیہ طلاق کے بعد عتق کو لائے ہیں۔

عتق کی لغوی وشرعی تحقیق

{۲}......عتق کے لغوی معنی:

عتق کے بہت سے معانی ہیں:

(۱)......قوت: اسی معنی کے اعتبار سے بیت اللہ کو بیت عتیق کہا جاتا ہے بسبب ایسی قوت کے جو ہر زمانہ کے لوگوں کی ملک کو دفع کرنے والی ہے اور "عتق الفرخ" کہا جاتا ہے جبکہ پرندے کے بچہ کو آشیانہ سے اڑنے کی قوت آجائے۔ (۲)......قدیم ہونا۔ (۳)......جمال (۴)......کرم ونجابت (۵)......خالص ہونا شریف ہونا (۶)......"خروج عن المملوكية"، اور ہر معنی کے اعتبار سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور بیت اللہ کو عتیق کہا جاتا ہے۔ (درس مشکوۃ: ۳/۴۸)

(۶)......مال کا ٹھیک ہونا۔ (۷)... عتق العبد: غلام کا آزاد ہونا۔ عتق، تا کے ضمہ کے ساتھ پرانا ہونا، شریف الطبع ہونا، نفیس وعمدہ ہونا، عتق العبد: العاتق: آزاد، مونڈھے اور گردن کے

درمیان کا حصہ، بوڑھا آدمی، جوان لڑکی۔ المغرب میں ہے: العتیق کے معنی مملوکیت سے نکل جانا پھر کرم اور اس جیسی صفات مثلاً حریت وغیرہ کی تعبیر کے لئے اس کا استعمال ہونے لگا۔ چنانچہ اچھے گھوڑے کے لئے کہا جاتا ہے، فرس عتیق: اور "عتاق الجمل والطیر کرائمھا" اور عاتق: مونڈھے اور گردن کے درمیان کے حصہ کو کہتے ہیں، اور حضرت علامہ ابن ہمام نے فرمایا: اعتاق، غلام کے آزاد کرنے میں جو خوبیاں ہیں وہ پوشیدہ نہیں اس لئے کہ غلامی کفر کا اثر ہے لہٰذا آزاد کرنا گویا کفر کے اثر کو زائل کرنا ہے، اور یہ حکماً زندہ کرنا ہے، اس لئے کہ کافر معنیً میت ہوتا ہے، اس لئے کہ اگر وہ اپنی حیات سے منتفع نہیں ہوا اور حیات کی بلند ترین حلاوتیں اس کو حاصل نہیں ہوئیں تو وہ ایسا ہی ہے جیسے اس کی روح اس کے جسم میں نہیں گویا وہ مردہ ہی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "او من کان میتا فاحییناہ" یعنی کیا وہ کافر تھا پھر میں نے اس کو ہدایت دی۔

حضرت علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ پھر اس کفر کا اثر وہ غلامی ہے جو اس کی اہلیت کو سلب کر لیتی ہے چنانچہ غلام، غلامی کی وجہ سے بہت سی عبادتوں سے محروم ہوتا ہے، مثلاً جمعہ کی نماز اس پر فرض نہیں ہوتی، حج اور جہاد اس پر فرض نہیں ہوتا اور اس میں جو خسارہ ہے وہ ظاہر ہے اور غلام کی وجہ سے ہی غلام بہت سی صفات میں مُردوں کے مشابہہ ہوتا ہے اس لئے غلام کا آزاد کرنا گویا اس کو زندہ کرنا ہے اور حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے پاس غلام کو آزاد کرنے کا بدلہ جہنم کی آگ سے آزادی ہے بشرطیکہ یہ آزاد کرنا محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے ہو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزاد کرنے کی اس جزا کا ذکر بہت سی احادیث مبارکہ میں موجود ہے۔

عتق وعتاق سے قوت کی تعبیر بھی کی جاتی ہے اسی لئے خانہ کعبہ کو بیت العتیق کہا جاتا ہے اس لئے کہ اس میں کسی بھی زمانہ میں غیر کی ملکیت میں جانے سے دفاع کی قوت ہے اور اسی لئے قدیم کو عتیق کہتے ہیں کہ اس کے اندر سبقت کی قوت تھی، اس کے علاوہ بھی مختلف معنوں میں اس کا استعمال ہوتا ہے ان سب کے اندر صفت حسن پائی جاتی ہے، واللہ اعلم۔ (مرقاۃ: ۵۳۷/۳، انوار المصابیح: ۳۴۲/۶)

{۳}......عتق کے شرعی معنی

شریعت کی اصطلاح میں عتق کہا جاتا ہے، "قوة حکمیة یصیر المرأ بها اهلا للشهادة والولایة والقضاء" ایسی قوت حکمیہ جس کے ذریعہ آدمی گواہی دینے، والی بننے اور قاضی بننے کا اہل ہو جاتا ہے۔

{۴}......فضائل عتق

اعتاق کی بہت فضیلتیں ہیں، بنابریں حضرت نبی کریم ﷺ نے اپنی عمر مبارک تریسٹھ برس کے مطابق تریسٹھ غلاموں کو آزاد فرمایا، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ٦٧ رغلام آزاد کئے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ستر ۷۰ رغلاموں کو آزاد کیا، اور ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک ہزار غلاموں کو آزاد کیا۔

عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے تیس ہزار۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بے شمار غلاموں کو آزاد کیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ غلام آزاد کرنے والے شخص کا ایک ایک عضو غلام کے ایک ایک عضو کے مقابلہ میں آزاد ہو جاتا ہے۔ "حتی فرجه بفرجه" یہاں تک کہ شرمگاہ شرمگاہ کے بدلے میں آزاد ہو جائے گی۔ اس سے پورے غلام کی طرف اشارہ ہے اور اس سے مبالغہ مقصود ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ حقیر دکھانا مقصد ہے کہ اتنی حقیر چیز جب دوزخ سے خلاصی کا سبب ہوتی ہے تو بڑے بڑے اعضاء کا کیا کہنا وہ بدرجہ اولی آزاد ہو جائیں گے، اسی لئے محققین فرماتے ہیں کہ جب آزاد کرو تو خصی یا مقطوع الذکر نہ ہو، اگر مرد آزاد کرے تو غلام آزاد کرے۔ اور اگر عورت آزاد کرے تو باندی آزاد کرنا افضل ہے تاکہ فرج بمقابلہ فرج ہو جائے۔ (درس مشکوۃ: ۴۸ / ۳)

نیز اس میں یہ بھی حکمت ہے کہ فرج محل زنا ہے آدمی زنا اور بدکاری اسی کے ذریعہ کرتا ہے اور جب غلام آزاد کرنے سے شرمگاہ جہنم سے آزاد ہو جاتی ہے تو دیگر اعضاء بدرجہ اولیٰ آزاد ہو جاتے ہیں۔

{۵}......اقسام العتق

آزادی کی پانچ اقسام ہیں۔

(۱)......مستحب: غلام کا آزاد کرنا مستحب ہے

(۲)......واجب: کفارات وغیرہ میں غلام آزاد کرنا واجب ہے۔

(۳)......مباح: زید کی صحت وغیرہ یا زید کو ثواب پہنچانے کے لئے غلام کو آزاد کرنا مباح ہے۔

(۴)......عبادات: جو آزادی خالص رضائے الٰہی کے لئے ہو یہ عبادت ہے۔

(۵)......گناہ: اس غلام کا آزاد کرنا گناہ ہے جس کے متعلق یہ ظن غالب ہو کہ وہ آزاد ہو کر دارالحرب کی طرف بھاگ جائیگا یا مرتد ہو جائے گا یا چوری ڈاکہ زنی اور قتل وغیرہ کرے گا۔(مرقاۃ:۷ ۵۳/ ۳)

{۶}......آزادی کی شرط

وشرطه ان یکون المعتق حرا بالغا و عاقلا: یعنی کسی غلام کو آزاد کرنے کی شرط یہ ہے کہ آزاد کرنے والا خود آزاد، بالغ اور عاقل ہو اور غلام اس کی ملکیت میں ہو۔(مرقاۃ:۷ ۵۳/ ۳)

{۷}......آزادی کا حکم

انسان سے رقبیت کا زوال اور خاتمہ عتق کا حکم ہے یعنی جب انسان کو آزادی حاصل ہوتی ہے تو آزادی کے تمام اوصاف، کسی چیز کا مالک، سرپرست، گواہ بننا وغیرہ عود کر آتے ہیں اب وہ خود تصرف کا مالک ہو جاتا ہے اور دوسروں کو اپنے اوپر تصرف سے روک سکتا ہے۔(مستفاد مرقاۃ:۷ ۵۳/ ۳)

{۸}......خلاصۃ الباب

اس باب کے تحت کل چھ روایتیں درج کی گئیں ہیں جو غلام آزاد کرنے کی فضیلت، لوگوں کی معاونت، ایذاء رسانی سے اجتناب بھوکوں کو کھانا کھلانا اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر وغیرہ ترغیبات پر

مشتمل ہیں، عتق یعنی آزادی شرعی نقطہ نظر سے ایسی قوت حکمیہ ہے جو انسان کو اس کا پیدائشی اور فطری حق دیتی ہے کہ وہ مالک اور سرپرست بنے، معاملات میں گواہ اور شاہد بنے، چنانچہ جس انسان کا یہ فطری حق چھن گیا اور وہ غلام ہوگیا تو اس میں آزادی کے تمام اوصاف مسلوب ہوجاتے ہیں، اور وہ اپنی ذات سمیت کسی چیز کا مالک نہیں رہتا۔ پھر جب وہ اس غلامی کی زنجیر سے خلاصی پاتا ہے تو تمام اشیاء میں تصرف کا حقدار ہوجاتا ہے یعنی شاہد وگواہ، مالک وسرپرست اور تمام معاملات میں خود تصرف کرنے اور دوسروں کو اپنے اوپر تصرف کرنے سے روکنے کا حق اس کو حاصل ہوجاتا ہے۔

{الفصل الاول}

غلام آزاد کرنے کا اجر

{۳۲۳۶} **عَنْ** اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَعْتَقَ رَقَبَةً مُسْلِمَةً اَعْتَقَ اللّٰهُ بِكُلِّ عُضْوٍ مِنْهُ عُضْوًا مِنَ النَّارِ حَتّٰی فَرْجَهٗ بِفَرْجِهٖ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۹۹۴/۲/۹۹۳، باب قول اللّٰہ تعالیٰ او تحریر رقبۃ، کتاب کفارات الایمان، حدیث نمبر: ۲۷۱۵، مسلم شریف: ۴۹۵/۱، باب فضل العتق، کتاب العتق، حدیث نمبر: ۱۵۰۹۔

حل لغات: رقبة: گردن، ذات انسانی، غلام یا مکاتب، اعتق رقبة: غلام یا باندی کو آزاد کرنا، رقبة: سے ذات انسانی مراد ہوتی ہے، اور یہ "اطلاق الجزء وارادة الکل" کے باب سے ہے اور نہایہ میں ہے کہ: رقبة، اصل میں عتق کے معنی میں ہے لیکن انسان کی ذات کل کے لئے اس کو کنایہ بنادیا ہے، تسمیة الشیء ببعضه: چنانچہ جب کسی نے کہا، اعتق رقبة، تو گویا اس نے کہا، اعتق عبدا او امة۔ اس نے کسی غلام یا باندی کو آزاد کیا۔

ترجمه: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جس نے کسی مسلمان غلام کو آزاد کیا، تو اللہ تعالیٰ آزاد کرنے والے کے ہر عضو کو غلام کے ہر عضو کے بدلے دوزخ کی آگ سے آزاد کردیں گے، یہاں تک کہ اس کی شرمگاہ کو غلام کی شرمگاہ کے بدلے میں۔(بخاری ومسلم)

تشریح: من اعتق رقبة مسلمة: مسلم کی قید اس مقصد سے ہے کہ اسکو آزاد کرنے میں زیادہ ثواب ہے۔(مرقاۃ:۵۳۸/۳)

اسی ترغیب کی بنا پر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بکثرت غلام آزاد کرتے تھے،عون الترمذی میں لکھا ہے کہ علامہ نواب صدیق حسن خاں قنوجی نے نقل کیا ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تریسٹھ غلام آزاد کئے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اناسی، اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ستر، حکیم بن حزام نے ایک سو، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک ہزار اور ذوالکلاع حمیری نے یوم احد میں آٹھ ہزار غلام آزاد کئے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے محاصرہ کے ایام میں بیس غلام آزاد کئے، حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے تیس ہزار غلام آزاد کئے۔

حتی فرجه: ہر عضو کے ذکر کے بعد بطور خاص شرمگاہ کا ذکر اس لئے کیا کہ یہ زنا کی جگہ ہے اور زنا بہت بڑا گناہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ غلام کے آزاد کرنے کی بناء پر اس عضو کو بھی نجات دیں گے، حدیث کے اسی جز کے پیش نظر علماء نے لکھا ہے کہ مستحب یہ ہے کہ جس غلام کو آزاد کیا جائے وہ خصی اور مقطوع الذکر نہ ہو۔(شرح الطیبی:۷/۳)

نیز مرد کے لئے غلام کو اور عورت کے لئے باندی کو آزاد کرنا زیادہ بہتر ہے اور ابوداؤد کی روایت میں بھی صراحت ہے،"ایما امرأ اعتق مسلما وایما امرأة اعتقت امرأة مسلمة فکافاہ من النار" جو شخص کسی مسلم غلام کو آزاد کرے یا جو عورت کسی مسلمان باندی کو آزاد کرے تو انکا بدلہ جہنم کی آگ سے خلاصی ہے۔

فائدہ: حدیث الباب میں مطلق مسلمان کو آزاد کرنے کی بات کہی گئی ہے اس میں نہ تو مؤنث کا تذکرہ ہے اور نہ مذکر کا لیکن ابوداؤد شریف کی روایت جو ابھی مذکور ہوئی اس کے اندر مسلمان کو کوئی مرد یا

012

مسلمہ کوئی عورت آزاد کرے تو یہ اس کی لئے جہنم سے آزادی کا پروانہ ہے، لیکن ابو داؤد شریف کی اس روایت میں یہ بھی ہے کہ "ایما رجل اعتق امراتین مسلمتین الا کانتا فکاکہ من النار" یعنی جو مرد دو مسلمان باندیوں کو آزاد کرے تو اس کی جزاء آزاد کرنے والے کیلئے جہنم سے خلاصی ہے، اب یہاں جاننا ضروری ہے کہ اعتقاق امۃ افضل ہے یا اعتباق عبد؟

اعتاق امۃ افضل ہے یا اعتاق عبد؟

اس مجموعہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جہنم سے خلاصی کے لئے کسی مرد کا ایک غلام کو آزاد کرنا، اور کسی عورت کا ایک باندی کو آزاد کرنا کافی ہے، اور جو مرد دو باندیوں کو آزاد کرے اس کا حکم بھی یہی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ "اعتاق امتین قائم مقام اعتاق عبد واحد" کے ہے، لہٰذا غلام کو آزاد کرنے کی فضیلت باندی کو آزد کرنے سے دوگنی ہے۔

اور بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ باندی کو آزاد کرنا زیادہ افضل ہے اور اس کی دلیل انہوں نے یہ بیان کی ہے کہ باندی کی حریت مستلزم ہوتی ہے، اس سے پیدا ہونے والی اولاد کی حریت کو خواہ اس کی شادی حر سے ہو یا عبد سے اور مرد کا حر ہونا ہر حال میں اولاد کی حریت کو مستلزم نہیں بلکہ ایک صورت میں جبکہ اس کے نکاح میں حرہ ہو، لیکن محض اتنی سی بات اس صریح حدیث کے معارضہ کیلئے کافی نہیں، "ایضا عتق الانثی ربما افضی۔ فی الغالب الی ضیاعها لعدم قدرتها علی التکسب، بخلاف الذکر۔ باندی کا آزاد کرنا اس کے کسب وکمائی پر قدرت نہ رکھنے کیوجہ سے بعض دفعہ اسکے ضائع ہونے کا ذریعہ ہوجاتا ہے بخلاف غلام کے۔ (تحفۃ الاحوذی، الایمان والنذور، الدرالمنضود: ۶/۱۳۷)

گراں قیمت غلام آزاد کرنا زیادہ باعث اجر ہے

{۳۲۳۷} وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَیُّ الْعَمَلِ اَفْضَلُ قَالَ اِیْمَانٌ بِاللّٰهِ وَجِهَادٌ فِیْ سَبِیْلِهٖ وَقَالَ قُلْتُ فَاَیُّ الرِّقَابِ اَفْضَلُ قَالَ اَغْلَاهَا ثَمَناً وَاَنْفَسَهَا عِنْدَ اَهْلِهَا قُلْتُ فَاِنْ لَمْ

اَفۡعَلۡ قَالَ تُعِيۡنُ صَانِعًا اَوۡ تَصۡنَعُ لِاَخۡرَقَ قُلۡتُ فَاِنۡ لَمۡ اَفۡعَلۡ قَالَ تَدَعُ النَّاسَ مِنَ الشَّرِّ فَاِنَّهَاَ صَدَقَةٌ تَصَدَّقُ بِهَا عَلٰى نَفۡسِكَ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيۡهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۳۴۲، باب ای الرقاب افضل، کتاب العتق، حدیث نمبر: ۲۵۱۸، مسلم شریف: ۱/۶۲، باب بیان کون الایمان باللہ تعالیٰ افضل الاعمال، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۸۴۔

حل لغات: الصنعۃ: صنعت، ہنر، کاری گری، صنعت کاری، پیشہ کاری، صنع، بنانا تیار کرنا، لاخرق: بے وقوف ناواقف جاہل۔

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: کہ کون سا عمل افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اللہ پر ایمان لانا اور اللہ کے راستے میں جہاد کرنا، ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ کون سا غلام آزاد کرنا افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو قیمت میں زیادہ ہو، اور مالکوں کو زیادہ پسند ہو، میں نے عرض کیا کہ اگر میں نہ کرسکوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کام کرنے والے کی مدد کرو، یا بنادو، تم ناواقف کار کے لئے، میں نے عرض کیا کہ اگر میں نہ کرسکوں؟ فرمایا کہ لوگوں کو شر پہنچانے سے اجتناب کرو، یہ ایسا صدقہ ہے جس کے ذریعہ سے تم اپنے او پر صدقہ کرتے ہو۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: اس حدیث میں چند باتیں خاص طور سے مذکور ہیں۔

(۱)......سب سے افضل عمل ایمان ہے، کیونکہ تمام نیکیوں کی بنیاد ایمان ہے، بغیر ایمان کے کوئی طاعت شرف قبولیت نہیں پاسکتی۔

(۲)...... جہاد کے ذریعہ اسلام کو شوکت وعظمت نصیب ہوتی ہے، لہٰذا دین کا یہ خصوصی شعبہ بھی بہت اہم اور بہت زیادہ فضیلت کا باعث ہے۔

(۳)......جتنا مہنگا اور قیمتی غلام انسان آزد کرے گا اتنا ہی زیادہ ثواب ملے گا۔

(۴)...... جہاں تک ممکن ہوسکے دوسروں کی مدد کرنا چاہئے، اگر کوئی ہنر آتا ہے تو اس ہنر سے دوسروں کو فائدہ پہنچانا چاہئے تجارت یا زراعت ہے تو اپنے تجربات ومشاہدات سے لوگوں کے حق میں

012

نافع بننے کی کوشش کرنا چاہئے۔

(۵)......کسی بھی شخص کو اپنی زبان، ہاتھ یا دیگر ذرائع سے قطعا تکلیف نہ پہنچانا چاہئے، جو شخص لوگوں کے لئے ضرر رساں نہ ہوگا تو اسکو اس کا فائدہ خود اپنے حق میں محسوس ہوگا۔ دوسرے لوگ بھی اس سے محبت کریں گے۔

اغلاہا ثمنا: جو غلام قیمت کے اعتبار سے مہنگا ہو اس کا آزاد کرنا زیادہ مشکل ہے، اس لئے اس کا ثواب بھی زیادہ ہے، آپ ﷺ نے اصول بیان فرمایا ہے کہ "افضل الاعمال احمرھا" سب سے افضل عمل وہ ہے جس میں دشواری ہو۔

اسی طرح ایک موقع پر فرمایا کہ: "اجرکم علی قدر نصبکم" تمہارا اجر تمہاری مشقتوں کے اعتبار سے ہے۔ یعنی جو غلام تمہارے یہاں زیادہ قیمتی ہو اور عزت و شرافت اور کرامت میں تم کو اور تمہارے اہل خانہ کو محبوب ہو، تو ایسے غلام کو آزاد کرنا زیادہ اجر و ثواب کا باعث ہے۔ (مرقاۃ: ۵۳۹/)

اس روایت میں ایمان کا سب سے بہتر ہونا بتایا گیا اور اس کا بہتر ہونا تو ظاہر ہے کیونکہ کوئی عمل بھی ایمان کے بغیر قابل قبول نہیں اور جہاد کا افضل ہونا اس لحاظ سے ہے کہ وہ دین کی مضبوطی اور اسلام اور مسلمانوں کے غلبے کا ذریعہ ہے اور نماز اور روزہ کی افضلیت دیگر وجوہ کے لحاظ سے ہے۔

یا جہاد سے مراد قطعاً دین کیلئے مشقت اٹھانا ہے جو کہ جہاد اور تمام طاعات کو شامل ہے، یعنی ماموروات کی ادائیگی اور ممنوعات سے حفاظت کے لئے جو مشقت اٹھائی جائے اور اسی کو جہاد اکبر فرمایا گیا ہے، تو جواب کا حاصل یہ ہوا کہ بہتر عمل ایمان لا کر اس کے مقتضیٰ پر عمل کرنا ہے، جیسے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "قل امنت باللہ ثم استقم"۔ تم کہو کہ میں اللہ پر ایمان لایا اور پھر اس پر جم جاؤ۔

تُعِيْنُ صَانِعًا: مدد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ آدمی جو کوئی کام بطور ذریعہ معاش کے کرتا ہو مثلاً صنعت و حرفت، تجارت اس میں اس کی معاونت کرنا وہ اس طرح کہ اس محنت سے حاصل ہونے والی کمائی اس کے عیال کے لئے کفایت نہ کرتی ہو یا وہ کام کرنے میں کمزور اور عاجز ہو تو اس کی معاونت کرنا کہ وہ کام زیادہ کرے یا کام درست انداز اسے کرنے لگے اور تمہاری معاونت کی وجہ سے اس کی کمائی اس کی اور اس کے اہل و عیال کی ضرورت کے لئے کافی ہو جائے۔

او تصنع لاخرق: یعنی کسی بدسلیقہ کا کام کردو یعنی وہ آدمی سلیقہ مند نہ ہونے کی وجہ سے اپنے کام کو صحیح طور پر نہ کر رہا ہو تو تم اس کی معاونت کر کے اس کے کام کو سنوار دو۔

تدع الناس من الشر: اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کا بھلا نہیں کر سکتے کسی کو نفع نہیں پہنچا سکتے تو کم از کم کسی کو نقصان بھی نہ پہنچاؤ۔ خاص طور پر اس وقت جب کہ آدمی کو تکلیف پہنچانے کی پوری قدرت ہو جیسے فارسی میں کسی نے کہا ہے۔

مراز خیر تو امید نیست بد مرساں

ظاہری عبارت کے اعتبار سے تو یوں کہنا چاہئے تھا کہ لوگوں کو اپنی ایذاء سے بچانا یہ بھی خیر ہے لیکن اسلوب حکیم کے انداز سے فرمایا کہ یہ صدقہ ہے جو تو اپنی ذات پر کرتا ہے، یعنی لوگوں کے ساتھ کی جانے والی بھلائی وہ حقیقت میں اپنے نفس کے ساتھ بھلائی ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۳/۵۳۹)

{الفصل الثانی}

غلام کی آزادی میں مدد کرنا

{۳۲۳۸} **وَعَنِ** الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ جَاءَ اَعْرَابِیٌّ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عَلِّمْنِیْ عَمَلاً یُدْخِلُنِی الْجَنَّۃَ قَالَ لَئِنْ کُنْتَ اَقْصَرْتَ الْخُطْبَۃَ لَقَدْ اَعْرَضْتَ الْمَسْئَلَۃَ اَعْتِقِ النَّسَمَۃَ وَفُکَّ الرَّقَبَۃَ قَالَ اَوَلَیْسَا وَاحِداً قَالَ لَا، عِتْقُ النَّسَمَۃِ اَنْ تَفَرَّدَ بِعِتْقِھَا وَفُکُّ الرَّقَبَۃِ اَنْ تُعِیْنَ فِیْ ثَمَنِھَا وَالْمِنْحَۃَ الْوَکُوْفَ وَالْفَیْئَ عَلٰی ذِی الرَّحِمِ الظَّالِمِ فَاِنْ لَمْ تُطِقْ ذٰلِکَ فَاَطْعِمِ الْجَائِعَ وَاسْقِ الظَّمْاٰنَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْہَ عَنِ الْمُنْکَرِ فَاِنْ لَمْ تُطِقْ ذٰلِکَ فَکُفَّ لِسَانَکَ اِلَّا مِنْ خَیْرٍ۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

حوالہ: بیقھی فی شعب الایمان: ۴/۶۵، باب العتق و وجد التقرب، حدیث: ۴۳۳۵۔

حل لغات: اقصر چھوٹا کرنا، اقصر الکلام، کلام کا چھوٹا کرنا، مختصر کرنا، الخطبة: گفتگو وعظ و نصیحت، اعراض المسئلة: کسی مسئلہ کو بڑا کرنا اور شرح و بسط کے ساتھ بیان کرنا، لمبا چوڑا سوال کرنا، النسمة: ہر جاندار مخلوق، جان، انسان، فک رقبة، غلام کو آزاد کرنا، فک الشی: کھولنا، ڈھیلا کرنا، قیدی کو رہا کرنا، المنحة: عطیہ، عارضی ضرورت کے لئے اپنے متعلق کو بشرط واپسی دی جانے والی زمین جانور یا اور کوئی چیز، الوکوف: بہت دودھ دینے والی بکری، وہ اونٹنی جسکا دودھ جاری رہتا ہو، الظمان، سخت پیاسا۔

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک دیہاتی شخص آیا، اور اس نے عرض کیا کہ مجھ کو کوئی ایسا عمل سکھا دیجئے جس کے ذریعہ سے میں جنت میں داخل ہو جاؤں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اگر چہ تو نے مختصر گفتگو کی ہے، لیکن تو نے بڑی اہم بات دریافت کی ہے، تم غلام آزاد کرو، اور گردن چھڑاؤ، دیہاتی نے عرض کیا کہ کیا یہ دونوں باتیں ایک نہیں ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں، غلام آزاد کرنا تو یہ ہے کہ تم تنہا اس کو آزاد کرو، اور گردن چھڑانا یہ ہے کہ تم اس کی قیمت کی ادائیگی میں مدد کرو، اور دودھ دینے والا جانور دو، اور ظالم قریبی رشتے دار پر مہربانی کرو، اگر یہ نہ کرسکو تو بھوکے کو کھانا کھلاؤ، پیاسے کو پانی پلاؤ، بھلائی کا حکم کرو، اور برائی سے روکو اور اگر تم یہ بھی نہ کرسکو تو بھلی بات کے علاوہ اپنی زبان بند رکھو۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

تشریح: اپنے غلام کو آزاد کرنا، یا کسی دوسرے کے غلام کو آزاد کرانے میں کوشش ومدد کرنا بہت بڑی نیکی ہے، اس کے ذریعہ سے انسان جنت میں داخل ہوتا ہے، اسی طرح نادار شخص کو اپنی بکری اس غرض سے دینا کہ وہ اس کے دودھ وغیرہ سے نفع حاصل کرے بہت اجر کا کام ہے، ذی رحم محرم اگر چہ ظلم کرے، لیکن اس کے ظلم کو نظر انداز کر کے اس کے ساتھ صلہ رحمی اور حسن سلوک بہت ہی پسندیدہ عمل ہے، آدمی کو چاہئے کہ ان نیک کاموں کو اختیار کرے، اسی طرح بھوکوں کو کھانا کھلانا اور پیاسوں کو پانی پلانا چاہئے، نیک کام کی طرف لوگوں کو بلانا چاہئے، برائیوں سے لوگوں کو روکنا چاہئے، یہ سارے امور دین کے شعبہ جات ہیں، ان کو اپنی زندگی میں لانا چاہئے، الٹی سیدھی، اور لایعنی گفتگو سے، اسی طرح دل آزار باتوں سے گریز کرنا چاہئے، زبان سے اچھی اور مفید باتیں ہی نکالنا چاہئے، جو شخص اپنی زندگی میں ان چیزوں کو

لائیگا، اس پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل ہوگا، اس کو جنت میں سابقین کے ساتھ داخلہ نصیب ہوگا۔

لمنحة الوکوف منحة: کے معنی عطیہ کے ہیں، لیکن یہاں اونٹنی یا بکری مراد ہے "الوکوف" یہ "منحة" کی صفت ہی بہت دودھ دینے والی، درحقیقت یہ بھی غریبوں اور محتاجوں کی مدد کا اچھا ذریعہ ہے کہ ان کو اپنے ریوڑ میں سے عاریتاً ایک دو بکری دیدی جائیں جن کے دودھ وغیرہ سے وہ نفع اٹھائیں۔ (مرقاۃ:۹/۵۳۹ / ۳) "والفئی علی ذی الرحم الظالم" قریبی رشتے دار ظلم کرے، پھر بھی اسلامی تعلیم یہ ہے کہ اس کے ساتھ حتی الامکان شفقت ومحبت کا معاملہ کیا جائے اور صلہ رحمی ترک نہ کی جامع ترمذی میں آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ "لیس الواصل بالمکافی ولکن الواصل الذی اذا انقطعت رحمه وصلها" جو شخص بدلہ کے طور پر صلہ رحمی کرتا ہے، وہ صلہ رحمی کا حق ادا نہیں کرتا ہے، صلہ رحمی کا حق ادا کرنے والا تو وہ شخص ہے کہ جب اس کے ساتھ قطع رحمی ہو تو بھی صلہ رحمی کا معاملہ کرے، اسی کو ایک موقع پر آپ ﷺ نے یوں بھی فرمایا کہ "صل من قطعك واعف عمن ظلمك واعط من حرمك" جو تم سے تعلق توڑے تم اس سے تعلقات جوڑو، جو تم پر ظلم کرے تو اس کو معاف کردو، اور جو تم کو محروم کرے تم اس کو بھی دو، اگر قطع رحمی کرنے والوں کے ساتھ جوابی کاروائی کرتے ہوئے قطع رحمی کی جائے گی تو بگاڑ میں اضافہ ہی ہوگا، اور اگر برائی کا جواب اچھائی سے دیا جاتا رہے گا، تو انسانی فطرت کے مطابق کبھی نہ کبھی اس کی اصلاح ہو ہی جائے گی، اور قطع رحمی کرنے والے کے دل میں محبت پیدا ہو ہی جائے گی۔

فاطعم الجائع: بھوکے کو کھانا کھلاؤ، غریبوں کو کھانا کھلا بہت بڑے اجر کا کام ہے، آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے، "اعبدو الرحمن واطعموا الطعام وافشو السلام، تدخلو الجنة بسلام" (ترمذی) رحمن کی عبادت کرو، اور غریبوں کو کھانا کھلاؤ اور سلام کو رواج دو، اطمینان کے ساتھ جنت داخل ہو جاؤ، مطلب یہ ہے کہ جو شخص ان کاموں کو انجام دے گا وہ سہولت وآسانی کے ساتھ جنت میں داخل ہوگا اس کو جنت میں داخل ہونے میں کسی قسم کی پریشانی نہیں ہوگی۔

واسق الظمان: پیاسے کو پانی پلانے میں بہت اجر ہے، بنی اسرائیل کے ایک شخص نے پیاسے کتے کو پانی پلایا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے سارے گناہ معاف کردیئے۔ اور اس کو جنت میں داخل

کردیا۔

وامر بالمعروف: بھلائی کا حکم کرو، "معروف" میں وہ تمام نیکیاں اور بھلائیاں داخل ہیں جن کا اسلام نے حکم دیا ہے، اور ہر نبی نے ہر زمانے میں اس کی ترویج کی کوشش کی اور چوں کہ یہ امور خیر جانے پہنچانے جاتے ہیں اس لئے ان کو معروف کہا جاتا ہے۔

وانہ عن المنکر: برائی سے روکو، منکر میں وہ تمام برائیاں اور مفاسد داخل ہیں، جن کو رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ناجائز قرار دینا معلوم ومعروف ہے، (معارف القرآن)

فکف لسانک الامن خیر: زبان کو لایعنی باتوں کے استعمال سے روکو، صرف بھلی بات ہی کرو، ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ "من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلیقل خیرا اولیصمت" جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر یقین رکھتا ہے، اس کو چاہئے کہ بھلی بات کرے ورنہ خاموش رہے، بعض شارحین کہتے ہیں مباح امور سے متعلق باتیں خیر کے مفہوم میں داخل نہیں ہیں، لیکن اکثر شارحین بشمول صاحب مرقات فرماتے ہیں کہ خیر سے وہ باتیں مراد ہیں جو شر کے مقابلہ میں ہوں تو مباح خیر میں داخل ہیں، لہذا مباح باتیں کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (مرقاۃ:۵۴۰/۳)

دوسری روایت میں اس طرح ذکر کیا گیا جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو تو اسے بھلی بات کہنی چاہئے یا پھر وہ خاموش رہے ان دونوں ارشادات کا خلاصہ یہ ہے کہ اپنی زبان پر کنٹرول کرے بکواس بازی، بدکلامی اور بدگوئی سے گریز کرے اور بری بات کو زبان پر ہرگز نہ لائے، اگر اس کی زبان حرکت میں آئے تو اس سے بھلائی ہی کی بات نکلے یہ ایک ایسا زرین نکتہ ہے، جس پر عمل پیرا ہو کر انسان دینی اور دنیاوی بہت سے نقصانات سے بچ سکتا ہے۔

علماء کا فرمان یہ ہے کہ ان دونوں روایات میں بھلائی سے مراد ہر وہ چیز ہے جس پر ثواب ملے چنانچہ اس کے مطابق مباح کلام پر بھلائی کا اطلاق نہ ہوگا مگر زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ یہاں بھلائی سے مراد ہر وہ چیز ہے، جو برائی کے مقابل ہو، اس صورت میں مباح کلام بھلائی کے زمرہ میں شامل ہو جائے گا ورنہ کلام میں حصر کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

جس طرح دل آزار باتیں اور بے ہودہ کلام کی بنا پر انسان کو سزا جھیلنا ہوگی، اسی طرح اچھی

باتیں کرنے پر اجروثواب کا حصول ہوگا، ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

"ان فی الجنة غرفا تری ظهورها من بطونها وبطونها من ظهورها فقام اعرابی، فقال لمن هی یارسول الله؟ فقال لمن اطاب الکلام واطعم الطعام وادام الصیام وصلی باللیل والناس نیام" جنت میں کچھ ایسے بالا خانے ہیں جن کا باہر اندر سے نظر آتا ہے اوران کا اندر کا حصہ باہر سے نظر آتا ہے، ایک دیہات کے رہنے والے شخص کھڑے ہوئے انہوں عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! یہ بالا خانے کن لوگوں کے لئے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کہ یہ بالا خانے ان لوگوں کے لئے ہیں جو اچھی باتیں کرتے ہیں غریبوں کو کھانا کھلاتے ہیں، کثرت سے روزے رکھتے ہیں اور رات میں اس وقت نماز پڑھتے ہیں جب کہ لوگ سوئے ہوئے ہوتے ہیں۔ (ترمذی) جنت میں بہترین بالاخانی ہیں۔ (فیض المشکوۃ:۶/۲۸۱)

فائدہ: معلوم ہوا کہ اچھی باتیں کرنا بھی بہت بڑی نیکی ہے۔

غلام آزاد کرنے کا صلہ

{۳۲۳۹} **وَعَنْ** عَمْرِو بْنِ عَبَسَةَ رَضِیَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ بَنٰی مَسْجِدًا لِیُذْکَرَ اللهُ فِیْهِ بُنِیَ لَهُ بَیْتٌ فِی الْجَنَّةِ وَمَنْ اَعْتَقَ نَفْسًا مُسْلِمَةً کَانَتْ فِدْیَتَهُ مِنْ جَهَنَّمَ وَمَنْ شَابَ شَیْبَةً فِی سَبِیْلِ اللهِ کَانَتْ لَهُ نُوْرًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ۔ (رواه فی شرح السنة)

حوالہ: بغوی فی شرح السنة: ۹/۳۵۵، باب ثواب العتق، کتاب العدة، حدیث نمبر: ۲۴۲۰۔

حل لغات: النفس: روح، جان، کسی چیز کی ذات، عین، شباب: سفید بالوں والا ہونا، بوڑھا ہونا۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ حضرت نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اس مقصد سے مسجد بنائے کہ اس میں اللہ کا ذکر کیا جائے، تو اس کے لئے

جنت میں ایک مکان بنایا جائے گا، اور جو شخص کسی مسلمان غلام کو آزاد کرے، تو اس کا بدلہ جہنم کی آگ سے نجات ہے، اور جو شخص اللہ کی راہ میں بوڑھا ہو جائے تو اس کا بوڑھاپا قیامت کے دن اس کے لئے نور ہوگا۔ (بغوی فی شرح السنۃ)

تشریح: اس حدیث میں تین بہت ہی اجر و ثواب والے کاموں کا تذکرہ اس مقصد سے ہے کہ ہر آدمی کو کوشش کر کے ان اعمال کو کرنا چاہئے۔

(۱)......اخلاص نیت کے ساتھ مسجد کی تعمیر کرنیوالے کو اللہ تعالیٰ جنت میں عالی شان محل سے نوازینگے۔

(۲)......غلام کو آزاد کرنے والے کو اللہ تعالیٰ جہنم کی آگ سے نجات دیں گے۔

(۳)......اور اپنی زندگی کا بیشتر حصہ جہاد و قتال اور دعوت و تبلیغ میں گذارنے والے کو اللہ تعالیٰ ایک خصوصی نور عطا فرمائیں گے۔

من بنی مسجدا: مسجد بنانے کا بڑا ثواب ہے، اور جو ثواب پہلی مرتبہ مسجد تعمیر کرنے کا ہے، وہی ثواب ضرورت پڑنے پر مسجد توڑ کر دوبارہ تعمیر کرنے کا ہے، اسی طرح مسجد کے متعلقات کا اور مسجد کی مرمت وغیرہ کا بھی وہی ثواب ہے، "مسجدا" نکرہ ہے، مقصود یہ ہے کہ ہر مسجد کا یہی ثواب ہے، مسجد چاہے چھوٹی ہو یا بڑی ثواب میں کمی نہیں آئے گی، ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس کی صراحت بھی موجود ہے کہ "صغیرا کان او کبیرا" اسی طرح اگر چندہ سے مسجد تعمیر کی گئی ہے، تب بھی ثواب میں کمی نہ ہوگی، "لیذکر اللہ فیہ" تعمیر کی غرض یہ ہو کہ اس میں اللہ کی عبادت ہو، ریاکاری اور شہرت مقصود نہ ہو، بعض روایات میں "بنی اللہ" ہے یعنی مسجد کی تعمیر اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہو، ابن جوزی سے فرمایا ہے جس نے مسجد بنا کر اپنے نام کا کتبہ لگایا تو یہ کام اخلاص سے بہت دور ہے، اس لئے وہ ثواب کا مستحق نہیں ہے، "بنی لہ بیت فی الجنۃ" یعنی بندہ نے مسجد تعمیر کی تو اللہ تبارک وتعالیٰ جنت میں اس کیلئے اپنی شان کریمی کے اعتبار سے محل تعمیر فرمائیں گے، یہاں اللہ تعالیٰ کی طرف اسناد مجازی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں عظیم الشان محل تعمیر کرنے کا حکم فرمائیں گے۔

ومن شاب شیبۃ: جس شخص نے اپنی زندگی طلب علم، جہاد، حج، یا کسی اور دینی خدمت میں لگائی اور اس میں اس کے سفید بال ہو گئے اور اس پر بڑھاپے کے اثرات ظاہر ہو گئے، تو قیامت کی

تاریکی میں اس کے بوڑھاپے کے آثار اس کے حق میں نور بن جائیں گے، (رواہ فی شرح السنۃ) مقصد یہ بتانا ہے کہ حدیث باب صاحب مشکوۃ کو شرح السنۃ کے علاوہ حدیث کی دیگر کتابوں میں نہیں ملی، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث کے یہ تمام اجزا اسی ترتیب سے اور اسی سند سے صاحب مشکوۃ کو شرح السنۃ کے علاوہ کہیں نہیں ملے، ورنہ مجموعی اعتبار سے حدیث سے کلمات دیگر کتابوں میں موجود ہیں۔

(مرقاۃ:۵۴۰/۳)

{الفصل الثالث}

غلام آزاد کرنے کی فضیلت

{۳۲۴۰} عَنْ الْغَرِیْفِ ابْنِ عَیَّاشِ الدَّیْلَمِیِّ قَالَ اَتَیْنَا وَاثِلَۃَ بْنَ الْاَسْقَعِ فَقُلْنَا حَدِّثْنَا حَدِیْثاً لَیْسَ فِیْہِ زِیَادَۃٌ وَلَا نُقْصَانٌ فَغَضِبَ وَقَالَ اِنَّ اَحَدَکُمْ لَیَقْرَأُ وَمُصْحَفُہُ مُعَلَّقٌ فِی بَیْتِہٖ فَیَزِیْدُ وَیَنْقُصُ فَقُلْنَا اِنَّمَا اَرَدْنَا حَدِیْثًا سَمِعْتَہُ مِنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَتَیْنَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی صَاحِبٍ لَنَا اَوْجَبَ یَعْنِی النَّارَ بِالْقَتْلِ فَقَالَ اَعْتِقُوْا عَنْہُ یُعْتِقُ اللّٰہُ بِکُلِّ عُضْوٍ مِنْہُ عُضْوًا مِنَ النَّارِ۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۵۵۲/۲، باب فی ثواب العتق، کتاب العتق، حدیث نمبر: ۳۹۶۴، نسائی شریف: /۲، باب ذکر اسم ھذا الولی کتاب العتق، حدیث نمبر: ۴۸۹۲۔

حل لغات: المصحف: لکھے ہوئے اوراق کا مجموعہ، بضم المیم، اغلب: استعمال بمعنی قرآن پاک ہے۔ علق الشیئ: کسی چیز کو کسی چیز پر لٹکانا، اٹکانا، الصاحب: ساتھی، دوست، غریف: بفتح الغین وکسر الراء وسکون الیاء الدیلمی، بفتح الدال وسکون الیاء وفتح اللام ملا علی قاری فرماتے

ہیں کہ مشکوۃ شریف کے ایک نسخہ میں ابن الدیلمی ہے اور حاکم نے فرمایا کہ دیلمی عبد اللہ ابن الدیلمی کا لقب ہے ان کو صاحب مشکوۃ نے تابعین میں شمار کیا ہے۔

ترجمہ: حضرت غریف دیلمی بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت واثلہ بن اسقع کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم نے عرض کیا کہ ہم سے ایسی حدیث بیان فرمائے جس میں نہ کوئی زیادتی ہو اور نہ کمی ہو، حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ ناراض ہو گئے اور فرمایا کہ تم میں سے ہر کوئی قرآن پڑھتا ہے، اور قرآن مجید تمہارے گھر میں لٹکا رہتا ہے، لیکن اس کے باوجود تلاوت میں کمی بیشی ہوتی ہے، تو ہم نے عرض کیا کہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ آپ ہم سے ایسی حدیث بیان فرمایئے، جو آپ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو، چنانچہ حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم اپنے ایک ساتھی کے سلسلہ میں جس پر قتل کی بنا پر جہنم واجب ہو چکی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی جانب سے تم لوگ غلام آزاد کردو، اللہ تعالیٰ غلام کے ہر عضو کے بدلہ میں اس کے ہر عضو کو جہنم سے آزاد فرمادیں گے۔

تشریح: معلوم ہوا کہ روایت بالمعنی جائز ہے، مطلب یہ ہے کہ اگر حدیث کے الفاظ جوں کے توں پورے طور پر محفوظ نہ رہیں تو ضرورۃً حدیث کا مفہوم اپنے الفاظ میں بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۲)......اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قاتل نے اگر دیت وغیرہ ادا کردی ہے، اس کے بعد اس نے خود یا اس کی طرف سے کسی نے غلام آزاد کردیا تو اللہ تعالیٰ آخرت میں اس سے مواخذہ نہیں فرمائیں گے، اور قاتل کو جہنم کی آگ سے رہائی مل جائے گی۔

(۳)......حدیث پاک سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اقامتِ حد تکفیر جنایت کے لئے کافی نہیں ہے، ورنہ اعتاق رقبہ کی ضرورت نہ تھی، یعنی اگر کسی نے کوئی جرم کیا اور اس پر حد جاری ہوگئی، تو یہ دنیوی سزا ہوئی، آخرت میں مواخذہ ہوگا لیکن اگر گناہ سے توبہ کرلی تو آخرت میں مواخذہ نہ ہوگا، اس طرح غلام آزاد کردیا ہے تو بھی اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں گے۔

(۴)......یہ حدیث حنفیہ کے مذہب کی مؤید ہے۔

حدثنا حدیثا لیس فیہ زیادۃ ولا نقصان: حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ اصحاب صفہ میں سے ہیں، انہوں نے بہت طویل مدت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں گذاری ہے، ان سے حضرت غریف رضی اللہ عنہ نے درخواست کی کہ آپ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث اس طرح سنائیں جس طرح آپ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی، اس میں ذرا سا بھی الفاظ کا تغیر وتبدل نہ ہو، "فغضب" حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ ناراض ہو گئے اس لئے کہ بعینہ وہی الفاظ بغیر کسی کمی وبیشی کے نقل کرنا مشکل ہے۔

فیزید وینقص: یعنی قرآن کی تلاوت میں بھول چوک ہوتی ہے، مطلب یہ ہے کہ باوجود یکہ قرآن کریم مصحف شریف میں لکھا ہوا ہے اور اسکو دیکھ کر بار بار پڑھتے رہتے ہیں مگر پھر بھی قرآن پاک حفظ پڑھنے میں بھول چوک ہو جاتی ہے۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ نے یہ بات بطور مبالغہ کے فرمائی تھی، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مجبوری میں قرآن میں کمی وبیشی کرنا جائز ہے، البتہ یہاں سے یہ ضرور معلوم ہوا کہ حدیث نبی کو روایت بالمعنی کرنا جائز ہے۔ (شرح الطیبی: ۷/۶) "انا اردنا حدثنا" حضرت واثلہ کا غصہ ٹھنڈا کرنے کیلئے حضرت غریف نے اپنی بات کی وضاحت فرمائی کہ ہمارا مقصد آپ سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی حدیث سننا ہے جس کو آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست سنا ہو۔

اتینا رسول اللہ: حضرت واثلہ فرمارہے ہیں کہ ایک موقع پر آپ کی خدمت میں ہم اپنے ساتھی کا مسئلہ لے کر گئے تاکہ آپ سے اس کی نجات کا طریقہ معلوم کریں؟ اس شخص نے کسی کو قتل کر دیا تھا، پھر اس نے خودکشی کر لی تھی۔

اعتقوا عنہ: آپ نے اس کی نجات کی راہ یہ بتائی کہ اس کی طرف سے غلام آزاد کرو، آپ کا یہ فرمان یا تو اس شخص کیلئے ہے جس نے قتل کرنے کے موجب قتل یعنی دیت وغیرہ کو ادا کر دیا تھا، یا پھر اس شخص کے لئے ہے جس نے خودکشی کر لی تھی۔

حدود: کفارات ہیں یا زاجرات ہیں؟ یعنی حد جاری ہونے سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں یا پھر حدود صرف گناہ روکنے والے ہیں۔

اس بارے میں اختلاف ہے

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حدود کفارات سیئیات ہیں یعنی حد جاری ہونے سے گناہ ازخود معاف ہو جاتے ہیں، حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حدود زواجر ہیں، یعنی گناہوں سے باز رکھنے والی ہیں، ان سے گناہ معاف نہیں ہوتے ہیں، بلکہ قولی یا فعلی توبہ ضروری ہے اگر صرف حدود سے گناہ معاف ہوجاتے، تو آپ غلام سے آزاد کرنے کے لئے نہ فرماتے، مزید تفصیل انشاء اللہ کتاب الحدود کے تحت نقل کی جائے گی۔

غلام کی آزادی کی سفارش

{۳۲۴۱} **وَعَنْ** سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الصَّدَقَةِ الشَّفَاعَةُ الَّتِيْ بِهَا تُفَكُّ الرَّقَبَةُ۔ (رواه البیهقی فی شعب الایمان)

حواله: بیهقی فی شعب الایمان: ۱۲۴/۶/۱۲۵، باب التعاون علی البر والتقوی، حدیث نمبر: ۷۶۸۳۔

حل لغات: سمرۃ بن جندب: ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سین اور میم کو ضمہ ہے اور دال پر فتحہ مظاہر حق قدیم وجدید۔ دونوں میں میم کا سکون لکھا ہوا ہے، اور مشکوۃ کے بعض نسخوں میں دال پر فتحہ وضمہ دونوں ہے۔

ترجمه: حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ بہترین صدقہ وہ سفارش ہے جس کے ذریعہ سے گردن آزاد ہوجائے۔ (بیہقی)

تشریح: افضل الصدقة الشفاعة بها: غلام کو آزاد کرنے کی سفارش، سفارش حسنہ میں داخل ہے، اور سفارش حسنہ کا ثواب قرآن میں مذکور ہے، "من یشفع شفاعة حسنة یکن له نصیب منها"، اچھی سفارش کرنے والے کو ثواب کا حصہ ملے گا، لہذا غلام کی آزادی کی ضرور سفارش کرنا چاہئے۔

(مرقاۃ: ۳/۵۴)

آپ کا فرمان ہے کہ "کان اللہ فی عون عبدہ ما دام فی عون اخیہ" اللہ تعالیٰ اس وقت تک اپنے بندے کی مدد میں لگا رہتا ہے جب تک وہ اپنے مسلمان بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے، بخاری شریف میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ "اشفعوا فلتوجروا" تم سفارش کرو، تمہیں ثواب ملے گا، لہٰذا ہر پریشان، مظلوم کی جائز معاملات میں ضرور سفارش کرنا چاہئے اور ناجائز سفارش سے گریز کرنا چاہئے۔

سفارش کا حکم

حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفارش کرنے کی فضیلت بیان فرمائی ہے اور اس کے ذریعہ بے وسیلہ لوگوں کی بات بڑوں تک پہنچانے کا فائدہ بھی مگر ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ جس سے سفارش کی جائے اس کو ایذا نہ پہنچے اور اس کو اپنے اثر سے سفارش قبول کرنے پر مجبور نہ کیا جائے بلکہ اپنے قول و عمل سے بتلا دیا جائے کہ سفارش قبول نہ ہوئی تو مجھے کوئی گرانی نہیں ہوگی، ایسی سفارش تو مستحب ہے اور جس میں دوسرے کے اختیار کو اپنے اثر و رسوخ سے سلب کیا جائے یہ ناجائز ہے؟ آج کے دور میں جو سفارش کی جاتی ہے اس میں سفارش قبول کرنے والے کے اختیار کو اکثر سلب کیا جاتا ہے یہ سفارش کا منشاء اسکام کا کرانا ہی مقصود ہوتا ہے اور قبول کرنے پر زور دیا جاتا ہے اگر وہ اپنی کسی مصلحت سے سفارش قبول نہ کرے تو اس پر ناراض ہوتے ہیں کہ اس کی سفارش کرتے پھرتے ہیں اس لئے وہ اپنی مصالح کے خلاف مجبوراً سفارش کو قبول کرتا ہے اور اندر سے اس سے ناراض ہوتا ہے اس لئے سفارش حقیقت میں سفارش نہیں رہتی۔ اللھم احفظنا منہ۔ (اشرف الاحکام:۲۱۵)

(باب الاعتقاق العبد المشترک وشری القریب والعتق فی المرض)

مشترک غلام کو آزاد کرنے، قریبی رشتہ دار کو خریدنے اور بیماری کی حالت میں غلام آزاد کرنے کا بیان

خلاصۃ الباب

اس باب کے تحت اٹھارہ روایتیں درج کی گئی ہیں، جو مشترک غلام کی آزادی، حالت بیماری کی آزادی خریدنے سے قریبی رشتہ دار غلام کی آزادی، اور ام ولد کی آزادی اور اس کے بیچنے کی ممانعت، مکاتب کی آزادی اور اس کی غلامی، بغرض ایصال ثواب غلام و باندی کی آزادی اور غلام کے مال کی ملکیت وغیرہ جیسے مسائل پر مشتمل ہیں۔

تجزیۃ الباب

اس باب میں جو روایتیں ذکر کی گئی ہیں ان میں ایک مسئلہ مشترک غلام کا آزاد کرنا ہے، جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے غلام میں اپنے کسی حصہ کو آزاد کیا تو وہ سارا آزاد کیا جائے گا اگر اس کے پاس مال ہو، کہ وہ دوسرے شریک کے حصہ کا ضمان ادا کرسکے۔ (مشکوۃ شریف) یعنی عتق متجزی نہیں ہوتا ایک دوسری روایت اس سے زیادہ صریح ہے کہ ایک شخص نے غلام میں اپنا حصہ آزاد کیا حضرت نبی

کریم ﷺ سے اس بات کا تذکرہ کیا گیا آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: اللہ کا کوئی بندہ شریک نہیں، یعنی آزاد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو اللہ کیلئے کر دیا، پس یہ بڑی بے ادبی کی بات ہے، کہ اس میں حصہ دارر ہے اس مسئلہ میں امام صاحب کا رجحان یہ ہے کہ عتق متجزی ہوتا ہے یعنی جزوی آزادی ہوسکتی ہے، لیکن صاحبین کی رائے یہ ہے کہ عتق میں تجزی نہیں ہے، بعض جزء کی آزادی سے کل غلام آزاد ہوجائے گا۔

دوسرا مسئلہ ذی رحم محرم کی آزادی کا ہے، حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اپنے ذی رحم محرم کا مالک ہو تو وہ آزاد ہے۔ (مشکوۃ) یہ آزادی صلہ رحمی کی بناء پر ہے، صلہ رحمی اگر چہ مستحب ہے، مگر اس کے بعض افراد کو اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر واجب کیا ہے، خواہ مالک چاہیں یا نہ چاہیں پس ذی رحم محرم ملکیت میں آتے ہی آزاد ہوجائے گا، کیوں کہ مثال کے طور پر ماں یا باپ کا مالک ہونا، اور اس سے غلاموں کی طرح خدمت لینا بڑی جفا اور زیادتی ہے۔

تیسرا مسئلہ ام ولد کی آزادی کا ہے، حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب آدمی کی باندی اس سے بچہ جنے تو وہ اس کے مرنے کے بعد آزاد ہے۔ (مشکوۃ)

ام ولد کی آزادی بچہ کے ساتھ حسن سلوک کی بناء پر ہے، کیوں کہ مولیٰ کی موت کے بعد اگر وہ آزاد نہیں ہوگی تو کسی اور کی ملکیت میں جائیگی، اور یہ بات بچہ کے لئے ننگ وعار کی ہے کہ اس کی ماں کا اس کے باپ کے علاوہ کوئی اور مالک ہو۔ (مستفاد رحمۃ اللہ الواسعہ: ۲۰۸/۵)

تیسرا مسئلہ: حالت مرض میں غلام کو آزاد کرنے کا کیا حکم ہے؟

ان تمام کی تفصیلات روایات کے ذیل میں آرہی ہیں۔

{الفصل الاول}

مشترک غلام کی آزادی کا حکم

{۳۲۴۲} **عَنْ** ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ

تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَعْتَقَ شِرْکًا لَہٗ فِی عَبْدٍ وَکَانَ لَہٗ مَالٌ یَبْلُغُ ثَمَنَ الْعَبْدِ قُوِّمَ الْعَبْدُ عَلَیْہِ قِیْمَۃَ عَدْلٍ فَاُعْطِیَ شُرَکَائُہٗ حِصَصُھُمْ وَعَتَقَ عَلَیْہِ الْعَبْدُ وَاِلَّا فَقَدْ عَتَقَ مِنْہُ مَا عَتَقَ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/ ۳۴۲، باب اذا اعتق عبدا بین اثنین، کتاب العتق، حدیث نمبر: ۲۵۲۲، مسلم شریف: ۱/ ۴۹۲، کتاب العتق حدیث نمبر: ۱۵۰۱ ۔

حل لغات: الشرک: حصہ تعدد الٰہی کا عقیدہ، قوم المتاع، قیمت لگانا۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ جس شخص نے مشترکہ غلام کے اپنے حصہ کو آزاد کر دیا اور اس کے پاس غلام کی قیمت کے برابر مال ہے تو انصاف کے ساتھ غلام کی قیمت لگائی جائے، اور باقی حصہ داروں کو ان کے حصے دیئے جائیں اور غلام پوری طرح اس شخص کی طرف سے آزاد ہوگا، اور اگر اس کے پاس اتنا مال نہیں ہے، تو اس غلام کا وہی حصہ آزاد ہوگا جو اس نے آزاد کیا ہے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ایک غلام دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہے، اور دونوں اس کے مالک ہیں، مثلا برابر کے مالک ہیں، ایک نے اپنا آدھا حصہ آزاد کر دیا تو دوسرے کا کیا ہوگا، اس مسئلہ میں فقہا کا اختلاف ہے، حدیث باب کا خلاصہ امام صاحب کے مذہب سے یہ ہے کہ آزاد کرنے والے کو دیکھا جائے گا کہ وہ مال دار ہے یا تنگ دست ہے، اگر آزاد کرنے والا مال دار ہے، تو دوسرے فریق کو تین باتوں میں سے ایک بات اختیار کرنے کا حق ہے۔

(۱)......وہ بھی اپنے حصہ کے غلام کو آزاد کر کے ثواب حاصل کرے۔

(۲)......اپنے شریک سے آدھی قیمت وصول کر لے، کیوں کہ پورا غلام آزاد ہو چکا ہے، لہٰذا بطور ضمان کے آدھی قیمت لینا اس کا حق ہے۔

(۳)......غلام سے کہے تم محنت ومزدوری کر کے میرے حصہ کی قیمت لا کر مجھ کو دو اور مکمل طور پر آزاد ہو جاؤ، یہ تین صورتیں اس وقت ہیں جب کہ آزاد کرنے والا مالدار ہے، اور اگر آزاد کرنے والا تنگ دست ہے، تو اس پر ضمان نہیں ہے، شریک ثانی بقیہ دو صورتوں میں سے کوئی ایک

013

صورت اختیار کرے۔

من اعتق شرکا: کوئی غلام ایک سے زائد آدمیوں کی شرکت میں تھا ایک نے اپنا حصہ آزاد کردیا۔

کان له مال: جس شخص نے اپنے حصہ کا غلام آزاد کیا ہے، اس کے پاس دیکھا جائے گا کہ مابقیہ غلام کے آزاد کرانے کا پیسہ ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو دیگر شرکاء کو یہ پیسہ دے گا اور غلام اس کی طرف سے آزاد ہوگا، اور اس کو حق ولا حاصل ہوگا اور اگر پیسہ نہیں ہے تو جس مقدار میں اس کا غلام تھا صرف وہی آزاد ہوگا، بقیہ نہیں، معلوم ہوا کہ غلام ایسی شی ہے، جس میں تجزی ممکن ہے۔

عبد معتق البعض کا حکم

جب کوئی غلام دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہو ان میں سے ایک مالک اپنے حصے کو آزاد کردے تو اس صورت میں کیا حکم ہوگا، دوسرے مالک کے حصہ میں کیا کیا جائے گا۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ میں فقہا کے۔ (شرح مسلم کے اندر: ۴۹۲/۱)

دس قول اور حافظ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے چودہ قول نقل کئے ہیں۔ (عمدۃ القاری: ۸۲/۱۳)

ہم ان میں سے مناسب اختصار کرکے صرف تین قول ذکر کریں گے جو اس مسئلہ میں زیادہ اہم اور اشہر ہیں۔

مذاہب ائمہ

امام ابو حنیفہ کا مذہب: اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ جس شریک نے اپنا حصہ آزاد کیا ہے، یہ دو حال سے خالی نہیں معسر ہوگا یا موسر، موسر ہونے سے مراد یہ ہے کہ دوسرے شریک کے حصے کے برابر اس کے پاس مال موجود اور جس کے پاس اتنا مال نہیں وہ معسر کہلائے گا، اگر آزاد کرنے والا شریک معسر ہو تو دوسرے شریک کو دو اختیار ہیں۔ اعتاق اور استسعاء اعتاق کا مطلب یہ ہے کہ دوسرا شریک بھی اپنا حصہ مفت آزاد کردے، اور استسعاء کا معنی ہے کہ غلام کو کہے

کہ تم کمائی کرکے میرے حصے کی جتنی قیمت بنتی ہے مجھے لادو پھر آزاد ہوجائے گا، اگر آزاد کرنے والا شریک موسر ہوتو دوسرے شریک کو تین اختیار ہیں۔ "اعتاق یا استسعاء یا تضمین" تضمین کا معنی یہ ہے کہ دوسرا شریک اپنے حصے کی قیمت کا آزاد کرنے والے شریک کو ضامن بنادے اپنے حصے کی قیمت کے پیسے اس سے بھرلے اگر دوسرے شریک نے تضمین اختیار کی تو ولاء کا حق صرف یہاں آزاد کرنے والے شریک کے لئے ہوگا، وہی اس کا معتق سمجھا جائے گا اور غلام کی طرف سے اتنے مال میں رجوع کریگا، جتنے کی ضمان بھری ہے اور اگر دوسرے شریک نے اعتاق یا استسعاء اختیار کیا تو ولاً ان دونوں کے درمیان مشترک ہوگی۔

صاحبین کا مذہب

صاحبین کا مذہب یہ ہے کہ اگر آزاد کرنے والا شریک معسر ہے، تو دوسرے شریک کو صرف استسعاء کا حق نہیں ہے، صاحبین کے مذہب پر ولا ہر صورت میں معتق اول کی ہوگی۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر آزاد کرنے والا شریک موسر ہو تو دوسرے شریک کو تضمین کا حق ہے، غلام پورا آزاد ہوجائے گا، اگر آزاد کرنے "والا معسر۔" ہو تو دوسرے شریک کو نہ "استسعاء" کا حق ہے نہ تضمین کا بس جتنا غلام آزاد ہوگیا اتنا آزاد ہے، غلام کا باقی حصہ دوسرے شریک کا مملوک ہے ایک دن یہ اس کی خدمت کریگا، اور ایک دن آزاد اور فارغ رہے گا، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ استسعاء بالمعنی المعروف کے کسی صورت میں قائل نہیں ہیں، نہ حالت یسار میں نہ اعسار میں۔

(اشرف التوضیح: ۵۰۳/٦)

خلاصة المذاهب

خلاصہ مذاہب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے غلام کا بعض حصہ آزاد کرے تو امام صاحب کے

نزدیک اس کے لئے باقی میں دو اختیار ہیں "اما الاعتاق او الاستسعاء اور عند الخمسة" یعنی صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک "اعتاق البعض هو اعتاق الکل" اور اگر عبد مشترک ہو اور "احد الشریکین" اپنا حصہ آزاد کرے تو شریک آخر کو امام صاحب کے نزدیک "یسار معتق" کی صورت میں تین اختیار ہیں۔ "الضمان الاعتاق الاستسعاء" اور "اعسار" کی صورت میں صرف دو اختیار ہوں گے "اعتاق" اور "استسعاء ویسقط الضمان"، اور صاحبین کے نزدیک "یسار معتق" کی صورت میں شریک آخر کے لئے صرف ضمان، اور اعسار کی صورت میں صرف سعایہ، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یسار کی صورت میں ضمان اور اعسار کی صورت میں کچھ نہیں بلکہ "عتق منه ما عتق"، نصف غلام آزاد رہے گا اور نصف رقیق۔ (الدر المنضود: ۱۳/۷/۶)

اعتاق متجزی ہے یا نہیں؟

یہاں ایک دوسرا اختلاف بھی ہے وہ یہ کہ اعتاق متجزی ہے یا نہیں؟ امام ابوحنیفہ (کے نزدیک اعتاق مطلقاً متجزی ہے یعنی یسار میں بھی عسار میں بھی صاحبین کے نزدیک "اعتاق مطلقاً متجزی" ہے "یسر" میں بھی "عسر" میں بھی امام شافعی (کے نزدیک اگر "معتق اول معسر" ہو تو اعتاق غیر متجزی ہوگا اس کے حصے کا "اعتاق" ہوگا دوسرے کے حصے کا اعتاق نہیں ہوگا، اگر یہ "موسر" ہو تو ان کے نزدیک اعتاق غیر متجزی ہے، اس صورت میں ان کے نزدیک پورا غلام آزاد ہو جائے گا، یہ بات یاد رہے کہ جو حضرات اعتاق کو متجزی مانتے ہیں ان کا مطلب یہ نہیں کہ ایک غلام میں کچھ حصہ میں "رقیت" یعنی غلامی ہوگی اور دوسرے حصے میں حریت ہوگی، اس لئے کہ ایک غلام میں ایک وقت میں رقیت اور حریت دونوں وصفوں میں ایک جہت سے جمع ہونا یہ سب کی نزدیک محال ہے تجزی اور عدم تجزی میں جو اختلاف ہے اس کی توضیح یہ ہے کہ امام صاحب جس "اعتاق" کو "متجزی" مانتے ہیں۔ وہ "اعتاق" بمعنی "ازاله ملك" ہے یعنی ایک شریک کی ملک زائل ہوگئی اور دوسرے کی ملک باقی ہے، اگر اس نے اپنا حصہ آزاد کر دیا تو ابھی تک یہ سارا غلام رقیق ہے کسی حصہ میں حریت نہیں آئی۔ البتہ اتنا ہوا ہے کہ آزاد کرنیوالے کے حصہ کی ملک ختم ہوگئی، دوسرے کی ملک اٹھانے کے لئے شریعت نے تین صورتیں

تجویز کی ہیں۔ دوسرا اعتاق کردے یا استسعاء کرے یا تضمین کرے، جب تینوں میں سے ایک کام ہوگیا تو اس کے حصے کی ملک بھی چلی گئی اب پورا غلام آزاد ہوگیا اس میں حریت آگئی، دوسرے کے حصے کی ملکیت کو بھی ان تین طریقوں میں سے ایک طریقہ سے زائل کرنا ضروری ہے، جس غلام کا کچھ حصہ آزاد ہوگیا وہ اگرچہ امام صاحب کے نزدیک رقیق ہے لیکن تینوں میں سے ایک کام کرکے بہر کیف یہ آزاد ہوکے رہے گا، چونکہ اب اس کو آزادی ملنی مآل کے اعتبار سے لازمی ہوگئی ہے۔ اس لئے حدیث میں اس کو "فھو عتیق" کہدیا ہے، امام صاحب کے مذہب پر اس کا مطلب یہ نہیں کہ ابھی آزاد ہوگیا، بلکہ یہ ہے کہ مایؤل میں آزاد ہوکر رہے گا، صاحبین جس اعتاق کو غیر متجزی مانتے ہیں۔ وہاں "اعتاق" بمعنی "اثبات الحریۃ" ہے، ان کے نزدیک جب ایک شخص نے اپنا حصہ آزاد کردیا تو پورا غلام اسی وقت عتیق اور حر بن گیا۔ البتہ دوسرے شریک کو نقصان سے بچانے کے لئے استسعاء یا تضمین کا حق دیا جائے گا، "معتق" پہلے ہی کو سمجھا جائے گا۔ اس لئے "ولأ" بھی اسی کے لئے ہوگا۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین کے درمیان اختلاف کی وجہ

امام صاحب اور صاحبین کا جو "اعتاق" کے "متجزی" یا "غیر متجزی" ہونے میں اختلاف ہے، وہ اعتاق کی تفسیر کے اختلاف پر مبنی ہے، امام صاحب نے اعتاق کی تفسیر کی ہے "ازالۃالملك" سے اور صاحبین نے "اثبات الحریۃ" سے "اثبات الحریۃ" تو کسی کے نزدیک بھی "متجزی" نہیں ہوسکتا اس لئے کہ حریت ان اوصاف حکمیہ میں سے ہے جو آتی ہیں تو پورے طور پر آتی ہیں اور جاتی ہیں تو پورے طور پر جاتی ہیں اور "ازالۃ الملك" کے متجزی ہونے میں کوئی اشکال نہیں۔ اس لئے کہ ملک آنے میں بھی "متجزی" ہوسکتی ہے، اور جانے میں بھی، اس تقریر سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ ایسا کسی کے نزدیک بھی نہیں ہوتا کہ غلام کے کچھ حصہ میں عتق یعنی آزادی اور کچھ حصہ میں عتق نہ ہو معلوم ہوا کہ عتق کی تجزی کا کوئی بھی قائل نہیں۔ اس کو سب غیر متجزی مانتے ہیں اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ بعض فقہاء نے جو اس مسئلہ میں یہ عنوان اختیار کیا ہے کہ امام صاحب کے نزدیک "عتق متجزی" ہے صاحبین کے نزدیک "عتق متجزی" نہیں یہ عنوان غلط ہے، صحیح عنوان اس مسئلہ میں یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ

امام صاحب کے نزدیک "اعتاق متجزی" ہے اور صاحبین کے نزدیک "اعتاق غیر متجزی" ہے، تو یہ اختلاف "عتق" کی "تجزی" یا "عدم تجزی" میں نہیں ہے، بلکہ یہ اختلاف "اعتاق" کی "تجزی" یا "عدم تجزی" میں ہے۔ "کما نبہ علیہ ابن الھمام"۔ (فتح القدیر: ۴/۲۵۶)

تنبیہ: جن کتابوں میں اس کا عنوان عتق کی تجزی یا عدم تجزی اختیار کیا گیا ہے۔ وہاں یہ توجیہ کرنی چاہئے کہ مجازاً عتق بول کر اعتاق مراد ہے۔ صاحبین کے نزدیک فریقین میں سے جب ایک شریک نے اپنا حصہ آزاد کر دیا تو پورا غلام آزاد ہو گیا تو اب دوسرے کے لئے "اعتاق" بمعنی "اثبات الحریۃ" کا کوئی موقعہ نہیں۔ اس لئے ان کے نزدیک "یسار" یا "اعسار" میں اعتاق والی صورت نہیں ہوگی، ان کے نزدیک "تضمین" ہوگی یا "استسعاء" امام صاحب کے نزدیک ایک کے اپنا حصہ آزاد کرنے سے وہ پوری طرح سے ابھی رقیق ہے صرف اس کے حصہ کی ملکیۃ زائل ہوئی ہے تو دوسرے کو یہ موقعہ بھی حاصل ہے کہ اعتاق کر دے یعنی اپنے حصہ کی ملکیۃ کو زائل کر دے اب اعتاق پر تو کلام کرنے کی ضرورت نہیں۔ امام صاحب اور صاحبین کے مذہب میں فرق اصلی یہ رہ گیا کہ یسار کی صورت میں صاحبین کے نزدیک دوسرے شریک کی صرف تضمین کا اختیار اور امام صاحب کے نزدیک تضمین اور استسعاء دونوں اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کسی صورت میں بھی استسعاء بالمعنی المعروف نہیں ہے۔

خلاصۂ تقریر

اس تقریر کا خلاصہ امور ذیل ہیں۔

(۱)...... امام صاحب کے نزدیک "معتق اول" کے "یسار" کی صورت میں دوسرے شریک کو "اعتاق" یا "استسعاء" یا "تضمین" کا حق ہے اور عسار کی صورت میں دوسرے شریک کو "اعتاق" اور "استسعاء" کا حق ہے صاحبین کے نزدیک "یسار" میں دوسرے کو تضمین کا حق ہے، "اعسار" میں صرف "استسعاء" کا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک "یسار" میں دوسرے کو صرف "تضمین" کا حق ہے "اعسار" میں پہلے کا حصہ آزاد ہوگا دوسرے کا حصہ مملوک ہے ایک دن اس کی خدمت کریگا، ایک دن آرام کریگا۔

(٢)...... امام صاحب کے نزدیک "اعتاق مطلقا متجزی" ہے اور "اعتاق" سے مراد "ازالة الملك" ہے صاحبین کے نزدیک "اعتاق مطلقا متجزی" نہیں اور اس سے مراد "اثبات الحرية" ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک "اعسار" میں "اعتاق متجزی" ہے "یسار" میں نہیں۔

(٣)...... امام صاحب کے نزدیک جب پہلے نے اپنا حصہ آزاد کیا تو ابھی تک یہ رقیق ہی ہے، صرف پہلے کا علاقہ ملکیت ختم ہوگیا دوسرے کا باقی ہے لیکن وہ بھی باقی نہیں رہ سکتا تین طریقوں میں سے ایک سے ضرور ختم ہوگا حدیث میں "فهو عتيق" کا مطلب امام صاحب کے نزدیک یہی ہے کہ اب ان تین میں سے ایک کام کر کے اس غلام کی مملوکیت ختم ہو کر رہے گی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہیں گے کہ "یسار" کی صورت میں ابھی آزاد ہوگیا اور "اعسار" کی صورت میں نہیں۔ صاحبین کے نزدیک جب ایک کا حصہ آزاد ہوا تو پورا غلام آزاد ہوگیا دوسرے کو "استسعاء یا تضمین" کا حق ہے۔

(۴)...... صاحبین کے نزدیک ولاً پہلے کے لئے ہوگا امام صاحب کے نزدیک تضمین کی صورت میں پہلے کے لئے ہوگا ولاً اور باقی صورتوں میں ولاً دونوں کے درمیان ہوگا۔

مذاہب پر احادیث کا انطباق

امام نووی فرماتے ہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب اقرب الی الحدیث ہے، لیکن ان کی یہ بات انصاف کے مطابق نہیں ہے۔ اس لئے کہ صحیح حدیثوں سے "استسعاء" ثابت ہے۔ حافظ عینی نے حافظ ابن حزم کا قول نقل کیا ہے کہ سعایہ والی حدیث غائط درجہ کی صحت میں ہے اور یہ بھی ابن حزم کا قول نقل کیا ہے کہ "علی ثبوت الاستسعاء ثلثون صحابیا" یعنی تیس صحابی "استسعاء" کو ثابت مانتے ہیں ایسی ثابت بالحدیث چیز کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کسی صورت میں بھی نہیں لیا، پھر ان کا مسلک اقرب الی الحدیث کیسے ہوگیا؟ شافعیہ نے حدیث میں آنے والے "استسعاء" کی تاویل یہ کی ہے کہ اس سے مراد اپنی باری میں "استخدام" ہے، لیکن یہ تاویل احادیث کے موافق نہیں ترمذی کی حدیث ابو ہریرہ

رضی اللہ عنہ میں یہ لفظ ہیں "وان لم یکن له مال قوم قیمة عدل ثم یستسعی الخ" اگر "استسعاء" سے مراد خدمت لینا ہے تو قیمت لگانے کی کیا ضرورت پڑی ہے، "تقویم عدل" کی ضرورت اس "استسعاء" میں ہے جس کے ہم قائل ہیں کہ اس کی معتدل قیمت لگے اور اپنے حصہ کی قیمت غلام سے کمائی کروائے، بخاری کی روایت میں بھی "استسعاء" کے ساتھ "تقویم" کا ذکر ہے، اس سے بھی معلوم ہوا کہ حدیثوں میں مراد "استسعاء" سے مراد وہی معنی ہے جس کے ہم قائل ہیں۔

اکثر احادیث میں "اعسار" کی صورت میں "استسعاء" کا اور "یسار" کی صورت میں "تضمین" کا ذکر ہے، یہ احادیث بظاہر صاحبین کے مذہب پر زیادہ منطبق ہیں، کیونکہ وہ بھی اسی کے قائل ہیں، امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے صاحبین کے مذہب کو ہی ترجیح دی ہے۔ "یسار" کی صورت میں امام صاحب "تضمین" اور "استسعاء" دونوں کے قائل ہیں۔ لیکن حدیثوں میں عام طور پر صرف "تضمین" کا ذکر ہے۔ اس لئے باعتبار نطق کے یعنی حدیث کے ظاہر الفاظ کے اعتبار سے صاحبین کا مذہب اقرب ہے، لیکن تفقہ کے اعتبار سے امام صاحب کا مذہب قوی ہے، اس لئے کہ "تضمین" کا درجہ "استسعاء" سے بڑھ کر ہے اس لئے "استسعاء" کا تعلق اپنے غلام سے ہے اور "تضمین" کا تعلق دوسرے برابر کے شریک سے ہے جب "یسار" کی صورت میں دوسرے شریک "تضمین" کا حق مل گیا تو "استسعاء" کا حق بدرجہ اولی ملنا چاہئے، بطور لازم شرعی کے اس لئے اس کو ذکر کرنیکی ضرورت نہیں سمجھی گئی صرف "تضمین" کا ذکر کر دیا نیز "استسعاء" کا حق تو بطور لازم شرعی دونوں صورتوں میں قدر مشترک ہے دونوں صورتوں میں "مابه الامتیاز" چیز "تضمین" ہے، اس لئے صرف "مابه الامتیاز" کا ذکر کافی سمجھا گیا، امام صاحب کے مذہب کی تائید حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک اثر سے ہوتی ہے جس کی تخریج امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے۔ حضرت شاہ صاحب کے "امالی ترمذی عرف الشذی" میں ہے کہ امام صاحب کی تائید میں دو صحیح حدیثیں ہیں ایک مصنفہ عبد الرزاق میں دوسری مسند احمد میں ہے۔ (العرف الشذی علی جامع الترمذی: ۲۵۰، اشرف التوضیح: ۵۰۴/۲)

غلام پورا آزاد ہوتا ہے

{۳۲۴۳} **وَعَنْ** اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَعْتَقَ شِقْصًا فِیْ عَبْدٍ اُعْتِقَ كُلُّهُ اِنْ كَانَ لَهُ مَالٌ فَاِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ اُسْتُسْعِیَ الْعَبْدُ غَيْرَ مَشْقُوْقٍ عَلَيْهِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حواله: بخاری شریف: ۱/۳۴۰، باب الشرکة فی الرقیق، کتاب الشرکة، حدیث نمبر: ۲۵۰۴، مسلم شریف: ۱/۴۹۲، باب ذکر سعایة العبد، کتاب العتق، حدیث نمبر: ۱۵۰۳۔

حل لغات: شق الامر: دشوار ہونا، نا قابل برداشت ہونا، شق علی فلان: مشقت میں ڈالنا کسی کے لئے دشواری اور مشکل پیدا کرنا، شقصا، بکسر السین وسکون القاف، حصہ ٹکڑا، استسعی العبد: غلام کو آزاد کرنے کے لئے بقدر غلامی کام کرانا۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جس نے کسی غلام کا کوئی حصہ آزاد کیا، تو پورا غلام آزاد کردیا جائیگا، اگر آزاد کرنے والے کے پاس مال ہوا اور اگر آزاد کرنے والا صاحب مال نہیں ہے، تو غلام سے محنت کروائی جائیگی اس کو مشقت میں ڈالے بغیر۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: اس حدیث سے بظاہر یہ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ اگر کسی مالدار آدمی نے غلام مشترک کو آزاد کردیا، تو اب صرف ایک صورت ہے وہ یہ ہے کہ دیگر شرکاء کو وہ ضمان دے دوسری کوئی شکل نہیں ہے، البتہ اگر آزاد کرنے والا دیگر شرکاء کو ان کے حصہ کے غلام کی قیمت نہیں دے سکتا ہے۔ تو غلام محنت ومزدوری کرکے شرکاء کے حصہ کی قیمت ادا کریگا، یہی صاحبین کا مذہب ہے۔

اعتق کله: یعنی غلام کا ایک حصہ آزاد کیا گیا تو پورا غلام آزاد کرنے والے کی طرف سے آزاد ہو جائے گا، اس سے معلوم ہوتا ہے غلام تجزی کو قبول نہیں کرتا ہے۔

وان لم یکن له مال: معتق کے پاس اگر دیگر شرکاء کو ضمان دینے کے بقدر مال میسر

نہیں ہے، تو غلام سے سعی کرائی جائے گی، یعنی غلام کو اس بات کا پابند کیا جائے گا، کہ وہ اپنی مکمل آزادی کے لئے محنت کر کے مال حاصل کرے، اور حصہ داروں کی واجب الادا رقم عطا کرے، یہ حدیث امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے خلاف ہے، کیوں کہ وہ کہتے ہیں کہ "سعی" کسی صورت میں نہیں ہے، اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ اگر معتق مالدار ہے تو سعایت عبد نہیں ہے، کیوں کہ ضابطہ ہے کہ جس چیز کو شرط پر معلق کیا جائے وجود شرط کے وقت اس کا موجود ہونا ضروری ہے، لیکن عدم شرط کے وقت اس کا معدوم ہونا ضروری نہیں ہے، مثلاً کسی نے اپنے غلام سے کہا کہ "ان دخلت الدار فانت حر" تو دخول دار سے غلام آزاد ہو جائے گا، لیکن گھر میں داخل نہ ہونے کی صورت میں غلام کا آزاد نہ ہونا ضروری نہیں ہے، اسی طرح معتق اگر تنگ دست ہے تب سعایت ہوگی، لیکن اگر تنگ دست نہیں ہے تو سعایت نہیں ہوگی یہ ضروری نہیں ہے معتق کے مال دار ہونے پر بھی سعایت ہو سکتی ہے۔

استسعی العبد: جمہور علماء کے نزدیک "استسعاء" کی تفسیر یہ ہے کہ غلام کو اس بات کا مکلف بنایا جائے کہ وہ اپنی قیمت کمائی کر کے حاصل کرے اور اتنا کمائے کہ اس کی مقدار اس کی قیمت کو پہنچ جائے اور شریک آخر اس سے راضی ہو جائے پس جب کہ شریک آخر کو یہ غلام اس قیمت کو دیدے گا تو آزاد ہو جائے گا۔

(۱)...... بعض حضرات نے "استسعاء" کی تعریف کی ہے کہ غلام اپنے اس آقا کی جس کی طرف سے آزادی حاصل نہیں ہوئی ہے خدمت کرتا رہیگا اسی کے حصہ کے بقدر یعنی اگر دو آدموں نے ایک غلام خریدا ایک ہزار روپئے کا پھر ایک نے اپنا حصہ آزاد کر دیا تو دوسرا شخص اس سے ایک دن خدمت لے اور دوسرے دن وہ اپنی آزادی کی وجہ سے فارغ رہا کرے۔ (شرح الطیبی: ۹/۷)

غیر مشقوق علیہ: مشقت میں ڈالے بغیر اس کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں۔

(۱)...... غلام سے دوسرے شرکاء ایسی خدمت اور کام نہ کرائیں جو اس کو مشقت میں ڈالدے اور اس کی طاقت سے باہر ہو۔

(۲)...... غلام کو قیمت کی ادائیگی میں زیادہ ثمن کا مکلف نہ بنایا جائے کہ وہ اس کی ادائیگی میں عاجز آجائے۔ (مرقاۃ: ۳/۵۴۳)

مرض الوفات میں غلام آزاد کرنا

{۳۲۴۴} **وَعَنْ** عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ رَجُلاً اَعْتَقَ سِتَّةَ مَمْلُوْكِيْنَ لَهٗ عِنْدَ مَوْتِهٖ وَلَمْ يَكُنْ لَهٗ مَالٌ غَيْرَهُمْ فَدَعَا بِهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَزَّاهُمْ اَثْلاَثاً ثُمَّ اَقْرَعَ بَيْنَهُمْ فَاَعْتَقَ اثْنَيْنِ وَاَرَقَّ اَرْبَعَةً وَقَالَ لَهٗ قَوْلاً شَدِيْدًا رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَرَوَاهُ النَّسَائِيُّ عَنْهُ وَذَكَرَ لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ لَا اُصَلِّيَ عَلَيْهِ بَدَلَ وَقَالَ لَهٗ قَوْلاً شَدِيْدًا وَفِيْ رِوَايَةٍ اَبِيْ دَاؤدَ قَالَ لَوْ شَهِدْتُهٗ قَبْلَ اَنْ يُدْفَنَ لَمْ يُدْفَنْ فِيْ مَقَابِرِ الْمُسْلِمِيْنَ۔

حوالہ: مسلم شریف: ۲/۵۴، باب من اعتق شرکالہ، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۱۶۶۸، ابوداؤد شریف: ۲/، باب فیمن اعتق عبیدالہ، کتاب العتق، حدیث نمبر: ۳۹۶۰۔

حل لغات: جزاۃ: تقسیم کرنا، اجزاء بنانا، ٹکڑا ٹکڑا کرنا، عمران: بکسر العین، حصین: بضم الحاء مصغر ہے۔

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی موت کے وقت چھ غلام آزاد کر دیئے، جبکہ اس پاس کے اس کے علاوہ کچھ بھی مال نہیں تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلایا، اور ان کے تین حصے فرمائے، پھر ان کے درمیان قرعہ ڈالا، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو کو آزاد کر دیا اور چار کو غلام باقی رکھا، اور آزاد کرنے والے سے سخت بات فرمائی، (مسلم شریف) نسائی نے بھی اس روایت کو ذکر کیا ہے، اور سخت بات فرمائی کی جگہ یہ ذکر کیا ہے کہ "لقد هممت" میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ اس کی نماز جنازہ نہ پڑھوں، اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں اس کے دفن کئے جانے سے پہلے اس کے پاس پہنچ جاتا تو وہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں کیا جاتا۔

تشریح: مرض الوفات میں آدمی کے مال میں اس کے ورثاء کا حق متعلق ہو جاتا ہے، لہٰذا

اگر کسی نے وصیت کی یا ہبہ یا صدقہ کیا یا اور کوئی مال میں تصرف کیا، تو صرف تہائی مال میں اس کی وصیت وغیرہ نافذ ہوگی تہائی سے زائد میں تصرف کا حق نہیں ہے، حدیث باب میں جس شخص کا ذکر ہے اس نے تمام غلاموں کو آزاد کر کے ورثاء کو محروم کرنا چاہا لہٰذا آپ ﷺ اس پر سخت خفا ہوئے، اور آپ ﷺ نے اس کی دی ہوئی آزادی کو صرف دو غلاموں میں یعنی ایک تہائی میں جاری کیا باقی کو آپ ﷺ نے غلام برقرار رکھا۔

فاعتق اثنین: یعنی آپ نے حکم دیا کہ دو ان میں سے آزاد ہیں اور چار غلام ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ مرض الموت میں آزادی کا حکم جاری ہوتا ہے مگر ثلث مال کی حد تک نافذ العمل ہوگا، اس وجہ سے کہ اس مال سے ورثاء کے حقوق کا تعلق ہے، اسی طرح وصیت ہبہ اور صدقہ بھی تہائی مال میں جاری ہوگا۔

(۲)... **زین العرب کا قول:** یہ حکم آپ ﷺ نے اس لئے جاری کیا کیونکہ ان کے اکثر غلام حبشی تھے اور ان کی قیمت عموماً برابر ہوتی تھی اس لئے قرعہ ڈالا گیا۔

(۳)... **نووی** رحمۃ اللہ علیہ **کا قول:** نووی کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ہر ایک سے تیسرا حصہ آزاد ہوگا اور باقی دو تہائی کے لئے ان میں سے ہر ایک سے سعی کرائی جائے گی۔

(۴)... **ناراضگی کی وجہ:** اس حرکت سے نفرت کرتے ہوئے آپ ﷺ نے اس پر ناراضگی کا اظہار فرمایا کہ اس نے تمام غلاموں کو کیوں آزاد کیا ہے اور ورثاء کا لحاظ نہیں کیا، آپ ﷺ نے یتامی اور دیگر ورثاء پر شفقت و رحمت کرتے ہوئے ثلث میں اس کی وصیت کو نافذ فرمایا اور باقی میں باطل قرار دیا ہے۔

(۵)......اس سے معلوم ہوا کہ شریعت کے خلاف جو حکم ہو یا ظلم کیا ہو تو اسے بیان کیا جاسکتا ہے اور اس پر ناراضگی کا اظہار کر سکتے ہیں۔ تاکہ لوگوں کو تنبیہ ہو اور یہ "اذکروا موتاکم بالخیر" اپنے مردوں کا خیر کے ساتھ ذکر کیا کرو۔ کے خلاف نہیں ہے۔

کل مال سے اعتاق کا حکم

مرض الموت میں اعتاق بحکم وصیت ہوتا ہے، کل مال کے تیسرے حصے سے غلام آزاد کرسکتا ہے، اگر تیسرے حصے سے زیادہ آزاد کیا تو صرف تیسرے حصہ سے آزاد ہوں گے باقی غلام رہیں گے، اگر کسی نے اپنے غلام آزاد کر دیئے اور اس کا کل مال وہ غلام ہی تھے تو اتنی بات پر تو اتفاق ہے کہ ایک ثلث آزاد ہوں گے، باقی دو ثلث میں ورثہ کا حق متعلق ہوگا، لیکن کون سے آزاد ہوں گے اور کون سے غلام رہیں گے اس میں اختلاف ہے۔

مذاہب ائمہ

ائمہ ثلاثہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر تمام آزاد کردہ غلام ہی متوفی کا کل مال ہے تو ایک ثلث آزاد ہوں گے اور ثلث کا تعین قرعہ اندازی سے کیا جائے گا، جن کے نام کا قرعہ نکلے گا وہ آزاد ہوں گے، باقی غلام رہیں گے، مثلاً چھ غلام آزاد کئے تو ان میں سے دو آزاد ہوں گے، اور دو کا تعین قرعہ اندازی سے ہوگا، ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ ثلث کا تعین قرعہ اندازی سے نہیں کیا جا سکتا، بلکہ ہر غلام کا ایک تہائی آزاد ہوگا، اور دو تہائی غلام، اور ہر غلام دو تہائی حصہ میں ورثاء کے لئے سعی کریگا۔ (اوجز المسالک: ۴٨١/۴)

شریعت میں قرعہ اندازی کی کیا حیثیت ہے؟

اس سلسلہ میں قاضی خان نے علامہ ناطفی سے ایک اصولی بات نقل کی ہے قرعہ کی تین صورتیں ہیں:

(١)......قرعہ اندازی کے ذریعہ بعض کا حق ثابت کیا جائے اور بعض کو محروم کیا جائے، جیسے کسی شخص نے اپنے غلاموں میں سے بلا تعین ایک کو آزاد کیا پھر قرعہ اندازی کے ذریعہ اس ایک کو متعین کیا جائے یہ صورت درست نہیں۔

(٢)......قرعہ اندازی کا مقصد محض دلداری ہو، جیسے شوہر کو سفر میں اپنی چند بیویوں میں سے کسی بھی ایک کو

ساتھ رکھنے کا حق حاصل ہے اور اس کے لئے جائز ہے کہ جس کا چاہے انتخاب کرلے، لیکن اپنے اختیار تمیزی کو استعمال کرنے کے بجائے قرعہ اندازی کے ذریعہ رفیقۂ سفر کو متعین کر لینے میں ان لوگوں کی بھی دلداری ہے، جو ساتھ نہ جاسکیں، یہ صورت جائز ہے۔

(۳)......حق تو برابر اور حسب استحقاق مقرر کیا جائے لیکن کون سا حصہ کس کا حق قرار پائے؟ اس کی تعیین قرعہ کے ذریعہ کی جائے، جیسا کہ متروکہ زمین کے چار بھائیوں کے لئے چار حصے کئے جائیں، لیکن کس کا حصہ کس سمت سے ہو؟ اس پر اتفاق نہ ہو پائے، تو قرعہ اندازی کے ذریعہ ہر ایک کے حصہ کی تعیین کی جائے یہ صورت بھی جائز ہے۔ (قاضی خان: ۳/۱۵۵)

دیگر ائمہ

یہ حنفیہ کا نقطہ نظر ہے، فقہا کی توضیحات کو پیش نظر رکھا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں مالکیہ حنفیہ سے قریب ہیں، اور شوافع وحنابلہ بعض صورتوں میں ثبوت حق کے لئے بھی قرعہ اندازی کو کافی سمجھتے ہیں۔ واللہ اعلم، (قاموس الفقہ: ۴/۴۹۵)

دلائل

ائمہ ثلاثہ زیر بحث حضرت عمران رضی اللہ عنہ کی حدیث کے ظاہر سے استدلال کرتے ہیں کہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرعہ اندازی فرمانے کا ذکر ہے، حنفیہ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اگر حدیث کا یہ ظاہر مطلب لیا جائے جو آپ نے لیا ہے تو یہ حدیث قرآن وسنت کے مسلمہ اصول کے خلاف ہوگی کہ کتاب وسنت میں قمار اور میسرہ کی حرمت مصرح ہے، تملیک یا استحقاق کو معلق یا خطر کرنا ہی میسرہ ہے، یعنی قرعہ اندازی کے ذریعہ کسی کا حق ثابت کرنا یا بڑھانا اور دوسرے کا حق ختم کرنا یا گھٹانا قمار ہے۔ البتہ طیب خاطر کے لئے قرعہ اندازی جائز ہے، زیر بحث مسئلہ میں اگر ثلث کا تعین قرعہ سے کیا جائے تو قرعہ سے بعض غلاموں کے لئے آزادی کا استحقاق ثابت ہوگا، اور بعض آزادی سے محروم رہ جائیں گے، اور یہ تعلیق "**الاستحقاق بالخطر**" ہونے کی وجہ سے قمار بن جائے گا اس لئے احناف قرعہ اندازی کے قائل نہیں ہوئے اور

ہمارے یہاں اس حدیث کا وہ مطلب نہیں جو ائمہ ثلاثہ نے لیا ہے۔

جوابات

اس حدیث کے دو جواب ہیں:

(۱) **فاعتق اثنین وارق اربعة:** سے تفصیلی بیان کرنا مقصود نہیں ہے کہ دو غلام آزاد کئے اور چار کو غلام رکھا، بلکہ حاصل اور مجموعہ بیان کرنا مقصود ہے کہ چھ غلاموں میں سے ہر ایک کا ثلث آزاد اور دو ثلث غلام رہا تو مجموعی طور پر کل دو غلام آزاد ہوئے، یہ بیان مقصود ہے اور قرعہ اندازی ثلث کے تعین کے لئے نہیں تھی، بلکہ اس مقصد کے لئے تھی کہ کونسا غلام کس وارث کو دیا جائے، اس کے لئے قرعہ اندازی کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ ہر غلام پر سعایہ لازم ہے اور غلاموں کی طبیعتیں سعایہ ادا کرنے میں مختلف ہوتی ہیں بعض جلدی ادا کر دیتے ہیں اور بعض دیر لگاتے ہیں اس لئے ہر وارث چاہے گا، کہ میں جلدی کمانے والے غلام کو لوں اس نزاع کو ختم کرنے اور تطییب خاطر کے لئے قرعہ اندازی فرمائی۔

(۲)......اگر حدیث کا وہی مطلب ہے جو ائمہ ثلاثہ نے لیا ہے اور جو ظاہر حدیث سے سمجھ میں آتا ہے تو یہ حدیث حرمت قمار سے پہلے ابتداء اسلام کی ہے، حرمت قمار سے یہ حدیث منسوخ ہو چکی ہے۔

(اشرف التوضیح: ۲/۵۰۷)

فائدہ: حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ "عتق منجز" مرض موت میں ایسا ہے کہ جیسے کہ اس سے اس کو موت پر معلق کر دیا ہو ہر ثلث حصہ کے اعتبار سے۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ تبرع جو مرض الوفات میں کیا جائے اس کا بھی یہی حکم ہے یعنی وہ موت پر معلق رہے گا اور موت کے بعد ثلث سے اس کی ادائیگی کی جائے گی۔ (شرح الطیبی: ۷/۹)

غلام باپ کو خرید کر آزاد کرنا

{۳۲۴۵} **وَعَنْ** اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَجْزِیْ وَلَدٌ وَالِدَهٗ اِلَّا اَنْ یَجِدَهٗ مَمْلُوْكًا فَیَشْتَرِیَهٗ

فَيُعْتِقَهُ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۴۹۵، باب فضل عتق الوالد، کتاب العتق، حدیث نمبر: ۱۵۱۰۔

حل لغات: لایجزی: بفتح الیاء وسکون الجیم جزی فلانا: بدلہ دینا، جزی حقہ: کسی کا حق ادا کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ کوئی بیٹا اپنے باپ کا بدلہ نہیں چکا سکتا، مگر اس صورت میں کہ وہ اپنے باپ کو غلام پائے تو اس کو خرید کر آزاد کردے۔ (مسلم)

تشریح: اس حدث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ غلام باپ کو بیٹا خریدے گا تو محض اس کے خریدنے سے باپ آزاد نہیں ہوگا بلکہ اس کو آزاد کرنا پڑیگا، جمہور علماء فرماتے ہیں کہ غلام باپ کو بیٹا خریدے گا، تو اس کے خریدنے ہی سے باپ آزاد ہوجائے گا، اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ باپ کے بیٹے کے اوپر بہت سے احسانات ہیں، ان احسانات کی ادائیگی ممکن نہیں البتہ کسی قدر حق ادا اس صورت میں ہوگا کہ باپ کو بیٹا آزاد کرادے۔

علامہ رشید احمد گنگوہی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ یہ تو باپ کا عدم سے وجود میں لانے کا بدلہ ہوا، باقی بچپن میں کھلانے پلانے اور تربیت کرنے کے حقوق اولاد کے ذمہ باقی ہیں۔ (الکوکب الدری)

فَيُعْتِقَهُ: اہل ظواہر کہتے ہیں کہ محض باپ کو خریدنے سے آزادی حاصل نہیں ہوگی، باپ کی آزادی کے لئے ضروری ہے کہ بیٹا آزاد کرے، حدیث باب کا ظاہر مفہوم بھی اسی طرف مشیر ہے، حالانکہ کہ اس بات پر اجماع ہے کہ بیٹا باپ کو خریدے گا تو فوراباپ آزاد ہوگا، آگے حدیث آرہی ہے، "من ملك ذا رحم محرم فهو حر" جو آدمی کسی ذی رحم محرم کا مالک ہوجائے تو وہ آزاد ہے، حدیث باب کے بارے میں یہ بات کہی جاتی ہے، کہ یہاں "فا" سببیت کے لئے ہے، یعنی بیٹا باپ کو آزاد کرنے کے لئے خریدے اور یہاں آزاد کرنے کی نسبت بیٹے کی طرف اس معنیٰ کرکے کی گئی ہے کہ باپ کی آزادی کا ذریعہ بیٹا بنا ہے۔

فائدہ: اس سے ثابت ہورہا ہے کہ فقط خریدنے سے آزاد نہ ہوگا، جب آزاد کرے گا تب آزاد ہوگا

اصحاب ظواہر کا یہی مذہب ہے۔

جمہور کا قول: فقط ملک میں آجانے سے وہ آزاد ہوجائے گا، دوسری فصل کے شروع میں جو روایت آرہی ہے، وہ اس سلسلہ میں صریح ہے اس روایت کا بھی یہی معنی ہے، مظہر کہتے ہیں کہ ''فیعتقه'' میں ''فا'' سببیہ ہے، یعنی خریدنے کے سبب اس کو آزاد کرے، پس خریدنے کے بعد یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ میں نے تمہیں آزاد کردیا بلکہ وہ خریدنے سے ہی آزاد ہوجاتا ہے۔ (شرح الطیبی: ۱۰/۷)

مدبر غلام کی بیع کا حکم

{۳۲۴۶} **وَعَنْ** جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ اَنَّ رَجُلًا مِنَ الْاَنْصَارِ دَبَّرَ مَمْلُوْكًا وَلَمْ يَكُنْ لَهٗ مَالٌ غَيْرَهٗ فَبَلَغَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْ يَّشْتَرِيْهِ مِنِّيْ فَاشْتَرَاهُ نُعَيْمُ ابْنُ النَّحَّامِ بِثَمَانِ مِائَةِ دِرْهَمٍ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ فَاشْتَرَاهُ نُعَيْمُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْعَدَوِيُّ بِثَمَانِ مِائَةِ دِرْهَمٍ فَجَاءَ بِهَا اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَفَعَهَا اِلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اِبْدَأْ بِنَفْسِكَ فَتَصَدَّقْ عَلَيْهَا فَاِنْ فَضَلَ شَيْئٌ فَلِاَهْلِكَ فَاِنْ فَضَلَ وَعَنْ يَمِيْنِكَ وَشِمَالِكَ۔

حواله: بخاری شریف: ۲/۹۹۴، باب عتق المدبر، کتاب کفارات الایمان، حدیث نمبر: ۶۷۱۶، مسلم شریف: ۲/۵۴، باب جواز بیع المدبر، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۹۹۷۔

حل لغات: دبر العبد: غلام کی آزادی کو موت پر معلق کرنا، دفع الشیئ: ہٹانا ڈھکیلنا، تصدق علیه هکذا: کسی کو کوئی چیز خیرات کرنا، صدقہ کرنا، فضل الشیء فضلاً: باقی بچ رہنا، ضرورت سے زیادہ ہونا۔

ترجمه: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک انصاری شخص نے ایک غلام کو مدبر کیا، اور ان کے پاس اس کے سوا کوئی مال نہ تھا، چنانچہ اس بات کی اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اس کو مجھ سے کون خریدتا ہے؟ تو حضرت نعیم بن نحام نے اس کو آٹھ سو درہم میں

خرید لیا، (بخاری ومسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ اس کو نعیم بن عدوی نے آٹھ سو درہم میں خرید لیا، پھر وہ حضرت نبی کریم ﷺ کے پاس قیمت لے کر حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے قیمت اس شخص کے سپرد کردی، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: کہ سب سے پہلے اپنی ذات پر خرچ کرو، اور اس کا ثواب حاصل کرو، اگر کچھ بچ جائے تو اپنے گھر والوں کو دو، اگر تمہارے گھر والوں سے بچ جائے تو اپنے رشتہ داروں کو دو، اور اگر تمہارے رشتہ داروں سے بچ جائے تو اس کو اس طرح اور اس طرح خرچ کرو، راوی کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ اس کو اپنے آگے، اپنے دائیں، بائیں خرچ کرو۔

تشریح و تنبیہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک انصاری شخص جس کا نام ابومذکور تھا اس نے اپنے ایک غلام کو مدبر یعنی یہ کہا کہ میرے مرنے کے بعد تو آزاد ہے، اور ابومذکور کے پاس اس غلام کے علاوہ اور کوئی کسی طرح کا مال نہ تھا، صرف ایک غلام تھا اس کو مدبر بنا دیا، تو حضور ﷺ کو اس کی خبر ملی کہ فلاں شخص نے ایسا کیا ہے تو حضور ﷺ نے اس غلام کی بولی لگائی اور فرمایا کہ اس غلام کو مجھ سے کون خریدے گا، تو ایک شخص نعیم بن عبداللہ نامی نے اس غلام کو آٹھ سو دراہم میں خرید لیا اور ابوداؤد شریف کی ایک روایت میں ہے کہ سات سو دراہم میں خریدا تھا۔

الغرض: جب اس شخص سے اس غلام کی قیمت کو حضور ﷺ کی خدمت میں لا کر پیش کیا، تو حضور ﷺ نے اس کو اس شخص کے حوالہ کر دیا اور ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص نادار قسم کا ہو تو اس کو انفاق کی ابتداء اپنے نفس سے کرنی چاہئے اور اس کے بعد جو بچے وہ عیال پر اور اگر اور کچھ بچے تو وہ دوسرے اہل قرابت پر اور اگر اس کے بعد بھی اور کچھ بچ جائے تو پھر اس کو ادھر ادھر یعنی جہاں جی چاہے جائز امور میں خرچ کر، علامہ طیبی نے فرمایا کہ "فھکذا کذا کنایہ" ہے متفرق طور پر ضرورت مندوں پر پر خرچ کیا جائے وہ کہیں سے آئیں دائیں بائیں آگے پیچھے جدھر سے بھی آئیں اور یہ حضور اکرم ﷺ نے جو فرمایا ہے "فبین یدیك" یہ پہلے جملہ کی ہی تفسیر ہے۔ (شرح الطیبی: ۱۲/ ۷)

اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ اس "مدبر" کی بیع اس کے مولیٰ کے حیات میں ہوئی تھی، اور یہی صحیح ہے، اور ترمذی کی روایت جس میں اس کے خلاف ہے اور یہ ہے کہ وہ شخص مدبر بنانے کے بعد مر گیا تھا اور بیع موت مولیٰ کے بعد ہوئی وہم ہے۔

فائدہ: روایت کے اندر مشتری یعنی جن صاحب نے وہ غلام حضور ﷺ سے خریدا تھا ان کا نام نعیم بن النخام ذکر کیا گیا ہے، مگر شارحین نے دلائل کے ساتھ یہ بات ثابت کی ہے کہ اگر چہ مشکوۃ شریف کے تمام نسخوں میں ابن النخام ہے مگر یہ غلط ہے اور صحیح النحاح ہے یعنی صحیح "فاشتراہ النحاح" ہے اس لئے کہ مشتری نعیم ہیں اور وہی نحاح ہیں اور نعیم کا لقب نحاح رسول اللہ ﷺ نے رکھا تھا۔

(درس مشکوۃ): ۳/۶)

تدبیر باب تفصیل کا مصدر ہے جس کے معنی ہیں غلام کی آزادی کو آقا اپنی موت پر معلق کرے تدبیر کی دو قسمیں ہیں، (۱) تدبیر مطلق، (۲) تدبیر مقید۔

(۱) **تدبیر مطلق:** غلام کی آزادی آقا کی موت پر اس طور پر معلق ہو کہ اس کے ساتھ کسی دوسری شئ کا انضمام نہ ہو۔

(۲) **تدبیر مطلق کا حکم:** یہ ہے کہ جب آقا زندہ ہو تو اس مدبر کی بیع، ہبہ، صدقہ، رہن رکھنا مکاتب بنانا اور اگر باندی ہو اس کی غیر سے شادی کرنا درست اور جائز نہیں ہے۔

تدبیر مطلق کن الفاظ سے ہوتی ہے؟

یہ کبھی تو صریح الفاظ سے ہوتی ہے مثلاً کوئی آقا اپنے غلام سے یہ کہے "انت مدبر او دبرتك" اور کبھی لفظ تحریر اور اعتقاق سے ہوتی ہے مثلاً یہ کہے "انت حر بعد موتی، اوحر تك بعد موتی، اوانت معتق او عتیق بعد موتی" اور کبھی لفظ یمین کے ذریعہ ہوتی ہے جیسے یہ کہے "ان مت فانت حر، او اذا مت او حتی مت اوحتی مامت او ان حدث لی حدث او حتی حدث لی" اور اسی طرح سے جب کہ ذکر کرے ان الفاظ کے اندر موت کی جگہ میں وفات اور ہلاکت کو کہے تو بھی یہی حکم ہے اور کبھی وصیت کے ذریعہ بھی ہوتی ہے مزید تفصیل کے لئے فقہ کی کتابوں کی طرف رجوع کیا جائے۔

تدبیر مقید: یہ ہے کہ آقا اپنے غلام کی آزادی کو اپنی موت پر معلق کرے مگر کسی خاص صفت کے ساتھ یا خاص موت یا موت کو خاص مرض یا کسی دوسری شرط کے ساتھ۔

تدبیر مقید کا حکم: یہ ہے کہ جب آقا اس خاص صفت پر مرجائے جس پر اس نے غلام کی

آزادی کو معلق کیا تھا تو اس کا حکم مطلق کی طرح ہے اور آقا کی زندگی میں اس کے اندر تمام تصرفات بیع، تملیک وغیرہ تمام جائز ہیں۔

تدبیر مقید کن الفاظ سے ہوتی ہے؟

الفاظ تدبیر مقید یہ ہیں کہ آقا اپنے غلام سے کہے "ان مت من مرض هٰذا او من سفری هٰذا فانت حر، ونحو ذالك" یعنی ایسے الفاظ کا استعمال کرنا جن کے اندر ان صفات پر آقا کی موت محتمل ہو، یعنی موت آ بھی سکتی ہے اور نہیں بھی دونوں پہلو اس کے اندر موجود ہوں یا کوئی ایسی شرط پر آزادی کو موت کے ساتھ معلق کرے جس کے اندر عدم اور وجود دونوں کا احتمال ہو۔ (کذا فی البدائع، عالمگیری: ۷/۳/۲)

مذاہب ائمہ

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہر طرح کے مدبر کی بیع جائز ہے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک "مدبر" کی بیع جائز نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری: ۹۵/ ۱۳، اس میں مالکیہ کے مذہب کی کچھ تفصیل بھی مذکور ہے) حنفیہ کے یہاں یہ تفصیل ہے کہ "مدبر" کی دو قسمیں ہیں (۱) "مدبر مطلق"، (۲) "مدبر مقید"، "مدبر مطلق" کی بیع جائز نہیں ہے، "مدبر مقید" کی بیع جائز ہے۔ (ہدایہ: ۴۴۸/ ۲)

حنفیہ کے علاوہ کثیر تعداد میں صحابہ و تابعین کا مسلک یہی ہے کہ مدبر کی بیع جائز نہیں بدائع میں بہت سے سلف کا قول نقل کر کے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مقولہ نقل کیا ہے، "لولا قول هٰولاء الاجلة لقلت بجواز بیع المدبر"۔

حنفیہ اور مالکیہ کی دلیل

دار قطنی میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث مرفوع "المدبر لایباع ولا یوهب وهو حر من ثلث المال"۔ (نصب الرایۃ: ۲۸۵/ ۳) کہ "مدبر" کو نہ بیچا جائے گا اور نہ ہبہ کیا جائے گا وہ تو ثلث

المال سے آزاد ہے۔تو "مدبر" کی بیع کے عدم جواز کی واضح دلیل ہے،شافعیہ اور حنابلہ کا استدلال زیر بحث حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے اس میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "مدبر" کی بیع فرمائی۔

جوابات

(۱)......ہوسکتا ہے کہ جس "مدبر" کی بیع کا ذکر اس حدیث میں ہے وہ "مدبر" مقید ہو، اور "مدبر" مقید کی بیع ہمارے نزدیک بھی جائز ہے،حنفیہ کے خلاف اس حدیث سے استدلال کے لئے ضروری ہے کہ اس "مدبر" کا "مدبر" مطلق ہونا ثابت کیا جائے اور یہ ثابت نہیں،لہٰذا یہ حدیث قابل استدلال نہیں۔

(۲)...... یہاں بیع سے مراد بیع الخدمۃ یعنی اجارہ ہے،اجارہ پر بھی بیع کا اطلاق ہوجاتا ہے،چنانچہ بعض روایات سے ثابت ہے کہ اس "مدبر" کو آٹھ سو درہم کے بدلہ اجارہ پر دیا گیا تھا۔(نصب الرایہ:۳/۲۸۶)

اور "مدبر" کا اجارہ ہمارے یہاں بھی جائز ہے۔(ہدایہ:۲/۴۴۸)

{الفصل الثانی}

ذورحم محرم غلام کا مالک بننا

{۳۲۴۷} **عَنْ** الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ مَلَكَ ذَا رَحِمٍ مَحْرَمٍ فَهُوَ حُرٌّ۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد وابن ماجه)

حواله: ترمذی شریف: ۱/۲۵۳، باب فیمن ملک ذارحم محرم، کتاب الاحکام، حدیث نمبر:۱۳۶۵، ابوداؤد شریف:۲/۵۵۰، باب فیمن ملک ذارحم، کتاب العتق، حدیث نمبر: ۳۹۴۹، ابن ماجه،/۱۸۱، باب من ملک ذارحم، کتاب العتق

حدیث نمبر: ۲۵۲۴۔

ترجمه: حضرت حسن بصری حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جوشخص اپنے ذورحم محرم کا مالک ہوگیا وہ آزاد ہو جائے گا۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: کسی باپ نے بیٹے کو خریدا جو کسی غیر کی ملک میں تھا یا بیٹے نے باپ کو خرید لیا یا بھائی نے بھائی کو خرید لیا تو فقط خریدنے سے وہ آزد ہو جاتا ہے۔

ذی رحم: وہ ہے کہ جس کے ساتھ ولادت کی قرابت ہو جو رحم کی وجہ سے حاصل ہوتی ہو اور یہ باپ بیٹے اور بھائی اور چچا اور بھتیجے کو شامل ہے،

ذو رحم محرم: ذورحم محرم سے مراد وہ رشتہ دار ہیں جن سے نکاح نہ ہوسکتا ہو، پس اس طرح اس قید سے چچا کا بیٹا اور اسی طرح کے دوسرے رشتہ دار نکل گئے کیونکہ ان سے نکاح حرام نہیں ہے۔ بلکہ حلال ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اقربا کی آزادی میں علماء کا اختلاف ہے جب کہ وہ ملک میں آجائیں، اہل ظاہر نے کہا فقط ملک میں آنے سے وہ آزاد نہیں ہوتے جب تک ان کو آزاد نہ کیا جائے، ایک دلیل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ والی روایت ہے جو سطور بالا میں گذری ہے۔

مذاہب ائمہ

ایک اختلاف تو یہاں یہ ہے کہ ذورحم محرم کسی قریبی رشتہ دار کی ملک میں محض آنے سے آزاد ہو جائے گا، یا اس کو باقاعدہ آزاد کرنے کی ضرورت ہوگی؟ آپکو معلوم ہو چکا ہے، کہ اصحاب ظواہر نے یہ کہا ہے کہ صرف ملک میں آجانے سے وہ آزاد نہیں ہوں گے خواہ باب ہو یا بیٹا بلکہ آزادی کے لئے آزاد کرنا ضروری ہے، اور ان حضرات نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث:

وعن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يجزی ولد والده الا ان يجده مملوكا فيشتريه فيعتقه۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول

مقبول ﷺ نے فرمایا کہ کوئی بیٹا اپنے والد کا بدلہ نہیں چکا سکتا مگر یہ کہ اس کو غلام ہونے کی صورت میں پاوے اور اس کو خرید کر آزاد کردے۔ (رواہ مسلم)

سے استدلال کیا ہے، اس حدیث کا جواب جو جمہور کی طرف سے دیا گیا ہے گذر چکا ہے، اور جمہور علماء "منهم الائمة الاربعه" فرماتے ہیں کہ اصول کو اوپر تک اور فروع کو نیچے تک یعنی باپ، دادا، پردادا وغیرہ اور بیٹا، پوتا، پرپوتا وغیرہ صرف ملکیت میں آجانے سے آزاد ہو جائیں گے ان کی آزادی کے لئے انشاء آزادی شرط نہیں اور حکم آزادی میں مسلم و کافر سب شامل ہیں۔

اصول و فروع کے علاوہ میں صرف ملک میں آجانے سے آزاد ہوں گے یا نہیں اس بارے میں بھی جمہور کا آپس میں اختلاف ہے۔

اصول و فروع کے علاوہ میں علماء کا اختلاف

(۱)... **امام شافعی** رحمۃ اللہ علیہ: اصول و فروع کے علاوہ دیگر رشتہ دار ملک کے ساتھ آزاد نہیں ہوتے ہیں۔

(۲)... **امام مالک** رحمۃ اللہ علیہ: اصول و فروع کے ساتھ بھائی بھی آزاد ہوتے ہیں اور ایک روایت میں تمام ذی رحم آزاد ہوتے ہیں اور تیسری روایت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح ہے، اصول و فروع کے علاوہ باقی رشتہ دار محض ملک میں آنے سے آزاد نہیں ہوتے۔

(۳)... **امام ابو حنیفہ** رحمۃ اللہ علیہ: تمام ذی رحم محرم آزاد ہوتے ہیں۔

(مستفاد انوار المصابیح: ۳۵۹/۶، مرقاۃ: ۵۴۷/۳)

اس مسئلہ میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کو اس طرح بیان کیا ہے، "باب اذا اسر اخو الرجل او عمه هل يفادى اذا كان مشركا، قال الحافظ قيل انه اشار بهذه الترجمة الى تضعيف الحديث الوارد فيمن ملك ذا رحم فهو حر وهو حديث اخرجه اصحاب السنن واستنكره

ابن المدینی ورجح الترمذی ارسالہ وقال البخاری لا یصح وجری الحاکم وابن حزم وابن القطان علی ظاھر الاسناد فصححوہ، وقد اخذ بعمومہ الحنفیۃ والثوری والاوزاعی واللیث وقال داؤد لا یعتق احد علی احد وذھب الشافعی الی انہ لا یعتق علی المرأ الا اصولہ وفروعہ، لا لھذا الدلیل بل لادلۃ اخریٰ وھو مذھب مالك وزاد الاخوۃ حتی من الام، الی آخر ما بسط فی ھامش اللامع۔ (من الابواب والتراجم: ۳۷/۴)

فائدہ: ذورحم محرم اپنے قریبی رشتہ دار پر آزاد ہوجاتا ہے، ذورحم محرم کس کو کہتے ہیں اور وہ کون ہیں اس کا بیان تشریح کے تحت گذرگیا ہے یہاں فائدہ کے طور پر چند مسائل کولکھا جارہا ہے، تاکہ مذکورہ تشریح کی بسہولت افہام وتفہیم ہوسکے۔

(۱)......جو شخص اپنے کسی قریبی رشتہ دار کا مالک ہوتو وہ اس مشتری پر آزاد ہوجائے گا، یعنی مالک بننے پر، وہ مالک بننے والا بچہ ہو یا بڑا عاقل ہو یا غیر عاقل مجنون وغیرہ۔ (کذا فی غایۃ البیان)

(۲)......آزاد ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ رحم اور محرم دونوں کا تعلق رکھتا ہو اگر اس کے اندر ان میں سے ایک معدوم ہے تو پھر آزاد نہ ہوگا، مثلاً محرم ہے رحم نہیں جیسے بیٹے کی بیوی، یا باپ کی بیوی، یا چچا کی لڑکی جو اس کی رضاعی بہن بھی ہو تو یہ خریدنے یا مالک بننے سے آزاد نہ ہوگی۔

اور اسی طرح سے رحم محرم نہ ہو جیسے چچاؤں اور ماموں کی اولادیں یہ رحم تو ہیں مگر محرم نہیں تو ان کے مالک بننے سے یہ آزاد نہ ہوں گے۔

(۳)......اور اگر کوئی شخص اپنی محرم یا رضاعی محرم یا ایسی محرم جو مصاہرۃ سے ثابت ہو مالک بنے تو یہ اس پر آزاد نہ ہوں گے، مثلاً رضاعی بہن، بیٹی وغیرہ، اور "موطوءۃ" کی اولاد وغیرہ۔

(۴)......اگر احد الزوجین اپنے صاحب کا مالک ہوتو وہ اس پر آزاد ہوگا۔

(۵)......مسلمان اور کافر کے درمیان اس مسئلہ میں کوئی فرق نہیں ہے، یعنی مالک کافر ہو یا مسلمان اور مملوک کافر ہو یا مسلمان اگر وہ دارالاسلام میں ہوں مالک بننے سے آزاد ہوجائیں گے، لہٰذا اگر کوئی حربی دارالحرب میں اپنے کسی "ذو رحم محرم" کا مالک ہوا تو وہ اس پر آزاد نہ ہوگا، ہاں جب امان لیکر دارالاسلام میں داخل ہوگا تو وہ اس پر آزاد ہوجائے گا۔

(۶)...... اگر کوئی غلام اپنے لڑکے کو خریدے تو یہ لڑکا اس غلام پر آزاد نہ ہوگا۔

(۷)...... اگر عبد ماذون اپنے آقا سے کسی اپنے "ذو رحم محرم" کو خریدے تو اس وقت تفصیل یہ ہے کہ اگر اس پر دین محیط نہ ہو تو وہ اس "عبد ماذون" پر آزاد ہو جائے گا، اور اگر اس کے ذمہ دین محیط ہے تو امام صاحب کے نزدیک آزاد نہ ہوگا۔

اپنے آقا کی اولاد کو خریدے تو کسی کے نزدیک بھی آزاد نہ ہوگی اور یہ متفق علیہ قول ہے۔

(۹)...... اگر کوئی مکاتب اپنے ان قریبی رشتہ دار کو خریدے جن کی بیع کرنے سے وہ مالک نہیں ہوتا ہے جیسے والدین اور مولودین وغیرہ پھر آقا ان کو آزاد کرے تو وہ آزاد ہو جائیں گے، یہ نہیں کہا جائے گا کہ آقا تو ان کا مالک ہوا نہیں تھا تو پھر آزادی کیسی۔

(۱۰)...... وکیل بشراء العبد اگر اپنے قریبی رشتہ دار کو خریدے تو وہ بھی اس پر آزاد نہ ہوگا۔

(عالمگیری: ۸/ ۲) واللہ تعالیٰ اعلم۔ تلك عشرة كاملة۔

ام ولد کی آزادی کا حکم

{۳۲۴۸} **وَعَنْ** ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا وَلَدَتْ اَمَةُ الرَّجُلِ مِنْهُ فَهِيَ مُعْتَقَةٌ عَنْ دُبُرٍ مِنْهُ اَوْ بَعْدَهُ۔ (رواه الدارمی)

حوالہ: دارمی: ۲/ ۳۳۴، باب فی بیع امهات الخ، کتاب البیوع، حدیث نمبر: ۲۵۷۴۔

حل لغات: دبر: پیٹھ، سرین، ہر چیز کا پچھلا حصہ، آخری حصہ۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جب کسی آدمی کی باندی نے اس کے نطفہ سے بچہ جنا تو وہ باندی اس کے مرنے کے پیچھے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ مرنے کے بعد آزاد ہوگی۔ (دارمی)

تشریح: اَمَةُ الرَّجُلِ مِنْهُ: جس کی ملکیت میں ہے اسی آدمی سے قرار پائے ہوئے حمل

سے لڑکا پیدا کرے، "فھی معتقة عن دبر" تو وہ اس کی موت کے بعد آزاد ہو جائے گی۔

حضور ﷺ کا ارشاد فرمانا اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ ام ولد آقا کی موت کے بعد آزاد ہو جائے گی۔

مگر راوی کو یاد نہ آیا کہ حضور ﷺ نے "عن دبر" کا لفظ فرمایا یا "بعدہ" کا لفظ آپ نے ارشاد فرمایا: یا پھر یہ کسی راوی حدیث کا شک ہے۔

اس حدیث شریف میں ام ولد کا حکم بیان فرمایا گیا ہے کہ وہ اپنے مولیٰ کے انتقال کے بعد آزاد ہو جاتی ہے، یہ مسئلہ اجماعی ہے شروع میں بعض صحابہ کرام کا اختلاف ہے لیکن پھر اجماع ہو گیا تھا، اس کے معارض جو روایات ہیں وہ منسوخ ہیں، عقل بھی یہی تقاضہ کرتی ہے، کہ ام ولد کو آزاد ہونا چاہئے، اس لئے کہ ماؤں اور اولاد دونوں کا حکم یکساں ہوتا ہے، یعنی حریت اور قیمت میں یہ دونوں متفق ہوتے ہیں اور ام ولد کا بیٹا جو کہ اس کے آقا سے ہے وہ بالاتفاق آزاد ہے، لہٰذا اس کا تقاضہ ہے کہ ام ولد بھی آزاد ہو۔

(بذل المجہود: ۶۸۷/۱۱)

ام ولد کی بیع کی ممانعت کا حکم

{۳۲۴۹} **وَعَنْ** جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ بِعْنَا أُمَّهَاتِ الْأَوْلَادِ عَلىٰ عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِيْ بَكْرٍ فَلَمَّا كَانَ عُمَرُ نَهَانَا عَنْهُ فَانْتَهَيْنَا۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۵۵۰/۲، باب فی بیع امہات الاولاد، کتاب العتق، حدیث نمبر: ۳۹۵۴۔

حل لغات: العهد، زمانہ، دور، سونپی ہوئی ذمہ داری، نھی عن الشیئ: روکنا، ام الولد فقہی اصطلاح ہے۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اولاد کی ماؤں کو بیچا، لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ خلافت ہوا، تو انہوں

013

نے ہم کو اس سے منع کر دیا تو ہم رک گئے۔ (ابو داؤد)

تشریح: ام ولد وہ باندی جو آقا سے بچہ جنے تو وہ باندی اسی آقا کی ام ولد کہلاتی ہے خواہ وہ بچہ زندہ ہو یا مرا ہوا، یا اتنا ہو کہ جسکی کامل یا بعض خلقت ظاہر ہو گئی ہو، جبکہ آقا اس کا اقرار بھی کرتا ہو تو وہ کامل الخلقت زندہ بچہ کے حکم میں ہوگا، اور یہ باندی ام ولد ہو جائے گی، اور اگر خلقت میں سے کوئی چیز ظاہر نہ ہوئی ہو اس کی صورت یہ ہے کہ "مضغه" یا "علقه" یا "قطعه" ہو پھر آقا اگر اس کا دعوی کرتا ہے تو وہ باندی اس کی ام ولد نہ ہوگی۔ (عالمگیری: ۲/۴۵)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضور ﷺ کے زمانہ میں اسی طرح حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ام ولد کی بیع کی ہے، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا تو انہوں نے اس سے ہم کو منع کیا پس ہم رک گئے۔

مسئلۃ الباب میں اختلاف علماء

ام ولد کی بیع ائمہ اربعہ میں سے کسی کے نزدیک جائز نہیں، اس میں داؤد ظاہری اور بعض صحابہ جیسے حضرت علی، ابو بکر، ابن زبیر، زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کا اختلاف ہے خطابی فرماتے ہیں کہ یہ اختلاف بعض صحابہ کا شروع میں تھا بعد میں سب کا اتفاق ہو گیا عدم جواز بیع پر نیز قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ام ولد آزاد ہونی چاہئے اس لئے کہ امہات اور ان کی اولاد دونوں کا حکم متفق ہوتا ہے، حریت اور رقیت میں اور یہاں پر ام ولد کا جو بیٹا ہے اس کے سید سے وہ بالاتفاق حر ہے، لہٰذا اس کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کی ماں بھی حر ہونی چاہئے۔ (الدر المنضود: ۶/۱۳۲)

نیز اس مسئلہ میں ایک اور مذہب نقل کیا گیا ہے جس کے قائل حضرت عمر اور حضرت عمر بن عبد العزیز ہیں کہ اگر ام ولد مسلمان ہو گئی تو آزاد ہے، اور اس کی بیع جائز نہیں اور اگر مسلمان نہ ہوئی بلکہ کافر رہی تو بیع جائز ہے، اور وہ آزاد نہ ہوگی۔

اہل ظواہر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔

"قال بعنا امهات الاولاد علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم و ابی بکر،

فلما کان عمر نهانا عنه فانتهینا۔ حضرت رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہم نے امہات اولاد کی بیع کی۔ پس جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا تو انہوں نے ہم کو اس سے منع کیا ہم رک گئے۔ (رواہ ابوداؤد)

جمہور کی دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ جب یہ "معتقه" ہوگئی تو اس کی بیع کیسے جائز ہوگی۔ اسی طرح حضرت ماریہ قبطیہ سے فرزند ارجمند حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو آپ نے فرمایا "اعتقها ولدها"۔ اس کو اس کے بیٹے نے آزاد کر دیا۔

دوسری دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں صحابہ کرام کا اجماع ہوگیا اس کے عدم جواز پر۔

اہل ظاہر کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ پہلے ام ولد کی بیع جائز تھی پھر منسوخ ہوگئی، لیکن یہ نسخ عام طور پر مشہور نہیں ہوا تھا اسی اعتبار سے لوگ بیع کرتے تھے۔ اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بعض لوگوں کو اس کا علم نہ ہوا ہو، اس لئے بیع کرتے تھے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں عام طور پر مشہور ہوگیا۔ اور تمام صحابہ کرام کا اجماع ہوگیا، اور ایسے بہت مسائل ہیں جو پہلے مشہور نہیں ہوئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مشہور ہوئے اور اجماع ہوگیا۔ (درس مشکوۃ: ۵۲/۳)

نیز یاد رہے: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی زیر بحث حدیث سے ام ولد کی بیع کے جواز پر استدلال نہیں کیا جا سکتا، بلکہ یہ تو عدم جواز کی دلیل ہے، اس لئے کہ اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے منع فرمانے کا اور اس پر صحابہ کے رک جانے کا ذکر ہے، ظاہر ہے کہ ان حضرات کو حضور ﷺ سے عدم جواز کا علم ہوگا، اسی لئے ایسا فرمایا ورنہ بغیر دلیل کے نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ منع فرماتے اور نہ صحابہ اس پر سکوت فرماتے۔

دراصل ام ولد کی بیع ان احکامات میں سے ہے جو آنحضرت ﷺ نے آخر عمر مبارک میں صادر فرمائے، مگر شہرت نہ پاسکے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ان کی تشہیر ہوئی، جیسے "اکسال" سے "غسل" اور "متعه" کی حرمت کے مسئلہ میں ہوا تھا۔ (اشرف التوضیح: ۵۱۰/۲)

فائدہ: مذکورہ اجمال کی تفصیل اور حدیث شریف کی مزید وضاحت حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ام ولد باندیوں کو رسول اللہ ﷺ اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بیچا کرتے تھے، "فلما کان عمر" اس کے بعد جب عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے "نهانا عنه" تو انہوں نے "امهات الولد" کی

بیع سے منع فرمادیا، "فانتہینا"۔ توہم ان کی بیع سے باز آگئے اور پھر نہیں بیچتے تھے، بظاہر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے، کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے مطابق ام ولولد کی بیع رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تو ہوتی ہی تھی، خلیفہ اول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورخلافت میں بھی ہوتی رہی اور خلیفہ ثانی سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے دورخلافت میں لوگوں کو روکا تو انہوں نے ایسا کیوں کیا؟ اس کا حق ان کو کہاں سے حاصل ہوا؟ لیکن اشکال بہت سطحی ہے اور ذرا غور کرنے کے بعد باقی نہیں رہتا، شارح حدیث جناب تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کا احتمال ہے بیع ام ولد کے منسوخ ہونے کی خبر حضرت جابر رضی اللہ عنہ وغیرہم کو نہ پہنچی ہوگی، اور یہ بھی ممکن ہے کہ بیع ام ولد کا معاملہ نسخ سے پہلے کا ہو اور دورصدیقی میں اس کی بیع، تو یہ ایسا ہوسکتا ہے کہ کوئی ایک آدھ واقعہ ایسا ہوا ہو، جو خلیفۃ المسلمین صدیق اکبر کے علم میں نہ آسکا ہو اور نہ ہی ان کے مصاحبین کو اس کا علم ہوا ہو، پس اسی سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے یہ گمان کرلیا ہو کہ یہ جائز ہے، چنانچہ اسکو ہی حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان بھی کردیا اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اس کا منسوخ ہونا مشہور ہوگیا اور ان کے علم میں بھی آگیا تو اس کی طرف رجوع کرلیا، چنانچہ اس پر اس کے قول کی دلالت ہورہی ہے، یعنی ان کا یہ فرمانا "فلما کان عمر نہانا عنه فانتہینا"۔ اور ام ولد کی بیع کے بطلان کے لئے یہ بہت مضبوط دلیل ہے اس لئے اگر صحابہ کرام کا اس پر یقین نہ ہوتا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ حق ہے تو وہ اسکو ہرگز تسلیم نہ کرتے اور نہ اس پر وہ خاموش رہتے بلکہ برملا اس کی مخالفت کرتے اور ان کو یہ معلوم ہوتا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ رائے اور انکا یہ اجتہاد ہے تو وہ اس سے اختلاف کو جائز قرار دیتے بالخصوص وہ صحابہ کرام جو فقیہ بھی تھے لہٰذا ایسا تو ہوتا ہی کہ کوئی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موافقت میں ہوتا اور کوئی مخالفت میں ایسا مشکل ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے اور اجتہاد کے مطابق سبھی صحابہ رضی اللہ عنہم کی رائے اور اجتہاد ہو جاتا۔ سطور بالا اس سلسلہ کی مدلل گفتگو کا ایک مختصر حصہ ہے کہ اس کے بعد اگر کسی کو تشنگی ہو تو وہ (مرقاۃ المفاتیح جلد ششم: ۵۶۸ر) کا مطالعہ کرے ام ولولد کی بیع کی مخالفت کیلئے مزید مضبوط احادیث موجود ہے۔

فائدہ: ام ولد سے متعلق چند مسائل ذیل میں تحریر کئے جارہیں تاکہ احادیث کی افہام میں بصیرت حاصل ہو۔

(۱)......آپ جیسے کہ جان چکے ہیں کہ ام ولولد کی بیع عند الجمہور نا جائز ہے، اسی طرح سے ہر ایسا تصرف بھی

ناجائز ہے جو "استیلاد" سے ثابت ہونے والی حریت کے حق کو باطل کرتا ہو، جیسے "ام ولد" کو "هبه" کرنا، یا صدقہ کرنا، یا اس کی وصیت کرنا، رہن رکھنا وغیرہ اور جو چیزیں اس حق کو باطل نہ کرتی ہوں تو وہ جائز ہیں۔ "اجرة، کسب، غله، حقر، مهر" یہ تمام چیزیں مولیٰ کیلئے جائز ہیں۔

(۲)......اگر کوئی قاضی "ام ولد" کی بیع کے جواز کا فیصلہ کرے تو اس کا فیصلہ نافذ نہ ہوگا بلکہ دوسرے قاضی کے فیصلہ پر موقوف رہے گا، وہ اس کو نافذ کرے یا باطل قرار دے۔

(۳)......آقائے ام ولد کے لئے جائز ہے کہ وہ ام ولد کی کسی دوسرے کے ساتھ شادی کرے لیکن استبراء کے بعد کرنی چاہئے یعنی جب ایک حیض آجائے اس کے بعد کرے۔

(۴)......اگر آقا نے "قبل الاستبرا" ام ولد کا نکاح کر دیا تو پھر چھ ماہ سے کم کی مدت میں وہ بچہ جنتی ہے تو وہ آقا کا ہوگا اور اس نکاح کو فاسد قرار دیا جائے گا۔

(۵)......اور اگر چھ ماہ سے زائد کی مدت میں بچہ جنتی ہے تو نسب شوہر سے ثابت ہوگا، اب اگر آقا دعوی کرے کہ یہ تو میرا بچہ ہے تو اس کے دعویٰ اور اقرار کرنے سے بچہ آزاد سمجھا جائیگا، مگر نسب شوہر ہی سے ثابت مانا جائے گا۔

(۶)......"ام ولد" سے پیدا ہونے والی اولاد بھی "ام ولد" کے حکم میں ہے یعنی اس کی بیع وشراء وغیرہ جائز نہیں ہے۔ (عالمگیری: ۲/۴۵)

آزادی کے وقت غلام کے پاس موجود مال کا حکم

{۳۲۵۰} **وَعَنْ** ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَعْتَقَ عَبْداً وَلَهٗ مَالٌ فَمَالُ الْعَبْدِ لَهٗ اِلاَّ اَنْ يَشْتَرِطَ السَّيِّدُ۔ (رواه ابوداؤد وابن ماجه)

حواله: ابو داؤد شریف: ۵۵۲/۲، باب فيمن اعتق عبدا وله مال، كتاب العتق، حديث نمبر: ۳۹۶۲، ابن ماجه، ۱۸۲، باب من اعتق عبدا كتاب العتق، حديث نمبر: ۲۵۲۹۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے غلام آزاد کیا اور اس غلام کے پاس مال ہے، تو غلام کا مال اسی کا ہے، البتہ اگر مالک اس کی شرط لگا دے۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

فمال العبد له: ظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آزادی کے وقت جو مال غلام کے پاس ہے وہ غلام ہی کا ہے مگر یہ کہ مالک اس کی شرط لگائے۔ (شرح الطیبی: ۱۴/۷)

اس بارے میں اختلاف ہے کہ اگر آزادی کے وقت بغیر شرط کے غلام کے پاس مال ہے تو وہ غلام کا ہوگا یا آقا اسکا مالک بنے گا؟ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اگر بغیر شرط کے غلام آزاد کیا گیا اور اس کے پاس مال ہے تو وہ غلام کا ہوگا حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرقہ ظاہریہ حسن عطاء ابراہیم نخعی کا مسلک یہی ہے۔ (مرقاۃ: ۵۵۰/۳)

جمہور کے نزدیک مطلقا سید ہی کے لئے ہوگا یعنی بدون شرط کے بھی جمہور اس حدیث کا یہ جواب دیتے ہیں کہ آپ کا یہ فرمان "علی وجه الندب والاستحباب" ہے یعنی بہتر ہے کہ اسی کے پاس رہنے دے، اور دوسرا جواب اس کا یہ دیا گیا ہے کہ یہ حدیث اس طرح محفوظ نہیں ہے بلکہ اصل حدیث بیع سے متعلق ہے جس کے لفظ یہ ہیں کہ "کما تقدم فی کتاب البیوع: و کذا هو فی الصحیحین من باع عبدا له مال فماله للبائع الا ان یشترط المتباع، وهذا الجواب اختاره الحافظ ابن القیم رحمه الله تعالیٰ وبسط الکلام فیه، واما الحدیث بلفظ من اعتق عبدا وله مال فلم یذکره هٰذا الا المصنف والنسائی کما قال ابن القیم"۔ (الدر المنضود: ۶/۱۳۵)

جزوی آزادی کا حکم

{۳۲۵۱} **وَعَنْ** اَبِي الْمَلِيحِ عَنْ اَبِيهِ اَنَّ رَجُلاً اَعْتَقَ شِقْصًا مِنْ غُلَامٍ فَذَكَرَ ذَالِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَيْسَ لِلّٰهِ شَرِيْكٌ فَاَجَازَ عِتقَهٗ۔ (رواه ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۲/۵۴۹، باب فیمن اعتق نصیبا فی مملوک، کتاب

العتق، حدیث نمبر: ۳۹۳۳۔

حل لغات: شقص: حصہ ٹکڑا، اجاز: اجازت دینا، اجاز لی، نافذ کرنا، اجاز الشیئ، جائز قرار دینا۔

ترجمہ: حضرت ابوملیح رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ بیشک ایک آدمی نے غلام کا کچھ حصہ آزاد کیا، تو اس کا تذکرہ حضرت نبی کریم ﷺ سے کیا گیا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے، پھر آنحضرت ﷺ نے اس کی بالکلیہ آزادی کو نافذ کر دیا۔ (ابوداؤد)

تشریح: غلام کا آدھا آزاد ہونا اور آدھا غلام رہنا، غیر مناسب ہے، لہٰذا ایک شخص نے جب آدھا غلام آزاد کیا تو آپ ﷺ نے اس کو ترغیب دلائی کہ غلام کو پورے طور پر آزاد کر دو، اور جو کام بھی اللہ کی خوشنودی کے لئے کرو تو وہ مکمل طور پر اللہ کے لئے کرو، اس میں حصہ داری مت کرو۔

اعتق شقصا: یہ حدیث بظاہر صاحبین کے مذہب کے مطابق ہے، اس لئے کہ ان کے یہاں غلام میں تجزی نہیں ہے، ان کے نزدیک بعض غلام آزاد کرنے سے کل غلام آزاد ہو جاتا ہے، اور یہاں بھی بظاہر ایسا ہی ہے، اس لئے کہ مالک نے غلام کا ایک حصہ آزاد کیا لیکن آپ ﷺ نے پورے غلام میں آزادی کا نفاذ کیا، اس کا جواب گذر چکا ہے، یہاں مقصود ترغیب ہے، کہ پورے غلام کو آزاد کر دو تا کہ غیر اللہ کی شرکت محسوس نہ ہو، مذاہب کی تفصیلات و دلائل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث "من اعتق شرکا له فی عبد و کان له مال الخ" کے تحت بعنوان مشترک غلام کی آزادی کا حکم گذر گئی ہے ملاحظہ فرمائیں۔

(فیض المشکوۃ: ۶/۲۹۴، شرح الطیبی: ۷/۱۴)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے کل کو آزاد کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

(مرقات: ۳/۵۵۱)

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اسی حدیث کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ جناب نبی کریم ﷺ نے اس کے بقیہ حصہ کو آزاد کرنے کی ترغیب دلائی ہے کیوں کہ بعض غلام کو آزاد کرنا اور بعض کو غلامیت میں رکھنا یہ مناسب نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔ (مستفاد از مظاہر حق: ۴/۳۰۱)

فائدہ: اس حدیث کے راوی حضرت ابوملیح ہیں لام کے کسرہ اور میم کے فتحہ کے ساتھ، ہی ان

کی کنیت ہے، ان کا نام عامر بن اسامہ ہذلی بصری ہے اور یہ تابعی ہیں حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی ایک جماعت سے انہوں نے احادیث روایت کی ہیں۔

عن ابیه: صاحب مشکوۃ نے اپنے اسماء رجال میں علاحیدہ سے انکا ذکر نہیں فرمایا کہ اس کا مصداق کون ہیں۔ (مرقاۃ: ۳/۵۵۱)

مشروط آزادی کا حکم

{۳۲۵۲} **وَعَنْ** سَفِيْنَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كُنْتُ مَمْلُوْكًا لِاُمِّ سَلْمَةَ فَقَالَتْ اُعْتِقُكَ وَاَشْتَرِطُ عَلَيْكَ اَنْ تَخْدُمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاعِشْتَ فَقُلْتُ اِنْ لَمْ تَشْتَرِطِيْ عَلَيَّ مَا فَارَقْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاعِشْتُ فَاَعْتَقَتْنِيْ وَاشْتَرَطَتْ عَلَيَّ۔ (رواه ابوداؤد وابن ماجه)

حواله: ابوداؤد شريف: ۲/۵۴۹، باب فی العتق على الشرط، كتاب العتق حدیث نمبر: ۳۹۳۲، ابن ماجه شریف: ۱۸۱، باب من اعتق عبدا و اشترط خدمته، کتاب العتق حدیث نمبر: ۲۵۲۶۔

حل لغات: عاش: زندہ رہنا، فارقہ: کسی سے جدائی اختیار کرنا، خیر باد کہنا۔

ترجمه: حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا غلام تھا، انہوں نے فرمایا کہ میں تم کو آزاد کرتی ہوں اور تم پر یہ شرط لگاتی ہوں کہ تم اپنی عمر بھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرنا، میں نے عرض کیا کہ اگر آپ یہ شرط نہ لگاتیں تب بھی میں اپنی زندگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی اختیار نہ کرتا، تو انہوں نے مجھ کو آزاد کیا، اور میرے اوپر شرط لگائی۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: صاحب مشکوۃ نے فرمایا کہ سفینہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے اور بعض نے فرمایا کہ یہ حضرت ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے غلام تھے جنہوں نے آزاد کیا اور تاحیات خدمت کی شرط لگادی کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کریں گے، شارحین نے فرمایا ہے کہ سفینہ ان کا لقب ہے اور ان کے نام کے بارے میں بہت سے اقوال ہیں۔ "قیل مهران بن فروخ، وقیل نجران،

وقيل رومان وقيل رباح وغير ذلك،، اور بعض نے ان کو دیہاتی عرب بتایا اور بعض نے ان کو فارسی بتایا ہے۔

ان کو سفینہ کیوں کہتے ہیں؟ ان کا خود کا بیان ہے کہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے تو ہمارے ساتھیوں میں سے جو بھی تھکان محسوس کرتا تھا تو وہ اپنے ہاتھ کا سامان میرے اوپر ڈال دیتا تھا، کسی نے تلوار رکھی اور کسی نے ڈھال، اور اسی طرح یہاں تک کہ مجھ پر بہت سا سامان ہو گیا، تو آنحضرت ﷺ نے مجھے دیکھ کر فرمایا،، انت سفینة،، (تہذیب الکمال)

یہ تھے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

ان کے بارے میں یہ قصہ مشہور ہے کہ یہ کسی سفر میں تنہا رہ گئے اور راستہ بھی بھٹک گئے اسی اثناء میں انہوں نے دیکھا کہ ان کی طرف ایک شیر چلا آرہا ہے تو یہ ڈرے اور اس سے کہا کہ میں حضور ﷺ کا غلام اور خادم ہوں اور میں راستہ بھٹک گیا ہوں، یہ سنکر اس شیر کا رویہ ان کے ساتھ بدل گیا اور ان کے ساتھ نرمی اور نیازمندی برتنے لگا اور دم ہلانے لگا جیسا کہ کسی مانوس چیز کو دیکھ کر ہلاتا ہو، اور پھر وہ ان کے ساتھ ہمہما تا ہو چلا اور راستہ پر ڈال دیا، قصیدہ بردہ کا شعر ہے:

ومن تكن برسول الله نصرته
ان تلقه الاسد في آجامها تجم

ترجمہ: العارف الجامی فی الفارسیہ

ہو مدد جس کو رسول سید لولاک کی
شیر بھی ان کو ملے جنگل میں گر مارے نہ دم

مسئلة الحديث کی وضاحت

اس واقعہ میں ایک فقہی مسئلہ بھی ہے وہ یہ کہ اعتاق کے وقت اس طرح کی شرط لگانا شرعاً معتبر ہے، یا نہیں، اکثر فقہاء کے نزدیک صحیح نہیں ہے، ''لانه شرط لا يلاقي ملكا، ومنافع الحر لا يملكها

غیرہ الا فی اجارۃ او مافی معناھا'' یعنی یہ شرط ایسی ہے جس کا تعلق اپنی مملوک شئی سے نہیں ہے اسلئے کہ خدمت کا وقوع عتق کے بعد ہوگا، اور عتق کے بعد مولیٰ کا کوئی حق باقی نہیں رہتا سوی الولاء اسلئے کہ منافع حر کا مالک خود وہ حر ہے لہٰذا اس کی توجیہ یہ کی گئی ہے کہ یہ اصطلاحی شرط نہیں تھی بلکہ اس سے مراد وعدہ ہے یعنی ان سے بطور تبرع یہ وعدہ لیا گیا، اور ایفاء وعدہ لازم نہیں شرعا تبرع ہے۔ (الدر المنضود: ۶/۱۲۵)

مکاتب کا ادائے کتابت سے قبل کا حکم

{۳۲۵۳} **وَعَنْ** عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْمُكَاتَبُ عَبْدٌ مَابَقِيَ عَلَيْهِ مِنْ مُكَاتَبَتِهِ دِرْهَمٌ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۲/۵۴۷، باب فی المکاتب، کتاب العتق، حدیث نمبر: ۳۹۲۶۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کہ مکاتب غلام رہے گا، جب تک کہ اس کی مکاتبت کا ایک درہم بھی اس پر باقی رہیگا۔ (ابوداؤد)

تشریح: المکاتب عبد مابقی علیہ درھم: مکاتبت کہا جاتا ہے کہ غلام اپنے مولیٰ کے ساتھ یہ عقد کرلے کہ اتنی رقم دوں گا آپ مجھے آزاد کردیں اور مولیٰ قبول کرلے، خواہ ایک ساتھ روپیہ دیدے یا قسطوار دے، اب اس میں بحث ہوئی کہ کتنی مقدار دینے سے آزاد ہوجائے گا، تو جمہور صحابہ وفقہاء کے نزدیک جب تک پوری رقم ادا نہ کرے آزاد نہیں ہوگا اگر ایک درہم بھی باقی رہے غلام ہی رہیگا، آزاد نہیں ہوگا لیکن بعض حضرات نے اس میں کچھ اختلاف کیا، ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ اگر نصف آزاد کردیا تو رقیت باقی نہیں رہتی اور یہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ وحضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، اور بعض حنابلہ کے نزدیک اگر چار حصہ سے تین حصہ آزاد کردیا پھر عاجز ہوگیا تو آزاد شمار ہوگا، اور حضرت علی سے دوسرا قول منقول ہے کہ مکاتب جس قدر ادا کرے گا اسی کے بقدر حصہ آزاد سمجھا جائے گا۔

پہلے دونوں قول کی ظاہرا کوئی دلیل نہیں ہے، صرف ان کا اجتہاد ہے، البتہ تیسرے قول کی ایک دلیل ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث ترمذی میں "انہ علیہ السلام قال اذا اصاب المکاتب حدا او میراثا ورث بحساب ما عتق منه ویودی المکاتب بحصته وما ادی دیة حر وما بقی دیة عبد" تو اس سے صاف ظاہر ہوا کہ جس قدر آزاد ہوا اس کے مطابق میراث ملے گی، اور اسی اندازہ سے دیت حر ہوگی، اور بقیہ میں دیت عبد تو معلوم ہوا کہ جس قدر ادا کرے گا اسی کے بقدر حصہ آزاد سمجھا جائے گا۔

جمہور دلیل پیش کرتے ہیں کہ حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی حدیث مذکور سے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ "المکاتب عبد ما بقی علیہ درهم، مکاتب غلام ہے جب تک اس کے اوپر ایک درہم بھی باقی ہے۔ "رواہ ابوداؤد" دوسری دلیل انہی کی حدیث ہے "من کاتب عبدا علی مائة اوقیة فادها الا عشرة او عشرة دنانیر ثم عجز فهو رقیق" جس نے غلام کو دس اوقیہ پر مکاتب بنایا اس نے اس کو ادا کر دیا صرف دس دینار باقی رہ گئے پھر وہ ادا کرنے سے عاجز ہو گیا پس وہ غلام ہی ہے۔ رواہ الترمذی"

ان دونوں حدیثوں سے صاف معلوم ہوا کہ جب تک ایک درہم بھی باقی رہے وہ غلام ہی رہتا ہے، انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے جو دلیل پیش کی اس کا جواب یہ ہے کہ وہ حدیث ضعیف ہے "کما ضعفه الترمذی"، اور علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ جواب دیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں عتق موقوف کو بیان کیا ہے اور عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں عتق کامل کا بیان ہے، لہٰذا دونوں حدیث میں تعارض بھی نہیں اور جمہور کا مذہب بھی ثابت ہو گیا۔

پھر یہاں دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر عبد عقد مکاتبت کا مطالبہ کرے تو اہل ظاہر اور عکرمہ کے نزدیک مولیٰ پر کتابت کرنا واجب ہے، لیکن جمہور ائمہ کے نزدیک عبد کے ساتھ عقد کتابت واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔

داؤد ظاہری اور عکرمہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ قرآن کریم کی آیت سے "حیث قال الله تعالیٰ والذین یبتغون الکتاب مما ملکت ایمانکم فکاتبوهم" اور تمہاری ملکیت کے غلام باندیوں

013

میں سے جو مکاتبت کا معاہدہ کرنا چاہیں اگر ان میں بھلائی دیکھو تو ان سے مکاتبت کا معاہدہ کرلیا کرو۔ (سورۃالنور) تو یہاں امر کا صیغہ ہے جو وجوب پر دال ہے۔

جمہور دلیل پیش کرتے ہیں کہ مکاتبت کو بیع کہا جائے گا یا عتق، اور ان میں کوئی بھی واجب نہیں اگر چہ کوئی بہت زیادہ ثمن دیدے، لہٰذ مکاتب بنانا واجب نہیں ہوگا۔

انہوں نے صیغہ امر سے جو استدلال کیا اس کا جواب یہ ہے کہ یہ امر برائے استحباب وندب ہے۔

(درس مشکوۃ: ۳/۵۳)

مکاتب سے پردہ کی تاکید

{۳۲۵۴} **وَعَنْ** اُمِّ سَلْمَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ عِنْدَ مُكَاتَبِ اِحْدَاكُنَّ وَفَاءٌ فَلْتَحْتَجِبْ مِنْهُ۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد وابن ماجه)

حواله: ترمذی شریف: ۱/۲۳۹، باب ماجاء فی المکاتب، کتاب البیوع، حدیث نمبر: ۱۲۶۱، ابو داؤد شریف: ۲/۵۴۸، باب فی المکاتب، کتاب العتق حدیث نمبر: ۳۹۲۸، ابن ماجه، ۱۸۱، باب المکاتب، کتاب العتق حدیث نمبر: ۲۵۲۰۔

حل لغات: وفاء: تکمیل ادائیگی، نباہ: خیرخواہی، احتجب: چھپ جانا، پردہ یا اوٹ میں ہوجانا۔

ترجمه: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کے مکاتب کے پاس اتنا مال ہو کہ بدل کتابت ادا کرسکے، تو تم کو اس سے پردہ کرنا چاہئے۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ مکاتب کے پاس اتنی رقم موجود ہو، جس سے وہ بدل کتابت ادا کرسکے گو ابھی تک اس نے وہ پوری رقم ادا نہ کی ہو، تو تاہم اس سے پردہ کرنا چاہئے، یعنی اگر چہ ابھی وہ آزاد نہیں ہوا لیکن آزاد ہونے کے قریب ہے اسلئے پہلے ہی سے احتیاطاً پردہ شروع کردے۔

عورت اپنے غلام سے پردہ کرے یا نہیں؟

یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی بنا پر فرماتے ہیں کہ غلام سے مالکہ کا پردہ نہیں ہے، وہ محارم کے حکم میں ہے۔

حنفیہ کے نزدیک مالکہ کے لئے غلام سے پردہ ہے، اور وہ اجنبی کے حکم میں ہے، یہ مسئلہ در حقیقت سورہ نور کی آیت ۳۱ ر میں جو "او ماملکت ایمانھن" آیا ہے اس سے متعلق ہے کہ اس سے کیا مراد ہے؟ آیت باندی کے ساتھ خاص ہے یا غلام کو بھی عام ہے؟ حنفیہ کے نزدیک باندی کے ساتھ خاص ہے، اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عام ہے، غلام باندی سب کو شامل ہے لہٰذا اگر ان کے نزدیک مالکہ کا نہ تو غلام سے پردہ ہے نہ باندی سے پردہ ہے۔

سوال: اگر کوئی کہے کہ عورت سے پردہ نہیں پھر آیت کے باندیوں کے ساتھ خاص ہونے کا کیا مطلب ہے؟

جواب: غیر مسلم عورتوں سے پردہ واجب ہے "او نسائھن" میں اسی کا بیان ہے، لوگ اس مسئلہ کو نہیں جانتے، مگر تمام ائمہ کے نزدیک مسئلہ یہی ہے کہ غیر مسلم عورتوں سے پردہ واجب ہے، البتہ غیر مسلم باندی سے پردہ واجب نہیں ہے، "او ماملکت ایمانھن" میں اسی کا تذکرہ ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک آیت عام ہے، اور مالکہ کا اپنا غلام سے پردہ نہیں ہے اور آیت کے عام ہونے کی دلیل حدیث باب ہے کہ اس میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مالکہ کو اپنے مکاتب غلام سے پردہ کرنے کا حکم دیا ہے، یہ حکم اگرچہ تقویٰ کی بنا پر ہے مگر اس سے معلوم ہوا کہ مالکہ اپنے غلام سے بات کرسکتی ہے، اس کے سامنے کھلے چہرے آسکتی ہے، اگر یہ گنجائش نہیں دی جائے گی تو غلام کے ساتھ معاملہ کرنا دشوار ہو جائے گا، وہ غلام سے کیسے کام لے گی؟ ایسے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مقصد اس باب کی حدیث میں یہ ہے کہ مالکہ کا اپنے غلام سے گنجائش والا پردہ اب احتیاطاً ختم کر دیا جائے، کیوں کہ مکاتب بن جانے کے بعد غلام تصرف کے اعتبار سے آزاد ہو چکا ہے، اور جب وہ بدل کتابت ادا کرنے کی پوزیشن میں ہے تو اب اس سے سخت پردہ شروع کر دیا جائے۔ (تحفۃ الالمعی: ۱۸۴/۴)

جو مکاتب پورا بدل کتابت ادا نہ کرسکا

{۳۲۵۵} **وَعَنْ** عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَاتَبَ عَبْدَهٗ عَلٰى مِائَةِ اَوْقِيَةٍ فَاَدّٰهَا اِلَّا عَشَرَةَ اَوَاقٍ اَوْ قَالَ عَشَرَةَ دَنَانِيْرٍ ثُمَّ عَجِزَ فَهُوَ رَقِيْقٌ۔ (رواه الترمذی وابوداؤد وابن ماجه)

حواله: ترمذی شریف: ۱/۲۳۹، باب ماجاء فی المکاتب اذا کان عنده مایؤدی، کتاب البیوع، حدیث نمبر: ۱۲۶۰، ابو داؤد شریف: ۲/۵۴۷، کتاب العتق باب فی المکاتب یؤدی بعض کتابة، حدیث نمبر: ۳۹۲۷، ابن ماجه ۱۸۱، باب المکاتب، کتاب العتق، حدیث نمبر: ۲۵۱۹۔

حل لغات: اوقیہ: ایک وزن کا نام ہے جو ایک اونس پاؤنڈ کے برابر ہوتا ہے، یا یوں سمجھئے کہ اوقیہ چالیس درہم کے برابر، اور ایک درہم ساڑھے تین ماشہ کا ہوتا ہے، دنانیر: سونے کا ایک سکہ جس کا وزن ڈھائی تولہ کا ہوتا ہے، عجز عن الشیئ: بے بس ہو جانا، عاجز ہو جانا کسی کام کو نہ کرسکنا، رقیق غلام، باریک ولطیف، واحد جمع، اور تثنیہ تینوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

ترجمه: حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ جس نے سو اوقیہ پر غلام کو مکاتب بنایا، اور غلام نے دس اوقیہ کے علاوہ سارا ادا کر دیا، یا آنحضرت ﷺ نے دس دینار فرمایا، پھر وہ عاجز ہوگیا، تو وہ غلام ہی ہے۔ (ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ)

من کاتب عبده: جس نے سو اوقیہ پر اپنے غلام کو مکاتب بنایا، مکاتب تصرف کے اعتبار سے آزاد ہوتا ہے، جو چاہے کام کرسکتا ہے، اور جب طے شدہ رقم بھر دیتا ہے، تو گردن کے اعتبار سے بھی آزاد ہو جاتا ہے، "فادها" دس اوقیہ کے علاوہ سارا بدل کتابت ادا کر دیا یا آپ ﷺ نے فرمایا کہ دس دینار کے علاوہ سب ادا کر دیا، ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے، ترمذی کی روایت میں "اوقال عشرة

013

درھم، یعنی ننانوے اوقیہ اور سوویں اوقیہ کے بھی تین حصے ادا کر دیئے، "ثم عجز" پھر وہ عاجز ہو گیا یعنی ہمت ہار گیا اور اعتراف کر لیا کہ باقی رقم ادا نہیں کر سکتا ہوں۔ (فیض المشکوۃ: ۶/۲۹۷)

فہو رقیق: علامہ ابن الملک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ دلالت کرتا ہے اس بات پر کہ مکاتب کا بعض بدل کتابت سے عاجز آجانا یہ ایسا ہی ہے کہ وہ کل بدل کتابت کی ادائیگی سے عاجز آ گیا ہو، (اگر بدل کتابت کا ایک حصہ بھی مکاتب کے ذمہ رہ جائے) تو آقا کو اختیار ہے کہ اس کی کتابت کو فسخ کر دے اور وہ اپنی سابقہ حالت پر ہی لوٹ جائے گا یعنی غلام ہو جائے گا، نیز یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ جو مال بدل کتابت کے طور پر غلام نے آقا کو دیا یا کمائی کر کے جمع کیا ہے وہ تمام مال آقا کا ہی شمار ہو گا اور اسی کے قائل ہیں حضرات فقہا جمہور۔ (مرقاۃ: ۳/۵۵۲)

مکاتب کی جزوی آزادی

{۳۲۵۶} وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أَصَابَ الْمُكَاتَبُ حَدًّا أَوْمِيْرَاثًا وَرِثَ بِحِسَابِ مَا عَتَقَ مِنْهُ رَوَاهُ أَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ، وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهُ قَالَ يُوْدٰى الْمُكَاتَبُ بِحِصَّةِ مَا أَدّٰى دِيَةَ حُرٍّ وَمَا بَقِيَ دِيَةَ عَبْدٍ وَضَعَّفَهُ۔

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۲/۶۳۰، باب فی دیۃ المکاتب، کتاب الدیات، حدیث نمبر: ۴۵۸۲، ترمذی شریف: ۱/۲۳۹، باب ماجاء فی المکاتب اذا کان عندہ مایودی، کتاب البیوع، حدیث نمبر: ۱۲۵۹۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مکاتب حد یا میراث پائے تو اس کو یہ چیزیں اسی قدر ملیں گی جتنا وہ آزاد ہوا ہے، (ابو داؤد، ترمذی) ترمذی کی ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مکاتب جتنا حصہ ادا کر چکا ہے، اس کے مطابق آزاد کی میراث ملے گی، اور جتنا باقی ہے، اس کے مطابق غلام کی دیت ہے، اور اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔

تشریح: مکاتب اپنے بدل کتابت میں سے جس مقدار کی ادائیگی کردیگا اس مقدار میں وہ آزاد ہوجائیگا، مثلا ایک ہزار میں بدل کتابت کی اور اس نے پانچ سو روپیئے ادا کردے، تو یہ آدھا آزاد ہوگیا۔

اذا اصاب المکاتب حدا او ورث میراثا: اس حدیث میں شرط کی جانب میں دو مسئلے مذکور ہیں۔

(۱) ایک حد کا، (۲) میراث کا لیکن جزاء کی جانب میں صرف ایک مسئلہ کا جواب مذکور ہے یعنی میراث کا اور مسئلہ اولیٰ کی جزاء مقدر ہے، یعنی "اذا اصاب المکاتب حدا حد الحر بقدر ما ادی وحد العبد بقدر مابقی" مسئلہ اولیٰ کی تشریح یہ ہے کہ ایک مکاتب جو نصف بدل کتابت ادا کرچکا تھا اور نصف باقی تھا اس نے کسی موجب حد امر کا ارتکاب کیا مثلاً زنا کیا تو اس پر نصف حد آزاد کی جاری کی جائے گی، اور نصف حد غلام کی، یعنی پچھتر (۷۵) کوڑے لگائے جائیں گے اور مسئلہ ثانیہ کی صورت یہ ہوگی کہ ایک مکاتب ہے جس کا صرف ایک بھائی ہے پس اس مکاتب کے باپ کا انتقال ہوگیا تو اگر اس مکاتب نے کچھ بدل کتابت ادا نہ کیا ہوگا، تو اس صورت میں صرف اس کا بھائی وارث ہوگا، اور اگر پورا بدل کتابت ادا کردیا ہوگا تو دونوں بھائی برابر کے وارث ہوں گے اور اگر اس مکاتب نے نصف بدل کتابت ادا کی ہوگی تو حدیث باب کی رو سے بجائے نصف میراث کے نصف النصف کا مستحق ہوگا، "یؤدی المکاتب بحصة ما ادی" مطلب یہ ہے کہ مکاتب کو اگر قتل کردیا جائے، تو جتنا بدل کتابت اس نے ادا کردیا ہے مثلا نصف تو نصف دیت حر کی واجب ہوگی اور نصف دیت عبد کی تو گویا نصف مکاتب میں حر کا معاملہ کیا جائے گا، کیونکہ نصف بدل کتابت ادا کرچکا ہے، اور نصف میں اس کے ساتھ غلام کا معاملہ کیا جائے گا، کیونکہ نصف بدل کتابت ابھی باقی ہے، لہٰذا مثال مذکور میں اس کی دیت پچھتر (۷۵) اونٹ ہوگی، کیونکہ غلام کی دیت حر کی دیت سے نصف ہوتی ہے، اس روایت کا تقاضہ یہی ہے، لیکن ائمہ اربعہ میں سے کسی کا مذہب یہ نہیں ہے، وہ تو یہ فرماتے ہیں کہ جب تک مکاتب پورا بدل کتابت ادا نہ کرے، وہ غلام ہی رہتا ہے، کیونکہ حریت اور رقیت متجزی نہیں ہوتی ہے، البتہ ابراہیم نخعی کا اس حدیث پر عمل ہے، ائمہ اربعہ کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور ائمہ اربعہ کے مذہب کے موافق ہے۔

عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کے طریق سے جو حدیث گذری ہے اس کے اندر صراحتاً حضور ﷺ کا فرمان ہے۔

(من کاتب عبدہ علی مائۃ اوقیۃ فادھا الا عشرۃ اواق او قال عشرۃ دنانیر ثم عجز فھو رقیق فما ھو جوابکم فھو جوابنا) (فیض المشکوۃ:۲۹۸/۶،مرقاۃ:۵۵۲/۳)

فائدہ: مکاتب سے متعلق کچھ مسائل ضرور یہ بانداز سوال و جواب بیان کئے جارہے ہیں تا کہ قارئین کو کتابت سے متعلق کچھ مسائل کا استحضار ہو سکے۔

سوال: مولیٰ کے اپنے کو غلام کو مکاتب بنانے کے کیا معنی ہیں؟

جواب: اس کے معنی یہ ہیں کہ مولیٰ اپنے غلام یا باندی سے کہے تو مجھ کو ایک ہزار روپیئے چند قسطوں میں یا ایک بار میں ہی ادا کر دے اور اتنی مدت کے اندر اندر تو تو آزاد ہے اور اگر تو اتنی مدت میں یہ رقم ادا نہ کر سکے تو تو غلام ہی رہے گا پس جب غلام اس کو قبول کر لے تو یہ مکاتب بن جائیگا۔

اس معاملہ کو کتابت کہتے ہیں اور وہ مال جو دونوں کے درمیان طے ہوا ہے، اس کو بدل کتابت کہتے ہیں۔

"قال اللہ تعالیٰ والذین یبتغون الکتاب مما ملکت ایمانکم فکاتبوھم ان علمتم فیھم خیرا" {اور تمہاری ملکیت کے غلام باندیوں میں سے جو مکاتبت کا معاہدہ کرنا چاہیں اگر ان میں بھلائی دیکھو تو ان سے مکاتبت کا معاہدہ کر لیا کرو} ۔(سورۃ النور)

(۲) **سوال:** بدل کتابت کی فی الحال شرط لگانا جائز ہے یا اسکا ادھار ہونا ہی لازم ہے؟

جواب: مال کا جس طرح سے فی الحال ادا کرنا جائز ہے اسی طرح سے ادھار اور قسط وار بھی ادا کرنا جائز ہے۔

(۳) **سوال:** کیا آقا اپنے نابالغ غلام کو مکاتب بنا سکتا ہے؟

جواب: مولیٰ کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے نابالغ غلام کو مکاتب بنائے مگر شرط یہ ہے کہ وہ بیع وشرا کو سمجھتا ہو۔

(۴) **سوال:** کتابت سے کیا حکم متعلق ہوتا ہے؟

جواب: جب کتابت صحیح ہو جائے گی تو غلام آقا کے قبضہ سے دست بردار ہو جائے گا البتہ اس کی

013

ملک سے نہیں نکلے گا، اور غلام کے لئے جائز ہے، کہ وہ سفر کرے اور بیع وشراء کرے۔

(۵) **سوال:** کیا غلام کے لئے شادی کرنا جائز ہے؟

جواب: غلام کے لئے شادی کرنا جائز نہیں ہے الا یہ کہ آقا اسکی اجازت دیدے۔

(۶) **سوال:** غلام بدل کتابت کی ادائیگی کے لئے کماتے ہوئے مال میں سے صدقہ یا ہبہ کرسکتا ہے؟

جواب: معمولی چیز کا صدقہ یا ہبہ کرسکتا ہے زیادہ کا جائز نہیں ہے۔

(۷) **سوال:** مکاتب کسی کیلئے کفیل بن سکتا ہے؟

جواب: مکاتب کے لئے کفیل بننا جائز نہیں ہے۔

(۸) **سوال:** مکاتب کسی باندی کو خرید کر اس سے وطی کرے پھر بچہ پیدا ہو تو اس بچہ کا کیا حکم ہے؟

جواب: یہ بچہ کتابت میں داخل ہوگا، اور اسکا فعل اس کے باپ کے لئے ہوگا اور اس کی کمائی بھی اس کے لئے ہوگی۔

(۹) **سوال:** مولیٰ نے اپنے غلام کی اپنی باندی سے شادی کی پھر دونوں کو مکاتب بنادیا پھر ان دونوں سے بچہ پیدا ہوا تو اس بچہ کا کیا حکم ہے؟

جواب: یہ بچہ کتابت میں داخل ہوگا مگر اپنی ماں کی کتابت میں اور اس کی کمائی بھی ماں کے لئے ہوگی۔

(۱۰) **سوال:** ایک شخص نے اپنی باندی کو مکاتب بنایا پھر اس سے وطی کی کیا اس پر کچھ واجب ہوگا؟

جواب: ہاں اس پر مہر واجب ہوگا۔

(۱۱) **سوال:** مکاتب اپنے باپ یا بیٹے کو خریدے کیا یہ اس پر آزاد ہوجائیں گے؟

جواب: فی الحال آزاد نہ ہوں گے لیکن کتابت میں اس کے ساتھ داخل ہوں گے پھر مکاتب آزاد ہوجائے گا تو اس کے ساتھ باپ اور بیٹا بھی آزاد ہوجائیں گے۔۔

(۱۲) **سوال:** مکاتب جب کہ بدل کتابت سے عاجز آجائے تو کیا وہ رقیت کی طرف لوٹ جائے

گا؟ اور اس کے مال کا کیا حکم ہے؟

جواب: ہاں وہ رقیت کی طرف لوٹ جائے گا اور جو بھی مال اس نے کمایا ہے وہ تمام اس کے مولیٰ کا ہوگا۔

(۱۳) **سوال:** مکاتب کی اولاد کا کیا حکم ہے؟

جواب: مکاتب کے آزاد ہونے کے بعد اس کی اولاد بھی آزاد ہو جائے گی۔

(۱۴) **سوال:** ایک مسلمان شخص نے اپنے غلام کو شراب یا خنزیر پر مکاتب بنایا تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: اس صورت میں یہ کتابت فاسد ہے۔

(۱۵) **سوال:** اگر کوئی غلام بدل کتابت میں شراب یا خنزیر کو ادا کرے تو اس کی آزادی کا کیا حکم ہے؟

جواب: اسکی ادائیگی سے آزادی کا حکم تو نافذ ہو جائے گا مگر اس غلام کو یہ بات لازم ہوگی کہ وہ اپنی قیمت میں سعی کرے اور مسمی سے نہ کم ہوگا اور نہ زائد۔

(۱۶) **سوال:** اگر کوئی مکاتب اپنی اس باندی سے شادی کرے جو اس نے خریدی ہے تو کیا یہ اس کے لئے جائز ہے؟

جواب: ہاں یہ جائز ہے۔ (التسہیل الضروری: ۲/۹۴)

{الفصل الثالث}

کسی دوسرے کی طرف سے غلام آزاد کرنا

{٣٢٥٧} عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ عَمْرَۃَ الْاَنْصَارِیِّ اَنَّ اُمَّہٗ اَرَادَتْ اَنْ تُعْتِقَ فَاَخَّرَتْ ذٰالِکَ اِلٰی اَنْ تُصْبِحَ فَمَاتَتْ قَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فَقُلْتُ لِلْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ اَیَنْفَعُھَا اَنْ اُعْتِقَ عَنْھَا فَقَالَ الْقَاسِمُ اَتٰی سَعْدُ بْنُ عُبَادَۃَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ اُمِّیْ ھَلَکَتْ فَھَلْ یَنْفَعُھَا اَنْ اُعْتِقَ عَنْھَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَعَمْ ۔ (رواہ مالك)

حوالہ: مؤطاامام مالک، باب عتق الحی عن المیت، کتاب العتق، حدیث نمبر:١٣۔

حل لغات: اخر الشیئ: مؤخر کرنا، پیچھے آنا، لیٹ آنا، اصبح: صبح کے وقت میں داخل ہونا، کسی کی صبح ہونا، نفعہ: نفعا: فائدہ دینا، نفع پہنچانا، ھلک فلان: مرجانا، فنا ہونا، ہلاک ہوجانا۔

ترجمہ: حضرت عبدالرحمن بن ابوعمرہ انصاری کے بارے میں روایت ہے کہ ان کی والدہ نے غلام آزاد کرنے کا ارادہ کیا، مگر صبح ہونے تک انہوں نے اس کام میں تاخیر کی، چنانچہ ان کی وفات ہوگئی، عبدالرحمن کہتے ہیں کہ میں نے قاسم بن محمد سے عرض کیا کہ اگر میں غلام کو ان کی طرف سے آزاد کردوں تو کیا ان کو اس کا نفع پہنچے گا؟ تو قاسم نے فرمایا کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت حاضر ہوئے اور انہوں نے عرض کیا کہ میری اماں کا انتقال ہوگیا ہے، تو کیا اگر میں ان کی طرف سے غلام آزاد کردوں، تو ان کو نفع ملے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں ملے گا۔ (موطاامام مالک)

فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نعم: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے معلوم ہوا کہ

میت کو ثواب پہنچایا جائے تو پہنچتا ہے، بخاری شریف میں ایک حدیث ہے کہ ایک صحابی نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ "ان امی افتلتت نفسها واظنها لو تکلمت تصدقت فهل لها اجر ان تصدقت عنها" میری ماں کا اچانک انتقال ہو گیا اور میرا گمان ہے کہ اگر ان کو گفتگو کا موقع ملتا تو وہ خیرات کرتیں، اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا ان کو اجر ملے گا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں اجر ملے گا، اس طرح کی بہت سی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ میت کو ثواب پہنچتا ہے بعض لوگ قرآن کریم کی آیت "وان لیس للانسان الا ما سعی" (انسان کو صرف وہی ملے گا جو اس نے کوشش کی) سے استدلال کر کے ایصال ثواب کا انکار کرتے ہیں، حالانکہ یہ انکار بہت سی احادیث کے انکار کو مستلزم ہے، آیت کا مطلب تو یہ ہے کہ انسان کو صرف اپنی کوشش اور اپنے عمل کا استحقاق ہے باقی کا نہیں، اور ایصال ثواب کے ذریعہ میت کو نفع پہنچانا اللہ کے خصوصی فضل و مہربانی سے ہوگا۔
(فیض المشکوۃ:۲۹۹/۶)

فائدہ: حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ مالی عبادت کا ثواب پہنچایا جاسکتا ہے لیکن بدنی عبادت کا ثواب بھی پہنچتا ہے کہ نہیں اس میں اختلاف ہے اور راجح قول یہی ہے کہ بدنی عبادت کا ثواب بھی اگر میت کو پہنچایا جائے تو پہنچتا ہے، فقط۔

عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ عَمْرَةَ الْاَنْصَارِیِّ اَنَّ اُمَّهٗ: ابی عمرہ، بفتح العین وسکون المیم: الانصاری، صاحب مشکوۃ نے فرمایا ہے کہ یہ مدنی ہیں اور بعض دوسرے حضرات شارحین نے کہا کہ یہ قریشی ہیں، مضطرب الحدیث ہیں اور صحابہ میں ہونا ثابت نہیں ہے، کذا قال ابن البر اور انہوں نے شامی بتایا ہے، ان سے ایک آدمی نے حدیث روایت کی ہے۔

ان امه: ان کا نام صاحب مشکوۃ نے بھی نہیں بتایا ہے۔

للقاسم ابن محمد: قاسم بن محمد یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں اور مدینہ طیبہ کے سات بڑے فقہاء کرام میں سے ایک ہیں ان کے والد کا نام عبد الرحمن ہے تو گویا پورا نام ہوا قاسم بن عبد الرحمن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بھائی کی طرف سے غلام آزاد کرنا

{۳۲۵۸} **وَعَنْ** يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ تُوُفِّيَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اَبِيْ بَكْرٍ فِيْ نَوْمٍ نَامَهُ فَاَعْتَقَتْ عَنْهُ عَائِشَةُ اُخْتُهُ رِقَابًا كَثِيْرَةً۔ (رواه مالك)

حوالہ: مؤطا، باب عتق الحی عن المیت، کتاب العتق، حدیث نمبر: ۱۴۔

حل لغات: توفی فلان: کسی کی موت آجانا، زندگی کا وقت پورا ہونا، الرقبة: گردن، غلام یا مکاتب۔

ترجمہ: حضرت یحییٰ بن سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عبد الرحمن بن ابو بکر رضی اللہ عنہ سوئے ہوئے تھے کہ اسی سونے کی حالت میں ان کا انتقال ہوگیا، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو ان کی بہن تھیں بہت سے غلام آزاد کئے۔ (مالک)

تشریح: حضرت عبد الرحمن رضی اللہ عنہ کا اچانک انتقال ہوگیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کی طرف سے اس لئے غلام کثرت سے آزاد کئے، کہ بعض احادیث کی بنا پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ناگہانی موت کو اچھا نہیں سمجھا، پھر حضرت عبد الرحمن رضی اللہ عنہ کے ذمہ غلام آزاد کرنا تھا، اس لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کی طرف سے غلام آزاد کئے۔

نوم نامہ: سونے میں انتقال ہوگیا مقصود یہ ہے کہ اچانک وفات ہوگئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی ہے کہ "اللهم انی اعوذ بك من موت الفجاءة" اے اللہ میں اچانک کی موت سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں، اچانک کی موت جب کہ ذمہ میں حقوق ہوں اور وہ ادا نہ کئے گئے ہوں، خاص طور پر قابل پناہ ہے، پھر بیماری کے بعد آدمی مرتا ہے تو گناہوں سے توبہ کی توفیق مل جاتی ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان ہی باتوں کی بنا پر اپنے بھائی عبد الرحمن رضی اللہ عنہ کی ناگہانی موت پر بہت رنجیدہ تھیں، چنانچہ انہوں نے اپنے غم کو ہلکا کرنے اور بھائی کو ثواب پہنچانے کی غرض سے بھائی کی طرف سے کثرت سے غلام آزاد کئے معلوم ہوا کہ ایصال ثواب میت کے حق میں نافع ہے۔

013

فائدہ: عن یحییٰ بن سعید، یہ مدنی انصاری صحابی ہیں انہوں نے حدیث کی سماعت انس بن مالک، سائب بن یزید وغیرہ سے کی ہے، اور ان سے روایت کرنے والے ہشام بن عروہ مالک بن انس، شعبہ، ثوری، ابن عیینہ، اور ابن مبارک رضی اللہ عنہم ہیں حدیث اور فقیہ کے یہ امام تھے بڑے عالم صاحب ورع وتقوی تھے اپنی فقاہت اور دین کے لئے مشہور ہیں عابد وزاہد تھے صاحب مشکوۃ نے ان کو تابعین میں شمار کیا ہے اور نہیں کی فہرست میں ان کو بیان فرمایا ہے۔ (انوار المصابیح: ۶/۳۶۸)

غلام خریدنے کے وقت غلام کے پاس موجودہ مال کا حکم

{۳۲۵۹} **وَعَنْ** عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اشْتَرَى عَبْدًا فَلَمْ يَشْتَرِطْ مَالَهُ فَلاَ شَيْئَ لَهُ۔

(رواہ الدارمی)

حوالہ: دارمی: ۲/۳۳۰، باب فیمن باع عبدا و له مال کتاب البیوع حدیث نمبر: ۲۵۶۱۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ جس آدمی نے کوئی غلام خریدا اور اس کے مال کی شرط نہیں لگائی، تو اس کے لئے کچھ نہیں ہے۔ (دارمی)

تشریح: اصل بات یہ ہے کہ غلام کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا ہے، اس کا مال اس کے آقا کا ہوتا ہے، لہٰذا جس وقت کوئی آدمی غلام خرید رہا ہے، تو غلام کے پاس موجود مال درحقیقت اس کے آقا کا ہے، جو اسے بیچ رہا ہے، لہٰذا خریدنیوالے نے اگر غیر مشروط طور پر غلام کو خریدا تو صرف غلام ملے گا مال نہیں ملے گا، اس لئے کہ مال تو اس کے آقا کا ہے، جس کا یہ پہلے غلام تھا۔

فلم یشترط ماله فلا شئ له: غلام خریدا اور بیع میں اس کے مال کی شرط نہیں لگائی تو خریدار کو مال میں سے کچھ نہ ملے گا، ضابطہ ہے کہ "لا ملك للملوك"، غلام کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ جب غلام آزاد ہوتا ہے تو اس کے مال کا آقا مالک ہوتا ہے، اور حدیث باب میں جو یہ فرمایا ہے کہ غلام کا مال ہے تو وہ اس وجہ سے ہے کہ مال غلام کے قبضہ میں ہے اور اس کے تصرف میں ہے،

ورنہ حقیقتاً اس کا مالک اسکا آقا ہے لہذا خریدنے والے کو کچھ نہیں ملے گا، سب کچھ اس کے سابق مالک کے تصرف میں رہیگا۔ (فیض المشکوۃ: ۳۰۰/۶، مرقاۃ: ۵۵۳/۳)

تم الجزء السابع عشر من الرفیق الفصیح لمشکوۃ المصابیح بحمدہ
واحسانہ تعالی ویلیہ الجزء الثامن عشر ان شاء اللہ تعالی
اولہ ابواب النذور والایمان ربنا تقبل منا انك
انت السمیع العلیم وتب علینا انك
انت التواب الرحیم بحرمۃ
حبیبك سید المرسلین
صلی اللہ علیہ وعلی
آلہ واصحابہ
اجمعین
الی یوم الدین

محمد فاروق غفرلہ
خادم جامعہ محمودیہ علی پور ہاپوڑ روڈ میرٹھ (یوپی)
۲۴ رمضان المبارک ۱۴۳۶ھ